سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عطا کردہ تمدنی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی دستورِ حیات

نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ادیبِ ملت علامہ شمس بریلوی

ہجویری بک شاپ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

وَ الْآلِ وَ الصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِیْنَ لَهُمْ

أَهْلِ التُّقٰی وَ النُّقٰی وَ الْحِلْمِ وَ الْکَرَم

﴿صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عطا کردہ تمدنی، معاشرتی،
معاشی اور اخلاقی دستورِ حیات

از

ادیبِ ملت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی علیہ الرحمۃ

ہجویری بک شاپ

دکان نمبر ۶، داتا گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور

نام کتاب ———— نظام مصطفٰے ﷺ

مُصنّف ———— ادیبِ ملت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی علیہ الرحمہ

صفحات ———— 464

ناشر ———— ھجویری بک شاپ

باہتمام ———— الحاج ملک علی محمد چشتی

پرنٹر ———— علی پرنٹرز

خصوصی کاوش ———— محمد اعجاز تبسم

قیمت ———— 400/-

ملنے کے پتے

- شبیر برادرز، اردو بازار لاہور ● ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار لاہور
- احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی ● اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- مکتبہ غوثیہ ہول سیل کراچی

فہرست مشمولات

پیش لفظ

اسلام دین فطرت اور مکمل نظام حیات ہے۔ اللہ رب العزت نے انسانیت کی تربیت اوران کی ہدایت یابی کے لیے روز ازل سے انبیاء کرام کا سلسلہ قائم فرمایا۔ حضرت آدمؑ سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آکر انجام پذیر ہوا۔ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد انسانیت کی اعتقادی واخلاقی اصلاح کر کے انہیں احسن التقویم کے اس درجے تک پہنچانا تصور تھا کہ وہ دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی سے بہرہ ور ہو سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعثت انبیاء کرام کا ایک بنیادی مقصد انسانیت کو ایک ایسا نظام زندگی دینا بھی تھا کہ دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن سکے اور ایک مثالی معاشرہ وجود میں آئے جس میں ہر فرد کو اخلاقی، روحانی اور مادی لحاظ سے ارتقاء کے مواقع میسر ہوں۔

زیر نظر کتاب انسانیت کے سفر ارتقاء کی اس تفصیل کا بیان ہے۔ اس کا بنیادی موضوع تو نظامِ مصطفیٰؐ کے مختلف خدوخال کو نمایاں کرنا ہے مگر نظامِ مصطفیٰؐ کے پس منظر کو بھی اس جامعیت اور حسن ترتیب سے بیان کر دیا گیا ہے کہ قاری اجمالاً اس تاریخی تفصیل سے بھی آگاہ ہوتا ہے جو مختلف ادوار میں انسانیت کے بارے میں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں وہی قوم وملت فلاح یاب ہوئی ہے جس نے انبیاء کرام کی راہ ہدایت کی پیروی کی ہے اور جس قوم نے بھی انبیاء کرام کی عطا کردہ ہدایت کی پیروی نہیں کی وہ تباہی و بربادی سے دوچار ہوئی ہے۔ جن انبیاء کرام کے احوال اور تاریخی نظائر کو کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے ان میں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، حضرت ابراہیم کی قوم، قوم لوط، حضرت شعیبؑ کی قوم، قوم ہود، قوم موسیٰ، قوم سبا، اصحاب الاخدود اور اصحاب الفیل شامل ہیں۔ یہاں یہ امر قابل

ذکر ہے کہ ہر قوم کے احوال کو بیان کرتے ہوئے اس امر کا بطور خاص استحضار رکھا گیا ہے
کہ کسی بھی قوم کے احوال کے بیان کو نمایاں کر کے ان وجوہات کو بھی مبرھن کر دیا جائے
جو اس قوم کی تباہی کا باعث بنیں۔ وہ اخلاقی رزائل اور کردار کی خامیاں جو دعوت دین کو
مسترد کرنے سے کسی قوم میں پیدا ہوئیں، انجام کار وہ اس قوم کی تباہی کا باعث بنیں۔

نظامِ مصطفیٰ کی تفصیلات کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے صرف ریاستی سطح کے
اقدامات کو ہی پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس اساس کو بھی بیان کیا ہے جو ریاستی سطح کے اقدامات
کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔ اسلام کے نظام معیشت اور نظام سیاست کی بنیادی
خصوصیات اور تفاصیل میثاق مدینہ کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ
معاشرتی عدل قائم کرنے کے لیے جن فضائل اخلاق کی ضرورت ہے ان کا احاطہ بھی اسلام
کے نظام اخلاق کے تحت کر دیا گیا ہے۔ یقیناً یہ کتاب قاری کے لیے نادر معلومات کا مجموعہ
اور اسلام کی انفرادی و اجتماعی تعلیمات کی تفہیم اور ان کی معنویت کو تاریخی تناظر میں سمجھنے میں
ممد و معاون ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
اسسٹنٹ ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور

۱۴ر ستمبر ۲۰۱۲ء

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

ادنیٰ سی تھی جھلک شہِ والا صفات کی
رنگت بدل دی جس نے رُخِ کائنات کی

(شمس بریلوی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط
اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

تمدن‘ معاشرہ اور ثقافت

قرآن مجید کا وہ ارشاد گرامی جو حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک پر عزم قول ہے اور اس کتاب کا سرنامہ اور زیب عنوان ہے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا نصب العین بن کر تاریخ کے صفحات پر جلوہ گر ہوا ہے۔

اور اس کی اس اصلاح کا تعلق چونکہ معاشرے اور تمدن سے ہے اور اسی کے بگاڑ سے قوموں کی تباہی اور بربادی رونما ہوتی ہے جس طرح فساد قوموں کو برباد کرتا ہے اسی طرح اصلی قوتیں اس کی تعمیر کرتی ہیں۔

فساد زدہ معاشرے اور تمدن کی اصلاح ایک بہت ہی اہم اور مشکل کام ہے یہ مہم وہی ہستی سرانجام دے سکتی ہے جو فضائل اخلاق سے آراستہ ہو‘ جس کا ظاہر و باطن کمال کا پیکر اور قابل تقلید ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم منصب اپنے منتخب اور برگزیدہ بندوں کو جنہیں لسانِ شریعت میں پیغمبر کہتے ہیں تفویض کیا ہے ان برگزیدہ بندوں کی اصلاحی اور اس نصب العین کی تکمیل کے لئے ان کی جدوجہد اور سخت کوشیوں کی تفصیل اور نازل کرنے والے افراد اور قوموں کی تباہی اور بربادی کی تشریح سے پہلے یہ ضروری ہے کہ معاشرے اور تمدن پر کچھ کھل کر لکھا جائے اسی بنا پر میری فکر نے سب سے پہلے یہی

موضوع اظہار کے لئے منتخب کیا ہے۔

تمدن، معاشرت اور ثقافت باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و وابستہ ہے۔

معاشرہ انسان کی اجتماعی زندگی کا نام ہے اور یہ اجتماعی زندگی، ایک ''منزل'' سے شروع ہوتی ہے اور پھر اس کا دائرہ بڑھتے بڑھتے قریہ شہر صوبے اور ملک کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے اس اجتماعی زندگی کے اطوار و رسوم اور اس کا نظام زندگی اور اس زندگی کے ضابطے تمدن کہلاتے ہیں۔

معاشرت اور تمدن کی باہمی ترکیب یا ہیئت مرکبہ ثقافت بن جاتی ہے۔ معاشرہ اور تمدن میں فرق صرف اتنا ہے کہ معاشرہ حیات انسانی کے باہمی روابط میل جول سے تشکیل پاتا ہے جبکہ تمدن اس معاشرہ کی ہیئت کلیہ کا نام ہے اس سے انفرادیت زیر بحث نہیں آتی بلکہ اجتماعیت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی اجتماعیت اس تمدن کا موضوع ہے اس تمدن کے رسم و رواج' رہنے سہنے کے اجتماعی طریقے مذہب اور اس کے ضابطے' آداب و اطوار زندگی ثقافت بن جاتے ہیں۔

اس طرح تمدن ایک ایسا لفظ ہے جس کے معانی کی وسعتیں اپنے اندر حیات انسانی کی انفرادی اور اجتماعی تمام جہتوں اور عملی زندگی کے تمام اطوار و اضلاع کو بے نوع سمیٹے ہوئے ہے بایں ہمہ تمدن کا مرکزی نقطہ فرد ہے فرد میں تنازع للبقاء کے لئے شعور' ادراک' وجدان اور قوت عملی کی تخلیق' کارگاہ ہستی کے معمار اور اس کی خالق بے عدیل و بے مثیل کا ایک عظیم عطیہ ہے' فرد ہی اس عالم ہست و بود کی خشتِ اوّل ہے' اسی کے دم سے آئینہ خانہ ہستی کی یہ رونق ہے۔

ایک فرد' ایک مونس و غمگسار اور ایک ہم دم و ہمراز کے بغیر عملی زندگی میں تنازع للبقاء کے لئے پوری طمانیت اور سکون کے ساتھ مشغول نہیں ہو سکتا' خالق کائنات نے فطرت انسانی کی طینت و سرشت میں تنازع للبقا کے جو اسباب ودیعت فرمائے ہیں ان

میں رونق ہستی کے قیام اور اس کے فروغ کے لئے سب سے اہم محرک اور سبب سلسلہ توالدوتناسل کا میلان ہے اسی لئے قدرت نے فرد کو دو جنسوں میں تقسیم فرمادیا' یعنی مرد اور عورت' ایک جنس کو قوت اثر آفرینی عطا فرمائی جو مرد ہے اور جو دوسری جنس کو قوت اثر پذیری بخشی' جو عورت ہے اگر یہ میلان ایک ہی نوع کا ہوتا تو سلسلہ توالدوتناسب قائم نہیں ہوسکتا تھا' یہ ہے حکمت بالغۂ الٰہی کا ایک کرشمہ اور عورت کی تخلیق مرد کے سکون خاطر کا ایک خاص ذریعہ۔

خالق کائنات نے اپنے اس کرم خاص کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (سورۂ آل عمران: آیت 14)

ترجمہ: لوگوں کے لئے مرغوبات نفس' عورتیں' اولاد' سونے چاندی کے ڈھیر' چیدہ گھوڑے' مویشی اور زرعی زمینیں' بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں' مگر یہ سب چیزیں دنیا کی چندروزہ زندگی کے سامان ہیں' حقیقت میں بہتر ٹھکانا تو اللہ کے پاس ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فطرت انسانی کے چند اور تقاضوں کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اور ان کو حیاتِ دنیوی کو متاع قرار دیا ہے یہ خواہشات انسانی کا ایک مکمل جائزہ ہے۔

حق تعالیٰ نے عورت کی تخلیق کو اپنی قدرت اور صفت خالقیت کی ایک اہم نشانی قرار دیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا

(سورۃ الروم: 21)

''عورت کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ہی ازدواجی نظام بھی قائم فرمایا لیکن اس باب میں مرد کو تمتع کے لئے کھلی چھٹی نہیں دی گئی ہے بلکہ اس کے کرم نامتناہی نے اس کے لئے بھی ایک ضابطہ مقرر فرمادیا ہے اور وہ ہے نکاح''۔

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ (سورۂ نساء:3)

ترجمہ''تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش (پسند) آئیں دو دو، تین تین، اور چار چار''۔

اس نظام ازدواج کو بروئے کار لانے کے لئے جو رابطہ مقرر فرمایا اس کے لئے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ

(سورۂ الفرقان:۵۴)

ترجمہ:''اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی''۔

پس یہ بیویاں یعنی عورت تدبیر منزل کا دوسرا رکن ہے، زن وشوہر کے جنسی اختلاط یعنی مباشرت سے سلسلہ توالد وتناسل قائم ہوا جس کے نتیجے میں تدبیر منزل کا تیسرا رکن وجود میں آیا یعنی اولاد جس کی نشوونما کے لئے مال کی ضرورت ہے حصول مال کے لئے معاش کے جائز ذرائع مہیا کئے گئے اور اس اموال واولاد کو حیاتِ انسانی کی زینت قرار دیا گیا۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ (سورۃ الکھف : 46)

''ترجمہ مال اور بیٹے یہ حیات دنیا کا سنگار ہے''۔

اب چونکہ صاحب منزل کی ضرورتیں بڑھ جاتی ہیں، وہ حصول معاش میں مصروف رہتا ہے بیوی اس کی غنیمت میں اس کے اموال واولاد کی صرف نگران ہی نہیں بلکہ ان افراد منزل کے لئے لباس وخوراک کی تیاری بھی اس کے ذمے، لیکن اموال کے لئے مرد

کی کوششیں، اس کی محنت اور تگ و دو عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ اسی اعتبار سے اس کی جسمانی ساخت اور قویٰ کو عورت سے زیادہ مضبوط بنایا گیا ہے۔ عورت مرد کے مقالہ میں صنف نازک ہے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی طرح اشارہ کرتا ہے۔ جس میں مرد کو قوام بتایا گیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ (سورہ النساء 34)

ترجمہ: "مرد قوام ہیں عورتوں پر، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناء کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں"۔

مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے اس کو قوام فرمایا گیا ہے، یہ فضیلت صرف شرف و بزرگی اور کرامت نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس صنف یعنی مرد کو اللہ تعالیٰ نے طبعی اور جسمانی اعتبار سے ایسی خصوصیات سے نوازا ہے اور اس کو ایسی قوتیں عطا کی ہیں جو اس کے مقابل کی صنف یعنی عورت کو نہیں دی گئی ہیں اور یہ باری تعالیٰ کی حقیقی کارسازی اور حکمت ہے کہ تدبیر منزل نے نظام میں مرد کو اس کے قویٰ اور بعض خصوصیات کی بناء پر، قوام کا مرتبہ اور خطاب دیا گیا ہے یعنی مرد، عورت اور دوسرے افراد منزل کا محافظ اور خاندانی نظام کا سربراہ کار ہے اور قوام سے یہی مراد ہے۔

اس مشیت الٰہی کا مشاہدہ عورت کی جبلی ساخت اور مرد کے مقابلہ میں اس کی نزاکت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، قوام ہونے کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ

وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

اسی لئے نیک بخت اور شائستہ عورتوں کی ذمہ داریوں کو اس طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ (سورۃ النساء 34)

ترجمہ ''سو جو عورتیں نیک ہیں' اطاعت کرتی ہیں' مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں''۔

بیوی اور اولاد کے باعث چونکہ صاحب منزل کی ضرورتیں بڑھ جاتی ہیں وہ حصولِ معاش میں مصروف رہتا ہے بیوی اس کی غیبت میں اس کے اموال و اولاد کی صرف نگرانی ہی نہیں بلکہ ان افراد منزل کے لئے لباس وخواک کی تیاری بھی اس کے ذمہ ہے اس لئے بصورت آسودگی وفراخی اموال اس کو ایک ایسے معاون کی بھی ضرورت ہے جو خاتون خانہ اور اس کی اولاد کی ضروریات کی فراہمی اور تیاری میں اس کا ہاتھ بٹا سکے' اس طرح ان افراد کو بھی اس وسیلے سے زندگی بسر کرنے کا موقع مل گیا جن میں بذات خود صاحبِ منزل بننے کی سکت نہیں ہے اور یہ ہیں خدمت گار یا اصحاب منزل کے معاونین' اس طرح خادم تدبیر منزل کا چوتھا رکن بن جاتا ہے۔ اب ایک ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں یہ افراد منزل اپنے شب وروز تحفظ اور سکون سے بسر کرسکیں ہے منزل خواہ خس پوش ہو یا شاندار عمارت بہر صورت' یہ مکان یا جگہ تدبیر منزل کا پانچواں رکن ہے۔ اس طرح منزل کے ارکان یہ پانچ ہیں۔

1-شوہر 2-بیوی 3-اولاد 4-خادم 5-مکان

اس طرح اس منزل کے ساتھ کچھ اور منزلیں بھی قیام پذیر ہوتی ہیں تو الدو تناسل کے نتیجے میں جو افراد وجود میں آتے ہیں ہ جوان ہوتے ہیں پھر وہ بھی اصحاب منزل بن جاتے ہیں۔ ایک منزل کے افراد دوسری منزل کے افراد سے قرابتیں قائم کرتے ہیں پھر یہ دائرہ وسعتیں اختیار کرتا جاتا ہے۔ پڑوس وجود میں آتا ہے جو قریب اور بعید کے پڑوسیوں میں تقسیم ہوجاتا ہے ان میں اقرباء بھی ہوتے ہیں اور ایسے بھی جن سے کوئی رشتہ بر بنائے مصاہرت قائم نہیں ہوا ہے ان لوگوں میں غریب بھی ہوتے ہیں اور محتاج و مسکین بھی' بعض ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق تو کسی صاحب منزل سے تھا لیکن اب وہ بالکل بے سہارا ہیں اُن کا کوئی ولی وارث نہیں۔ یہ افراد یتیم کہلاتے ہیں جن

افرادِ منزل کی بہتات اور کثرت ہوئی تو یہ بے شمار افراد شعوب وقبائل میں اس لئے تقسیم ہو گئے اور جماعتی تفریق وجود میں آ گئی تا کہ اس علامت کے ذریعے ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا (سورۃ الحجرات:13)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو''۔

فتنہ فساد، تخریب کاری اور قتل و غارت گری نفس سرکش کا خاص ہے۔ اگر اس نفس سرکش کے تقاضوں اور اس کے محرکات کو بے لگام اور آزاد چھوڑ دیا جائے تو خیر کا نام و نشان بھی نظر نہ آئے ہر طرف فساد ہی فساد برپا ہو اس لئے ایک ایسے نظامِ حیات کی ضرورت تھی جو بنی نوع انسان کو ان دراز دستیوں سے محفوظ رکھے چنانچہ ایک ایسی ہمہ گیر اور ہمہ اثر حکمت پر مبنی نظام تمدن کی ضرورت تھی جس کا نقطہ آغاز منزل ہوا اور پھر بتدریج اس کا دائرہ اثر و نفوذ منزل کے ہر وسیع سے وسیع تر مرحلے کو سدھارنا اور سنوارتا چلا جائے انبیاء علیہم السلام تمدن اور معاشرے کی اسی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے رہے اور حکمت کا یہ انمول خزانہ اپنے ساتھ لاتے رہے جس کو شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بہر حال یہ دائرہ منزل وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا ان بستیوں نے شہر بنائے اور شہروں کی بہتات اور کثرت نے ایک ملک کی صورت اختیار کر لی اور بہت سے ملکوں کو براعظم یا برکوچک سے تعبیر کیا گیا۔

اصلاح معاشرہ کے لئے قدرت شریعتوں کے نظام برپا کرتی رہی۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (سورۃ المائدۃ 48)

ترجمہ: ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی''۔

لیکن ان شریعتوں کا دائرہ اثر و نفوذ یا اس کے اطلاقات و موارد اس محدود تمدن یا معاشرتی ماحول کے مطابق ہوتے تھے جس ملت یا قوم میں صاحب شریعت یہ نظام حیات لے کر آتا تھا یعنی اس کا دائرہ اثر نفوذ و آفاقی نہیں ہوتا تھا' بلکہ ایک مخصوص قوم اور اس کی جغرافیائی حدود کے لئے ہوتا تھا جس قوم اور معاشرہ نے اس کو قبول کر لیا وہ ترقی اور آبادی کی راہ پر گامزن ہوئی اور جس ملت نے اس سے روگرانی کی اور اس نظام حیات سے سرتابی کی وہ قوم تباہ و برباد ہوگئی تاریخ ملل میں یہ صراحتیں موجود ہیں اور قرآن حکیم نے تنذیر و تبشیر کے طور پر ان کو بیان فرمایا ہے۔

جب افق کائنات پر اسلام کا مہر تاباں طلوع ہوا تو اس نے جو نظام اصلاحی پیش کیا اور جس نظام تمدن کو وہ اپنے ساتھ لایا اس نے ایک طرف تو انسانی فرد کی فوز و فلاح اور تزکیہ باطن کے لئے نظام عبادت عطا فرمایا جس میں ایک فرد کی روحانی تسکین اور تزکیہ باطن کا بھی سامان ہے اور عبد و معبود' مطیع و مطاع کے مابین ایک لازوال رشتہ کا قیام بھی تاکہ فرد اس نظام عبارت پر کار بند ہو کر جہاں اپنا تزکیۂ نفس کر سکے وہاں منعم حقیقی کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کر سکے۔

یہ نظام حیات جس طرح فرد کی راستی اور صداقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اسی طرح تمدن انسانی کی ہر منزل پر رہنمائی کے لئے اس کی روشنی موجود ہے۔ وہ ملک ہو یا شہر قصبہ ہو یا ایک منزل حیات انسانی' باہمی تعلقات اور حقوق ان کی اصلاح اور ادائیگی پر اس کے اطلاقات مبنی ہیں تاکہ انکے ذریعے انسان ''زندہ رہو اور زندہ رہنے دو'' کے ڈھنگ سیکھے' شر و فساد آدمیت کے سوتے بند ہو جائیں رفاہ اور آسودگی کا حصول ہر ایک کا حق بن جائے اور پھر وہ مقصد تخلیق بھی پورا کر سکے''۔

چونکہ تمدن کی اوّلین اکائی فرد ہے اس لئے اس کی ذہنی تربیت اور عملی تہذیب و شائستگی کے حصول اور معاشرے کو پاکیزہ بنانے کے لئے اس فلسفہ نظام حیات میں ''تہذیب اخلاق'' کو ایک اہم اور اوّلین مقام دیا گیا' اس کا دائرہ اثر و نفوذ فرد سے

شروع ہو کر اپنی وسعتوں کو ساتھ میں لئے ہوئے سیاست مدن سے مل جاتا ہے ان ہی ارکان سہ گانہ یعنی ''تدبیر منزل، تہذیب اخلاق، سیاست مدن'' پر فلسفہ عملی کی پر شکوہ عمارت قائم ہے اور یہ سب کچھ محسن انسانیت، معلم اخلاق، سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال سے مستنبط ہے جو حکمت الٰہیہ کی توضیح و تفسیر اور ان کا بیان ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کے نام سے موسوم فرمایا ہے اور اس ارشاد میں اس کے حصول کی ترغیب دی ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ؕ (سورۃ البقرہ :269)

ترجمہ: ''اور جس کو یہ حکمت مل گئی اس نے خیر کثیر کو حاصل کیا''۔

اس سے قبل تدبیر منزل کے ارکان خمسہ (شوہر، بیوی، اولاد، خادم اور مکان یا منزل) کا تعارف آپ سے کرایا جا چکا ہے، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام حکمت میں ان ارکان خمسہ کی فوز فلاح کا تمام تر سامان موجود ہے جس کی تفصیل پیش کرنے یا ان کے استقصاء سے یہ چند اوراق عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، آئندہ اوراق میں حسب موقع اس حکمت یا نظام فلاح کو بقدر طاقت بشری پیش کروں گا۔

فلسفہ نظام حیات یا حکمت میں تہذیب اخلاق کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نہ صرف فرد کی سعادت و شقاوت اس سے مربوط و وابستہ ہے بلکہ کائنات میں فوز و فلاح کا نظام اسی پر قائم ہے۔ یہ شرف، صرف اسلامی نظام اخلاق کو حاصل ہے کہ فرد کی طرح پورے معاشرے کی صلاح و فلاح اس میں پنہاں ہے۔

چونکہ خیر و شر انسان کی سرشت و جبلت میں داخل ہے اس لئے صالح افراد نے اس نظام اخلاق کی پابندی کر کے معاشرے کو (انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے) خیر دار فلاح سے ہمکنار کیا اور جب آدمی نے انسانی حدود سے تجاوز کر کے حدود اللہ سے سرگردانی کی اور انانیت کا دم بھرا تب اس نے معاشرے کو شر سے دو چار کر دیا سورہ الاعراف میں اس حقیقت کو اس طرح واشگاف کیا گیا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الاعراف:168)

ترجمہ: اور دنیا میں ہم نے ان کی متفرق جماعتیں کر دیں بعض ان میں نیکو کار تھے اور بعض ان میں اور طرح کے تھے یعنی بد اور ہم ان کو خوشحالیوں (صحت وتمول) اور بد حالیوں (بیماری وتنگدستی) سے آزماتے رہے شاید باز آجائیں''۔

ملل قدیم اور جدیدہ کی تاریخ حیات انسانی کے ان ہی دو پہلوؤں کی تفصیل ہے یعنی نیکی اور بدی اور تونگری وخوشحالی اور بدحالی سے ان کی آزمائش۔

ملل قدیمہ کی تاریخ کے ماخذ:

معاشرہ اور تمدن کی ہیئت ابتدائیہ اور اس کے اجزائے ترکیبی کو آپ کے سامنے پیش کیا جاچکا ہے اس ہیئت ترکیبی کو اللہ تعالیٰ نے ان چند جامع الفاظ میں ہماری بصیرت اور آگاہی کے لئے بیان فرمادیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ (سورۃ النساء:۱)

ترجمہ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی (جان) سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں (کے ملاپ یعنی نکاح) سے بہت سے مرد اور عورتیں (روئے زمین پر) پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو' جس کے نام پر مانگتے ہو (ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو) اور قرابتوں کا بھی لحاظ رکھو۔

جب ہم مطلقاً قدیم تہذیب کا ذکر کرتے ہیں یا قدیم تاریخ تہذیب کو موضوع بحث بناتے ہیں تو مصری' کلدانی' اشوری اور فنیقی تہذیبیں ہمارے سامنے ابھر کر آتی ہیں

اور اپنی معاشرتی زندگی کے احوال ہمارے سامنے دہراتی ہیں ان قدیم مشرقی تہذیبوں کا بنظر غائر مطالعہ کیجئے۔

ملل قدیمہ اور ان کا مذہب:

عقیدے اور مذہب کا تصور ثقافتی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جس کو تاریخ ثقافت میں کس طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' آج سے ہزاروں برس پہلے انسان جب غاروں میں زندگی گزارتا تھا اور اس نے پتھر کے زمانہ میں (جس کو دور حجری بھی کہتے ہیں) اپنا قدم رکھا تھا اس وقت سے لے کر اس وقت تک کوئی خطۂ ارض اس تصور سے خالی نہیں رہا آج کی متمدن دُنیا میں جبکہ بعض ملکوں کی حالت ایسی ہے کہ لوگ وہاں مذہب کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں وہاں بھی تو مذہب موجود ہے مذہب سے یہ بیزاری بھی ایک ایسا عقیدہ ہے جو اس قوم کے تمام افراد میں مشترک ہے اس لئے ہم اس کو بھی مذہب ہی کے نام سے تعبیر کریں گے بالفاظ دیگر لامذہبیت بھی ایک مذہب ہے ہر دور کی اس تاریخ میں جو براعظموں پر پھیلی ہوئی ہے آپ کو ایک ایسا مشترکہ خیال موجود ملے گا جو کائنات' احوال کائنات' تخلیق عالم' اربعہ عناصر کی قوتوں کے بارے میں دریافت کی لگن میں مصروف رہا ہے ہر قوم نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق اس سلسلہ میں جو غور وفکر یا نتائج اخذ کر لیے وہ ان کا مذہب بن گیا اور اس قدر مشترک جو تمام افراد کے مابین اس سلسلہ میں قائم ہوگئی اس کو عقیدے کا نام دیا گیا۔

علم جیسے جیسے بڑھتا گیا آئینہ فکر پر جیسے جیسے جلا آتی گئی مذہب اور عقیدے کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ مذہب علمی دنیا کا ایک مستقل موضوع بن گیا! بابل اور نینوا اور مصر کی قدیم تہذیبیں فکر انسان کا عہد کمال نہ سہی عہد عروج تو ضرور کہی جاتی ہیں۔ یہ ترقی یافتہ قومیں بھی اس تصور سے خالی نہ تھیں اس زمانہ میں سرزمین عراق و شام بھی مذہب کے سلسلہ میں کسی نہ کسی خیال کو اپنائے ہوئے تھے روما اور یونان بھی مذہب کے دعوے دار تھے' سامی' قوموں میں مذہب اور عقیدہ رچا بسا تھا۔ یونان اور روما

کی دیو مالا (مائیتھالوجی یعنی علم الاصنام) تاریخ کی جانی پہچانی چیز ہے۔اس برصغیر میں موئن جوڈرو اور ہڑپا کی تہذیب اور ان کی ثقافت کے اوراق پارینہ کو زمین سے کھود کھود کر نکالا گیا اور علمی قیاس آرائی نے تاریخ کے سہارے سے ان کے عقیدے اور مذہب کے تانے بانے تیار کر ہی دیئے۔

بھارت اور مہا بھارت آریوں کی آمد سے صد ہا برس پہلے اس عقیدت کو اپنائے ہوئے تھے' بکر ماجیت گپت اور اشوک کا دور مذہب کی رنگا رنگیوں سے مالا مال ہے جنگ مہا بھارت کو ہر چند کہ ویاس کی تصنیف نے زندہ جاوید بنایا لیکن اس جنگ کی تہ میں عقیدہ اور مذہب ہی آپ کو کارفرما نظر آئے گا۔

ایران میں مہ آبادیوں سے بھی پہلے وہاں کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔لیکن بھارت کی طرح عقیدوں کی نشوونما کے لئے یہاں کی سرزمین بھی بڑی بارآور تھی زرتشی دور تو اس سلسلہ کی ایک درمیانی کڑی ہے۔

افریقہ کے صحراؤں میں نکل جایئے' سرخ ہندوؤں کی سرزمین پر قدم جمائے مانا کہ یہ جہالت و نادانی کے ایسے ناپیدا کنار بیابان ہیں کہ علم کی چھاؤں آپ کو بمشکل ہی کہیں نظر آئے گی لیکن مذہب اور عقیدے کی متاعِ بے بہا ان کی کمانوں کی صلابت اور ان تیروں کے سوفاروں کی پناہ میں آپ کو محفوظ نظر آئے گی!

یہ تسلیم ہے کہ یونانی مؤرخ ہیروڈٹس جو آج سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے گزارا ہے بہت کچھ چھان بین اور کوشش کے بعد اقوام عالم کے سلسلہ میں ان کی تہذیب کی کہانیوں کو جس قدر بھی جمع کر سکا وہ اس سلسلہ کی قدیم ترین شہادت ہے لیکن علم اثریات یا آثار قدیمہ (آرکیالوجی) نے جو موجدہ تہذیب کا شاندار علمی کارنامہ ہے ہمارے سامنے زبان حال سے جو شہادتیں پیش کیں ہیں وہ یونانی مؤرخ سے بہت پہلے کی عمرانی زندگی سے ہم کو واقف بناتی ہیں اور اسی کے ذریعے ہی ہم اس قابل ہوئے کہ موجودہ عہدے سے چار پانچ ہزار برس پہلے کی ثقافت اور عمرانیت پر قلم اٹھا سکیں آثار قدیمہ ہی

نے ہم کو مصر' بابل' اشوریہ' کلدانی اور فنیقی تہذیب سے روشناس کرایا البتہ یونانی تہذیب یونانی فیلسوفوں کی بدولت روشناس ہوئی' ارسطو' افلاطون' دیمقراطیس اور سقراط قدیم تہذیب کے دوسرے دور سے متعلق ہیں یونانی تہذیب اور ثقافت کا عروج ان ہی فلسفیوں کا رہن منت ہے علمی دنیا میں بحثیت ایک منصف قدم رکھنے کا فخر یونان ہی کو ہی حاصل ہوا اور اور افلاطون کی کتاب اوّل ''ریاست'' (آسمانی صحیفوں سے قطع نظر) دنیائے تمدن کی پہلی تصنیف ہے۔

قدیم مصر' کلدانی اور اشوری اقوام کی تہذیب اور ثقافت کا وجود ان کی مجسمہ سازی اور سنگ تراشی کی مہارت کا مرہون منت ہے ابو الہول اور فراعنہ مصر کے مقبروں (اہرام) کے سینوں میں ان کی ثقافت' وتہذیب کے جو راز دفن تھے وہ حضریات کے عالموں نے جدید دنیا پر منکشف کئے' سرزمین ہند ویدک دور ہند تہذیب کا تاریخی دور ہے ویدوں کی تصنیف کے صحیح زمانے کا تعین تو بقید سن و تاریخ دشوار ہے البتہ ان کی قدامت ضرور متعین ہے اور ویدک تہذیب و ثقافت کا سراغ اسی سے ملتا ہے' اس کے بعد کتاب مہا بھارت (مصنفہ ویاس) جو ہندوستان کی پہلی رزمیہ داستان ہے اسی ثقافتی تاریخ کی ایک کڑی ہے اور قدیم ہندی ثقافت و تہذیب کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔

فردوسی نے شاہنامہ کے ذریعہ ایران کی قدیم تاریخ کو زندہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ موبدوں کی زبانی حوالوں سے زیادہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکا گویا شاہنامے کے ذریعے وہ پہلوی دور سے قبل کسی ثقافت تو تہذیب کا سراغ نہ لگا سکا اس اعتبار سے فردوسی اڑھائی ہزار سال سے زیادہ قدیم روایت گوئی میں ناکام رہا ہر چند کہ اس کے پیش نظر خدائے نامک اور کارنامک اردوشیر بالکان جیسی تاریخی دستاویزیں موجود تھیں۔

زند اور اوستا کے دور سے پہلے کی ثقافت اور تہذیب ایرانی دستاویزوں اور حوالوں

کے ذریعہ بھی کوئی قیمتی تاریخی سرمایہ فراہم نہیں کرتی مہ اس جستجو میں صرف ہنخامنشی دور تک پہنچ سکتے ہیں۔

ہرمیاس ارمیری نے جو سلاطین ہنخامنشی کا ہم عصر ہے اوستاد پر اپنی ایک تصنیف میں تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے بعد ہیرڈوٹس نے اپنی تاریخ میں قدم ترین بادشاہ ماد کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے اس سے قدیم ایرانی تاریخ کی جستجو اور اس کی ثقافت کی تلاش میں ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

اوستائی ادب ایرانی ثقافت وتمدن کی ایک مکمل تصویر پیش کرسکتا ہے لیکن اس سے قبل کی منخی اور پیکانی خط میں تحریر کردہ سنگین الواح ہنخامنشی دور تک ہم کو پہنچا دیتے ہیں لیکن ان کی عمر بھی دو ہزار سال سے زیادہ نہیں پہلوی اور اوستائی کتبات ہنخامنشی عہد کی ثقافت اور تہذیب کے ترجمان ہیں اور ان کی قدامت کا زمانہ یہی ختم ہو جاتا ہے۔

سامی تہذیب (جس کی تاریخ ایام العرب'' میں سلاطین کندہ' آل حیرہ اور ملوک منسان سے کہیں زیادہ قدیم ہے) لیکن جزیرہ نمائے عرب کی یہ تہذیب بھی کئی حصوں میں منقسم تھیں' یمن' نجد' یمامہ اور حضرالموت میں علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم تھیں آج بھی ان کی نشانیاں خلیج عرب کے ساحلوں پر ریاست ہائے شیوخ کی شکل میں موجود ہیں لیکن آل عدنان اور آل غالب کی مستقل اور پائیدار ثقافت اور تہذیب کی علم بردار نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قبائلی تہذیب اور قبائلی تمدن جزیرہ نمائے عرب کے ریگ زاروں میں منتشر تھا۔

روما کی تہذیب بھی اپنی قدامت کی قدیم کڑیوں کو انقلابات میں گم کرچکی ہے بنی اسرائیل کی تہذیبی داستان توریت میں موجود ہے اور توریت کی قدامت ہم کو تین ہزار سال سے زیادہ پیچھے نہیں لے جاسکتی بہرحال یہ ہیں وہ چند قدیم تہذیبیں جو تاریخ کے حافظے میں کسی نہ کسی طرح موجود ہیں۔

یوں تمام قدیم تہذیبوں میں جو اور قدر مشترک ہیں وہ فنون لطیفہ، سنگ تراشی، بت تراشی، رقص وموسیقی، شعر وشاعری تعلیم و مذہب ہیں، ثقافت کا دائرہ انہی امور پر محیط ہے۔

ہم آئندہ اوراق میں ان قدیم تہذیبوں کا ایک مختصر جائزہ لیں گے اور ان کی اخلاقی، مذہبی اور ثقافتی زندگی کو پیش کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ اسلام نے کن حالات اور کس فضا میں ظہور کیا اور ہم عصر تہذیبوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

خدا پرستی کے خام کارانہ تصورات:

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی خواہشات وضروریات نے معاشرت اور سماجی نظام کی بنا ڈالی مگر افراد کی خود غرضی ایسی تنظیموں کے آڑے آئی اور امن عامہ کو برقرار نہیں رہنے دیا اس طرح سے محض انفرادی اور اجتماعی نفس پرستوں اور چیرہ دستیوں کی وجہ سے ہمیشہ دنیا امن وسکون سے محروم رہی اور اکثر و بیشتر بنی نوع انسان کو اپنی ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑی اور بے گناہ انسانوں کا خون بہتا رہا۔ ان مسائل نے انسانی دماغ کو پراگندہ کر دیا اور مذہب کی ضرورت بنی نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی ندگی کی ایک اوّلین اور شدید ضرورت بن گئی اس ضرورت کو مختلف اقوام نے مختلف ادوار میں گوناگوں طریقوں سے بقدر عقل وہوش پورا کیا آفتاب پرستی، شجر پرستی، ستارہ پرستی، بت پرستی، آگ کا پوجنا، برق وباراں کو ایک عظیم قوت خیال کر کے اس کے آگے سر جھکانا قدیم ترین تاریخی ادوار کی خدا پرستی کے خام کارانہ تصوراتی حقائق ہیں لیکن ان سب کی تہ میں ایک مشترکہ جذبہ اور خیال کے کارفرما ضرور رہا، یعنی خدا پرستی لیکن ان مذاہب میں یہ تصور الوہیت مبہم غیر واضح اور دھندلا ہے آئندہ اوراق میں آپ اس کی وضاحت سے گزریں گے۔

ثقافت وتہذیب (کلچر) ایسے اخلاق رسوم ورواج معتقدات وقوانین زندگی، حیات اجتماعی اور افعال اجتماعی کو کہتے ہیں جن کی پابندی فرد یا افراد کے منظم گروہ پر

بطیبِ خاطر یا بزور عائد ہوتی ہے آیئے اب ہم تاریخ کے اس رخ پر نظر ڈالتے ہیں جہاں سے تاریخ کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور یہ زمانہ عصر حاضر سے چار ہزار سال سے زیادہ قدیم نہیں قرآن حکیم نے ان قدیم تبدیلیوں کی نشاندہی کی ہے اور طوفانِ نوح (علیہ السلام) کے بعد ارض پر آباد ہونے والی قوموں اور ان کی نافرمانیوں کی وضاحت کی ہے۔ قرآن حکیم نے ان نافرمان اور ظالم و جابر قوموں کی بربادی کے احوال بصیرت کے لئے پیش کئے ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ ہر قوم اور ہر تہذیب اپنا اپنا وقت پورا کر کے دنیا سے اس طرح مٹ گئی کہ آج اس کی نشانیاں زمین میں دفن ہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (سورۃ یونس :49)

اس چار ہزار سالہ مدت کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے اس دور کو جو ہم سے قریب ہے عصر جدید کہتے ہیں اور زمانہ جو ہم سے بہت بعید ہے عصر قدیم کے نام سے موسوم ہے، عصر جدید ظہور اسلام سے شروع ہوتا ہے جس کو اس وقت چودہ سو سال سے کچھ زائد سال گزر چکے ہیں، ظہور اسلام سے قبل کا زمانہ عہد متوسط ہے یورپ کے بعض محققین و مؤرخین عصر جدید کو ظہور اسلام سے دو سو برس قبل شمار کرتے ہیں یعنی اس وقت جب کہ روم کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یورپ کا نقشہ بدل گیا تھا اس اعتبار سے عصر جدید کو تقریباً ایک ہزار چھ سو سال ہوتے ہیں بہر حال عصر جدید بھی مختلف ادوار پر تقسیم ہے۔

تہذیب کا آغاز:

تمام انسان زمانہ قدیم میں ایک ساتھ متمدن نہیں ہوئے وہ پرانی قومیں جنہوں نے دنیا میں اہمیت حاصل کی اور اپنا مقام پیدا کیا عظیم کارنامے انجام دیئے اور بعد میں اپنا اثر و دنیا پر چھوڑ گئیں بہت کم ہیں قدیم اقوام میں مصری، کلدانی، آشوری، یہودی،

فنیقی، ایرانی، یونانی اور رومی ہی ایسی اقوام ہیں جن کی تہذیب، ماہرین حضریات (آثار قدیمہ) مرتب کر سکے ہیں۔ یہ اقوام تاریخ عالم پر تہذیب و تمدن علم اور مذہب کے گہرے نقوش چھوڑ گئی ہیں اور جب تہذیب کی تاریخ پر قلم اٹھایا جاتا ہے تو ان سے ہی اس کا آغاز ہوتا ہے قرآن حکیم ان نافرمان قوموں کے عروج و زوال اور ان کی بربادی کے عبرت آگیں واقعات سے ہمیں روشناس کراتا ہے۔

مملکت مصر اور مذہب

چار ہزار سال ق م سے پہلے دریائے نیل کی وادی میں عمرانیات کے کوئی آثار نہیں آتے دراصل دریائے نیل کی زرخیز وادی اور اس کی شاخوں کا طاس متعدد تہذیبوں کا گہوارہ ہے دنیا کی تمام قدیم تہذیبیں زیادہ تر دریاؤں کے کنارے ہی پروان چڑھیں جس کا سبب زندگی ضرورتوں کی فراہمی میں آسانیاں ہی جا سکتی ہیں۔

مؤرخین کا عام خیال یہ ہے کہ مصر کے باشندوں کی بت قطیعت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب اور کہاں سے آئے اور ان کی اصل کیا ہے ہاں یہ ضرور متحقق ہو چکا ہے کہ سامی، عربی، حبشی، سوڈانی نسل کے لوگ اس خطہ زمین پر عرصہ دراز سے آتے اور آباد ہوتے رہے تھے اکثر ماہرین کا خیال ہے کہ مصری تہذیب کا آغاز دس ہزار سال ق م ہوا لیکن ماہرین حضریات صرف چار ہزار سال ق م تک کھوج لگا سکے۔ اس سے زیادہ قدیم ادوار کے رخ سے وہ پردہ نہیں اٹھا سکے۔ ۳۵۰۰ قبل مسیح سے مصر سے تاریکی کا پردہ اٹھتا ہے[1] اس وقت مصر میں ایک اعلیٰ تہذیب کے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے جس وقت مصر تہذیب کے آغوش میں پروان چڑھ رہا تھا اس وقت یورپ ابتدائی زندگی سے بھی باہر نہ نکلا تھا تہذیب تو بڑی بات ہے۔

---

[1] 1966ء میں جو حالیہ تحقیقات سیریا میں کی گئی ان سے اب شامی تہذیب کی قدامت میں اور بھی اضافہ ہو گیا شام میں جو قبرستان برآمد ہوا۔ ماہرین حضریات اس کی عمر چار ہزار برس ق م بتاتے ہیں۔

مصری تہذیب کے اجزائے ترکیبی

مذہب:

مصری تہذیب میں مذہب کو تمام ثقافتی امور میں فوقیت حاصل تھی ان کی تہذیب کا تانا بانا ہی مذہب تھا' زندگی کا کوئی عمل مذہب کی قید سے آزادانہ تھا مذہب ہی تمام تہذیبی اور ثقافتی امور میں سرفہرست تھا۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا تھا مصر کے مذہبی معتقدات میں کوئی یکسانیت اور تسلسل نہ تھا۔ متعدد اور بے شمار خداؤں کی پرستش ان کی مذہبی زندگی تھی یہی نہیں بلکہ ہر شہر اور قریہ کا الگ الگ معبود تھا پورے مصر میں دو ہزار دو سو معبودوں کی پرستش ہوتی تھی اخداؤں میں سب سے بڑ خدا راع عمون یا عمون را (سورج کا دیوتا) تھا جو کچھ مدت بعد تمام مصر کا مرکزی معبود بن گیا تھا سورج دیوتا عمون را میں تندخوئی غیظ وغضب اور قاہریت کی صفات کو بڑی اہمیت حاصل تھی تمام مصری ان قاہرانہ صفتوں کے سامنے سربسجود تھے اور ان میں انحراف کی طاقت نہ تھی۔ قدیم مصری اپنے دیوتاؤں کو انسان کی طرح موجود سمجھتے تھے مگر ان کو قوت' شجاعت' عقل میں انسان سے بالاتر جانتے تھے وہ دیوتاؤں کا ایک خاندان تسلیم کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ہمارے یہ معبود ازدواجی زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس خاندان کا سربراہ ''عمون را'' ہے۔ ہے غالباً وہ تین شخصیتوں (یعنی دیوتا' دیوی اور اس کی اولاد) کو ایک وجود واحد تسلیم کرتے تھے۔ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مصر کے خاص لوگ موحد تھے اور صرف خدائے وحد کی عبادت کرتے تھے' ظاہری طور پر جو شرک نظر آتا ہے یہ عوام کا مذہب تھا' لیکن یہ خیال غلط ہے ان کے یہاں کبھی وحدت الٰہ کا تصور پیدا نہیں ہوا ان کے معاشرے کا مزاج ہی اس قسم کا تھا جس میں ایسے تصور کا کے نشوونما پانے کے

امکانات مفقود تھے‘ قدیم مصر کے فراعنہ سے ہر ایک فرعون خدا تھا اور مسجود مخلوق! ان میں سے ہر ایک جس طرح تمام رعیت کے جسموں پر پورا پورا تصرف رکھتا تھا اسی طرح وہ ان کی ارواح پر بھی ان کے خیال کے بموجب اختیار کلی کا حامل تھا اور اسی کی ہدایت اور رہنمائی کیس بارے وہ مختلف بتوں کی پرستش میں مصروف تھے اس بت پرستی کا منتہائے کمال یہ تھا کہ فرعون حسب منشاء چاہتا معبود بن بیٹھتا اور نادان رعیت بلا پس و پیش اس کو خدا سمجھ کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی تھی۔

اہل مصر نے ان دیوتاؤں کو دو حصوں پر منقسم کر رکھا تھا‘ نقصان رساں معبود اور نفع بخش معبود ایک نوع کے معبودوں کو وہ ان کی جبروت وقہر مانی کے خوف سے اور دوسروں کو ان کی منفعت بخشی کی بناء پر پوجتے تھے‘ قدیم مصریوں نے اپنے دیوتاؤں کی شکل و صورت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں کبھی تو جانور کے جسم کے ساتھ انسان کا سر ہوتا ہے مثلاً ہارماچِس دیوتا کو جو آفتاب کا مظہر ہے ابوالہول کی شکل میں بنایا ہے (یعنی جسم شیر کا کا اور سر انسان کا) اور کہیں انسانی جسم کے ساتھ ساتھ جانور کا سر ہوتا ہے قدیم مصری بعض حیوانات کو بھی پوجتے تھے جن میں شیر‘ نہنگ‘ گائے‘ ض شغال‘ وکلنگ وغیرہ شامل تھے جب شہر طب مصر کا پایہ تخت قرار پایا تو اس شہر کا معبود نص آمن سب خداؤں سے بالاتر و برتر مانا گیا۔ کاہن اس کو کامل اور ابدی سمجھتے تھے اور اس کو قادر مطلق اور خالق اشیاء مانتے تھے وہ تمام معبودوں کو نص آمن کی تخلیق تصور کرتے۔ کاہن اس کی تعریف میں گیت گاتے اور جب اس کے مجسمے یا تصویریں بناتے تو اسے کشتی پر سوار آسمان کی سیر کرتا ہوا دکھاتے اور بزرگوں کی ارواح اس کی کشتیاں ہوتیں۔

قدیم مصریوں کے عقیدہ میں روح اپنے بدن کی دوبارہ محتاج ہوتی ہے وہ سمجھتے تھے کہ اگر جسم کو ضائع ہونے سے محفوظ نہ رکھا جائے گا تو روح آوارہ پریشان پھیرے گی اس لئے میت کی عمدہ ترین خدمت یہ ہے کہ اس کا کالبد بیجاں کو سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا جائے اس ضرورت نے مصر میں حنوط کے فن کو پیدا کیا اور پروان چڑھایا۔ موجود عظیم

الشن اہراموں کی تعمیر بھی اسی مذہبی عقیدہ پر مبنی ہے۔ اہرام کی تعمیر عوام کے لئے نہ تھی یہ صرف فراعنہ ہی کے لئے مخصوص تھی، مصریوں کے عقائد کے مطابق چونکہ بادشاہ (فرعون) زمین پر دیوتاؤں کا مظہر کامل ہوتا ہے اور سورج دیوتا ؤ راعمون کا فرزند ہوتا تھا اس لئے فراعنہ مصر مطلق العنان بادشاہ ہوتے تھے اور ان کی یہ مطلق العنانی اکثر و بیشتر دعویٰ خدائی پر منتج ہوتی تھی قدیم اسلام تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں نمرود اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون ایسے ہی مطلق العنان سلاطین یا فرعون تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے میں علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ

''عامۃ سلف اس کے قائل ہیں کہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کنعان ابن کوش بن سام بن نوح کے زمانہ میں پیدا ہوئے''۔

جبکہ علامہ مسعودی جو علامہ ابن خلدون کے پیشرو ہیں اور چوتھی صدی ہجری کے عظیم مؤرخ ہیں ''مروج الذہب'' میں لکھتے ہیں۔

''جب آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو دین حق (توحید الٰہی) کی تعلیم دینا شروع کی تو وہ لوگ جو بت پرستی میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح مصر تھے آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کی دینی سرگرمیوں سے نمرود کو مطلع کیا لیکن جب وہ (نمرود) آپ کو کمزور دلائل سے قائل نہ کرسکا اور آپ خدا کی وحدانیت کے اعلان پر مصر رہے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینکوا دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو سر کر دیا اور آپ کے لئے سلامتی بنا دیا[1]

علامہ ابوحنیفہ دینوری اخبارلطوال میں لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم والا فرعون نمرود بن کنعان، جم ہی کی نسل سے تھا اور وہ حضرت ابراہیم کے چچا آزر بن تارخ کا چچازاد بھائی تھا''

اخبار الطوال از ابوحنیفہ دینوری

---

[1] ان کمزور دلائل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مضبوط اور ناقابل تردید جوابات سے فرعون بس یہی کرسکا۔

قدیم کلدانی و آشوری تہذیب

دریائے دجلہ و فرأت کی وادی جس کو اب عراق کہتے ہیں کلدانی آشوری اور بابلی تہذیب کے عروج و زوال کی سرزمین ہے کلدہ کی تمام تر آبادی مخلوط نسلوں پر مشتمل تھی اور سامی النسل افراد کو ان میں اکثریت حاصل تھی یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ فرأت کے ساحلی جنگلوں میں ایک قدیم سلطنت ضرور تھی اور شاید وہ مصر سے بھی قدیم تر ہو۔ ولادت مسیح علیہ السلام سے چار ہزار برس پہلے کلدہ کے لوگ گیہوں بونا' دھاتوں کا استعمال میں لانا جانتے تھے۔ فن تحریر سے واقف تھے' نقاشی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ عمرانی زندگی کے عادی اور خوگر تھے' چنانچہ انہوں نے بہت سے شہر اور قریئے بسائے اور آباد کئے۔ کلدہ کے شمالی جانب دریائے دجلہ کے کنارے آشوری قوم آباد تھی یہ کلدانیوں ہی کی ایک شاخ تھی مگر نسبتاً ان سے زیادہ قلاش' مفلس اور جنگجو تھی۔ آشوری معبد آشور کے بڑے کاہن کے زیر اقتدار تھے آشوریوں کا کاہن اعظم مذہبی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا فرمانروا بھی رہتا تھا۔ اس کو یہ دونوں حیثیتیں حاصل تھیں لیکن اس دہرے اقتدار کے باوجود بابلیوں کے باجگذار تھے لیکن تیرہویں صدی قبل مسیح یہ تمام بابل پر قابض ہو گئے۔ آشوری نہایت جنگجو اور شجیع بلکہ خونخوار درندے تھے اس زمانہ میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک عظیم شہر آباد تھا جس کو نینوا کہتے تھے رفتہ رفتہ نینوا ملک کا بہترین شہر اور آشوری قوم کا پایہ تخت بن گیا۔

سلطنت بابل

جس زمانے میں آشوری کلدہ پر حکمران تھے اس ملک میں ایک اور قوم نمودار ہوئی۔ یہ قدیم کلدانیوں سے مختلف تھی اگرچہ اصلاً یہ بھی کلدانی تھے۔ یہ نئی قوم بھی آشوریوں کی طرح بڑی جنگجو تھی اس وقت بابل فرأت کے کنارے دنیا کا عظیم الشان شہر

اور ایشیا کا عروس البلاد تھا آشوری تہذیب وتمدن میں قطعی طور پر کلدانیوں کے مقلد تھے انہوں نے علوم وفنون اور عقائد سب اسی قوم سے اخذ کئے تھے کلدہ اور آشور کے باشندے ابتداً الگ الگ دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ان کے دیوتاؤں میں بارہ دیوتا زیادہ عظیم المرتبت تھے۔ اہل بابل کا دیوتا ماروک آفتاب کا دیوتا اور ستاروں کا بادشاہ کہلاتا دوسرے خداوند کا نام آشور تھا۔ یہ آشوریوں کا معبود اعظم تھا' کلدانی پانچ سیاروں عطارد' زہرہ' مریخ' مشتری اور زحل کو مہر و ماہ کے ساتھ ملا کر اپنے دیوتاؤں کی خاص تجلی سمجھتے تھے وہ ان ہی سیاروں سے خداوند کی مشیت سے واقف ہوا کرتے تھے چنانچہ سیاروں سے ان کے کاہن غیب گوئی کرتے سلطنت کے آئندہ واقعات' بادشاہوں کی قوت اور فتح و شکست کی پشین گوئی کرتے تھے اس طرح علم نجوم کی ابتداء آشوریوں سے ہوئی گو مصر کے مقابلہ میں بابل کے مذاہبی پیشواؤں کا اثر عوام پر نہیں تھا پھر بھی ان کی ہستی ارفع و اعلیٰ سمجھی جاتی تھی مصریوں کی طرح بابلی بھی مظاہرِ قدرت کی عبادت کرتے تھے اور ان کے بھی مصریوں کی طرح بہت سے معبود تھے بابلیوں کا سب سے بڑا خدا البعل یا مردوک تھا جس کو زمین کا خدا مانا جاتا تھا۔ اس کے بعد عشتر دیوی محبت کی دیوی کہلاتی تھی مصر کی طرح بابل میں تصور وحدت کے نشانات مفقود ہیں بلکہ عظیم فتوحات اور بابلی حکومت کی طاقت وعظمت نے مردوک دیوتا کو قادر مطلق بنا دیا تھا۔

آشوری مذہب کے قوانین کا ماخذ بھی بابلی اور سمیری مذہب کے قوانین تھے لیکن ان کا اپنا سب سے بڑا دیوتا آشور تھا جو طاقت اور حکومت کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی بابلیوں کے مردوک اور مصریوں کے عمون یا جاطون کی طرح سورج کا دیوتا تھا جس کو سخت جنگجو دشمنوں کے حق میں قہر عظیم اور خون آشام سمجھا جاتا تھا اس کی رضا جوئی کے لئے آشوری خون ریزی و غارت گری اور دیوتاؤں کے قدموں پر دشمنوں کا خون بہانا عین عبادت اور اپنا فرض تصور کرتے تھے۔ اس تصور نے آشوریوں کو ایک ظالم اور سنگ دل قوم بنا دیا تھا۔ سمیری اور بابلیوں کے مقابلے میں آشوریہ مذہب اتنا طاقتور نہ تھا اور نہ اس

کا اثر عوام اور بادشاہ پر اتنا شدید تھا۔

برصغیر پاک وہند:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ برصغیر زمانہ قدیم سے آباد ہے اور اس کی تاریخ کا تعین مشکل ہے۔ اس برصغیر کے قدیم باشندوں کا تعلق آریوں کی آمد سے پہلے قدیم پتھر کے زمانے سے ملتا ہے تاریخ سے پہلے کے آثار بھارت کے صوبہ دارس' بلاری' تناولی اور مزار پور (اتر پردیش) میں ملتے ہیں لیکن یہ دور تہذیب کے آثار سے خالی ہے اور اگر ہم اس برصغیر کے تہذیبی دور کی تاریخ کا تعین کریں تو پانچ ہزار سال سے آگے نہیں بڑھ سکتے یعنی اس برصغیر میں آریوں کی آمد سے ایک ہزار سال پہلے اور بس دنیا کی لادینی دور کی تاریخ بھی ہمیں پانچ ہزار سال سے آگے نہیں لے جاتی۔ المختصر آج سے چار ہزار برس پہلے آریہ جب شمال ومغرب کی جانب سے اس ملک میں داخل ہوئے تو انہوں نے یہاں کی سلطنتوں کو پامال کر ڈالا اور اپنی طاقت اور قوت سے یہاں کی قدیم اقوام کو بہت جلد زیر کر لیا۔

اس برصغیر ہند میں آریہ سب سے پہلے شمال ومغرب کی جانب سے داخل ہوئے اور ان کا مقابلہ سب سے پہلے سندھ کی قدیم آبادی سے ہوا' یہی وہ قدیم آبادی اور سندھ کی تہذیب ہے جس کے آثار موئن جوڈرو کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہیں یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بھی دراوڑی نسل ہی کے افراد تھے لیکن یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ دراوڑی جب اس برصغیر میں داخل ہوئے تو وہ بھی شمالی مغربی راستہ سے داخل ہوئے تھے چنانچہ بروہی زبان جو بلوچستان کے اکثر اضلاع میں بولی جاتی ہے اس کا تعلق جنوبی ہند کے دراوڑی نسل کی زبانوں سے آج بھی قائم ہے یعنی جنوبی ہند کی تامل' تلنگو' ملیالم اور کنڑی زبانوں کی ساخت اور بروہی زبان کا انداز ان کے ایک نسل ہونے کی ایک عظیم شہادت ہے۔

موئن جوڈرو کے آثار نے جو شہادتیں قدیم تہذیب کے سلسلہ میں فراہم کی ہیں ان

کے پیش نظریہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا کہ آریوں کی آمد سے پہلے اس برصغیر کے باشندے کافی مہذب اور علوم وفنون پر کامل دستگار رکھتے تھے ہرچند کہ موئن جوڈرو کی مہریں اس وقت نہیں پڑھی جا سکی ہیں اس لئے ان کی زبان کے بارے میں جو یقین کے ساتھ ابھی کچھ کہنا مشکل ہے اس قدیم زبان پر برابر کام ہو رہا ہے لیکن زندگی کے دوسرے پہلو تشنہ تحقیق نہیں اور آثار کی شہادت کی بناء پر یہ کہنا اب آسان ہو گیا کہ وہ فنون لطیفہ میں ماہر تھے۔ عمرانیات و مدنیات سے نابلد نہیں تھے سپاہیانہ اور جنگجویانہ زندگی کی ضرورتوں سے آگاہ تھے اور ان کا مذہب بھی آشوری' کلدانی اور بابلیوں کی طرح بت پرستی تھا۔

آج سے چار ہزار[1] برس پہلے جب آریہ اس برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئے تو فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور مفتوح قوم نے بہت جلد ان کا تمدن اور ان کی تہذیب کو قبول کر لیا لیکن یہ وہی قومیں تھیں جو تہذیب کے مفہوم سے آگاہ تھیں اور مدنی زندگی سے آشنا ورنہ ان قدیم باشندوں کی وہ نسلیں جو موجودہ بھارت کے وسطی علاقوں میں آج بھی آباد ہیں مثلاً بھیل اور گونڈ' ان کی زندگی پتھر کے زمانہ کے انسان سے آج بھی ممتاز اور جداگانہ نہیں' ان کی زبان آریوں اور دراوڑوں سے مختلف ہے ان کی زبان منڈا کے نام سے موسوم ہے اور یہ لوگ شکار پر آج بھی گزر بسر کرتے ہیں یہ امر پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچ سکا کہ ان کی اصل کیا ہے؟

بہرحال ہم بحث کو مزید نہیں چھیڑتے اور اصل موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی

---

[1] پروفیسر میکڈانلڈ نے ابتدائی ویدک دور کا زمانہ 1500 قبل مسیح بتایا ہے' آر ایس دت اس کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح سے چودہ سو قبل مسیح تک بتاتے ہیں لیکن ان محققین کے برعکس بی جی تلک چار ہزار قبل مسیح سے چھ ہزار قبل مسیح بتاتے ہیں لیکن آثار قدیم کی بناء پر آخرالذکر تاریخ قابل اعتبار نہیں ہے۔ مشہور مؤرخ اور انشاء پرداز آر ای ایم وہیلر نے سندھ کی تہذیب جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں تفصیلی بحث اس سلسلہ میں کی گئی ہے (دیکھئے پاکستان پانچ ہزار برس پہلے)

آریہ آج سے چار ہزار برس قبل جب اس برصغیر میں داخل ہوئے تو یہاں کی مہذب اقوام کا مذہب بت پرستی تھا' زراعت میں کام آنے والے جانوروں کے بت بنا کر ان کو پوجتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ فاتح قوم جس نے ان قدیم اقوام کی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا خود ان کا مذہب کیا تھا وہ خود بھی بت پرست تھے جس کے باعث بت پرستی کے استیصال کلی کے بجائے اس کو اور فروغ نصیب ہوا یا اس کے اسباب وعلل کچھ اور تھے۔

ویدوں کی مناجاتوں پر غور وخوض سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں وحدت الٰہ کا تصور موجود نہیں تھا اور نہ وہ موحد تھے بلکہ وہ مظاہر قدرت کی بہت ہی آسان طریقوں سے پرستش کرتے تھے' روشنی' سورج' چاند' ستارے' طلوع سحر اور گھنگھور گھٹائیں ان کے معبود تھے دریاؤں اور درختوں کی بھی وہ عبادت کرتے تھے ان کے معبد یہی مظاہر قدرت تھے یہ قدرت کی مخفی قوتوں سے اس قدر خائف تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنا معبود بنا لیا تھا خاص طور پر اگنی (آتش) اندر (بارش) وایو (ہوا) اور ورتا (آسمان) ان کے عظیم معبود[1] تھے ایک مدت کے بعد جب یہ فنون لطیفہ سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنے معبود کی عظمت اور ان کے خواص کا نظم کا لباس پہنایا ان کی ان منظومات کا یہ اثر ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کی یہ منظومات ان کی عبادت کا جزو لاینفک بن گئیں اور یہ اپنے معبودوں کی جب عبادت کرتے تھے یہی نظمیں (بھجن) استعمال کرتے تھے۔

مذہب اور فلسفہ:

آریہ مذہب کے بارے میں پروفیسر ایچ جی رالنسن رقم طراز ہے:

''ویدک آریہ مختلف مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے' ان میں آسمانی دیوتا دیاوس (صبح صادق کا دیوتا) اور حسین دریائی دیوی سرسوتی شامل تھے۔ ورونا (جل دیوتا) ان کا عظیم مہرباں آسمانی دیوتا تھا۔ رگ وید کے کچھ بہترین بھجن ورونا ہی سے خطاب کیے گئے ہیں رفتہ رفتہ ان دیوتاؤں میں

[1] ملاحظہ کیجئے ہندوستانی ثقافت کی مختصر تاریخ از ایچ جی رالنسن مرتبہ پروفیسر جی جی میکملن

برتری اور فوقیت کا رتبہ بارش کے دیوتا اندر کو دے دیا گیا۔ بناء بریں اندر دیوتا کی بدستور پرستش ہوتی رہی کیونکہ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جنگ میں وہ فتح ونصرت سے ہم کنار اور زمانہ امن میں بارش کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔سورج کی پرستش کی اہمیت کا اس سے اظہار ہوتا ہے کہ سورج دیوتا کو کم ازکم پانچ ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ان میں سب سے زیادہ قبولیت سوریہ کو حاصل تھی۔ ویدک زمانہ میں سورج دیوتا کو وشنو کا نام بھی دیا گیا۔ بعد میں وشنو کو دیگر دیوتاؤں پر اوّلیت دی گئی وشنو کے بعد اگنی (آگ) اور سوما[1] کی بالخصوص پرستش کی جاتی تھی دیویوں میں خاص طور سے اوشا (طلوع آفتاب) اور سرسوتی (دریا کی دیوی) کی پرستش کی جاتی''۔

ان شواہد کی بناء پر یہ دعویٰ کرنا کہ آریہ اس برصغیر میں کسی ''تصور وحدت'' کے علمبردار تھے قطعی غلط ہے' انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں آریوں نے اپنی وحدت پرستی اور موحد کیشی کا اس برصغیر میں بڑا پرچار کیا لیکن اس کی حیثیت ایک فریب سے زیادہ نہ تھی۔

ایران قدیم

ایرانی تہذیب کی قدامت کی تاریخ بھی یونانی تحقیق کی رہین منت ہے۔ ہریبوں آمیسری تیسری صدی مسیح کا مورخ ہخامنشی سلاطین کا ہم عصر تھا' ہیروڈٹس مشہور یونانی مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ کے باب اوّل میں ایران کے بادشاہ ماؤ کے بارے میں مختصراً کچھ لکھا ہے لیکن ان دونوں مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہخامنشی بادشاہ ایران سے قبل کے حالات تاریخ کے حافظہ میں موجود نہیں ہیں ایران کے آثار قدیمہ اور سنگین کتبے جو بڑی تلاش اور جستجو کے بعد دستیاب ہوئے صرف ہخامنشی خاندان کی تاریخ ہی تک محدود ہیں۔

---

[1] سوما یا سوم رس یہ ایک جنگلی بیل ہے جس کا عرق باسی ہو کر مکیف اور نشی تاڑی کی مانند ہو جاتا ہے۔

دارائے اعظم اسی خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے جس نے سکندر یونانی کے ہاتھوں شکست کھائی' اس کتبہ کی شہادت کی بناء پر حاجی آباد کے خرابے سے برآمد ہوا ہے۔ اپنا شجرہ نسب اس طرح پیش کرتا ہے۔

نتمی داریواوش خشائیہ'مناپستیا ویشتاسپہ' ویشتاسپھیا
پیتاارشامہ ارشامھیا پیتا اریارامنہ' اریارامنھیا پیتا چشپیش'
چشپیا یشہ پیتا ھنحا منش ....(بخط پہلوی)

یعنی گوید داریوش بادشاہ پدر من گشتاست است' پدر گشتاسپ ارشامہ' پدر ارشامہ' آریامنہ' چشپیش پدر چشپیش ہنحا منشی۔

ایرانیوں نے دنیا میں سب سے پہلے ایسی وسیع اور عظیم الشان شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی جو انسانی نظروں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اس کی سرحدیں مغرب یونان اور مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں اس سلطنت کا بادشاہ کسریٰ کہلاتا تھا۔ اس وقت ایران میں لامحدود استبدادیت قائم تھی ہر شخص بادشاہ کا غلام تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے دربار میں سجدہ کرنا اور زمین کو بوسہ دینا ہو رشخص کے لئے فرض تھا۔

ایران بھی دوسرے آریہ قبائل کی طرح شروع ہی سے بہت سے دیوتاؤں کو مانتے تھے ان کی حالت ویدک کے درد کے ہندوؤں سے مختلف نہ تھی۔ ان کا خاص دیوتا متھرا یا سورج دیوتا تھا۔ امتیاز زرخیزی اور زمین کو دیوی تھی متھرا کو ہندوؤں کے اندر کی طرح سب پر فوقیت حاصل تھی اس کے علاوہ دوسرے دیوتاؤں اور جانوروں کی پرستش بھی ان کے مذہب کا اہم عنصر تھا۔

اس مذہب کے کاہنوں کو جاگی کہا جاتا تھا' یہ تھی ایرانیوں کی مذہبی حالت' زرتشت نے 65 ق م میں آذر بائیجان کی بستی اردمیہ (علاقہ میڈیا) میں ظہور کیا۔ انہوں نے ان دیوتاؤں کی پرستش کے خلاف آواز بلند کی لیکن ثنویت کا مشرکانہ تخیل اپنے دام میں لئے ہوئے تھے بت پرستی کے خلاف موحدانہ آواز پہلی آواز نہ تھی صحرائے سینا اور شام میں اس

سے صدیوں پہلے یہ آواز حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام بلند کر چکے تھے اور ان حضرات کی یہ آواز خالصاً موحدانہ تھی۔ ثنویت کا اس میں شائبہ بھی نہ تھا۔ البتہ ایرانیوں کے لئے ثنویت آمیز وحدت کا یہ پیغام پہلا پیغام تھا۔ زرتشت کے مانہ اور روحانی کتاب اوستا کے متعلق بہت سے ہیں چونکہ خراسان کا بادشاہ ہستاشپ یا نتاشپ ان کا معتقد اور پیرو بن گیا تھا اس لئے ایران کے آریہ قبائل میں اس کی نظریہ کی بہت ترویج ہوئی اور وہ آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے اور گائیتھوں میں تقسیم ہے۔

زرتشت کی یہ تعلیم نہایت سادہ اور صاف اصولوں پر مبنی تھی لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں انقلاب آتا گیا اور زرتشت کی وفات کے بعد ہی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جس نے اصل کتاب کو پس پشت ڈال کر ایسی ترمیم و تنسیخ کی کہ یزدان ہرمن' نور و ظلمت' آفتاب و آتش کی پرستش ہونے لگی۔ بہر حال زرتشت کی تعلیم کے مطابق دنیا میں نیکی کی طاقت کا نام اہورمزدہ (یزداں) اور بدی کی طاقت کا نام اہرمن ہے نیکی ہمیشہ نیکی اور بدی ہمیشہ بدی رہے گی۔ اہورمزدہ (یزداں) کو وہ سات صفا' روشنی صداقت راستی' حکومت' ذکاوت' حیات جاودانی اور فلاح و بہبود کا مظہر مانتا ہے اس طرح اہرمن کی طرف سات برائیاں منسوب کی ہیں' دنیا میں تمام تکالیف' آلام و مصائب کا سر چشمہ اہرمن ہے۔

زرتشت کہتے ہیں کہ دنیا کی تخلیق تنہا ہرمزد نے نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ فرشتوں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا زرتشت کی یہ ثنویت اگرچہ ان کے خیال کے مطابق ثنویت نہیں بلکہ ''وحدت'' ہے لیکن وہ اس کا کوئی بین ثبوت یا دلیل قاطع نہیں لا سکے اس لئے کہ وہ یزداں اور اہرمن کو دونوں کو ازلی اور واجب الوجود ہستیاں تسلیم کرتے ہیں لیکن اس قدر ضرور ہے کہ زرتشت کا یہ نظریہ ایران کے بے شمار اور لاتعداد خداؤں کی پرستش سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھا اس لئے زرتشتی اس کو بزعم خود نظریہ وحدت ہی متصور کرتے تھے۔

زرتشت کی وفات کے بعد ان کے متبعین نے اس کو کثرت پرستی میں تبدیل کر دیا' انہوں نے ہرمزدہ کی سات صفات کا علیحدہ علیحدہ وجود تسلیم کر کے ان صفات کو ہرمزدہ کا شریک قرار دے دیا اور اس طرح وہ بھی دیگر اقوامِ عالم کی طرح غیر موحد یا مشرکین کی صف میں شامل ہو گئے انہوں نے ان صفات کو طاقتور فرشتے قرار دیا۔ اور پھر ان ملائیکہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اہرمن کی صفات ہفتگانہ کو دیوتاؤں کی شکل میں مجسم کر کے ان کی پرستش کی جانے لگی۔

ان سخت کوششوں اور تہذیبوں اور مذاہب میں چار مذاہب خاص طور سے قابل ذکر ہیں یعنی ہندو تہذیب' یہودی تہذیب' عیسائی تہذیب اور چوتھی تہذیب وہ اسلامی تہذیب ہے جو اپنی ثقافتی اثر و نفوذ کے اعتبار سے اوّل الذکر تہذیبوں سے کم عمر سہی لیکن مذہبی نقطہ نگاہ سے اس کی قدامت کے ڈانڈے آدم ثانی (حضرت نوح علیہ السلام) سے مل جاتے ہیں جنہوں نے فنقی قوم میں صدائے توحید بلند کی تھی اور توحید باری تعالیٰ کا پیغام قوم کو پہنچایا۔ الحمدللہ کہ آج بھی اس تہذیب و ثقافت کا جامع قانون بغیر کسی تحریف اور ایک نقطہ یا حرکت (اعراب) کے تغیر سے محفوظ و مامون اس قوم کے پاس موجود ہے جس کو اس قانون کا امین و محافظ بنایا گیا تھا اور اس قوم کے کروڑوں سینوں میں اسی شان کے ساتھ موجود ہے جہاں تغیر و تبدل کا کوئی امکان ہی نہیں قلم اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ قرآن حکیم کی چند اہم خصوصیات کو پیش کئے بغیر آگے بڑھنا نہیں چاہتا۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ قرآن کریم باہمہ جہت کامل صورت میں موجود ہے یوں تو خداوند کریم نے انسانی فلاح و ہدایت کے لئے اپنے منتخب' برگزیدہ' بندوں یعنی پیغمبروں پر حسب مشیت متعدد صحیفے نازل فرمائے لیکن قرآن حکیم نے جن صحیفوں کا ذکر کیا ہے وہ تعداد پانچ ہیں۔

1- صحف ابراہیم علیہ السلام

2- توریت

3- زبور
4- انجیل
5- اورقرآن مجید جوان تمام صحف کی تعلیمات کا جامع ہے۔ان صحف میں صحیفہ ہائے ابراہیم علیہ السلام مکمل اور مستقل صورت میں دنیا میں نادار الوجود ہیں البتہ ضمنی صورت میں قرآن مجید میں مذکور ہیں' باقی صحف میں اگرچہ تورات' زبور اور انجیل مستقل صورت میں دنیا میں موجود ہیں۔لیکن ان میں اس قدر ردوبدل (تحریف) کی گئی ہے کہ ان کو تحریف سے منزہ کسی صورت میں بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن مجید کی صداقت پر ایمان تو مسلمان کی بنائے ایمان ہے مستشرقین نے بھی اس کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

1- ریورینڈ جی ایم راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآنی کے دیباچے میں لکھا ہے:

''قرآن مجید کی تعلیم نے عرب کے خانہ بدوش قبائل کی حالت کو اس قدر بدل دیا تھا جیسے کسی نے ان پر سحر کر دیا ہو قرآن مجید بے شک عربوں کے لئے برکت اور رحمت حق تھا''[1]

2- ڈاکٹر سموئیل جانسن کہتے ہیں:

''قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانہ کے لئے موزوں ہیں کہ زمانے کی تمام صداقتیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں''۔

3- جرمن فاضل کرئی کہتا ہے:

''قرآن مجید بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور متحیر کر لیتا ہے اور آخر کار ہم اس کی عزت اور احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اسی طرح یہ کتاب تمام زمانوں میں اپنا قوی اثر کرتی رہے گی''۔

4- برنارڈ شا یہ اعتراف کرتا ہے:

---

[1] سچ بات کہتے ہوئے بھی قرآن پاک کی عالمگیر صداقت اور اثر پذیری کے اعتراف سے گریز کیا ہے۔

''میں بہت ہی وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ بشریت اور انسانیت کا نجات دہندہ اگر کوئی دین ہوسکتا ہے تو وہ اسلام ہے''۔

(مقالات برنارڈ شا)

قدیم تہذیبوں کے وجود میں آنے اور ان کی نشو ونما کی مختصر تاریخ جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے اس سے نتیجہ اخذ کرنا کچھ دشوار نہیں کہ دنیا کی ان تمام تہذیبوں میں مذہب کے اعتبار سے بت پرستی او مشرکانہ رسوم رائج تھے اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے جانشینوں نے جو آوازِ توحید بلند کی تھی اس کو وہ جلد ہی بھول گئے۔

غلبہ اور تسلط کے حصول کے لئے قتل اور خوں ریزی ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ لفظ تہذیب کے جو معنی اس عصر کی زبان اور روزہ مرہ میں شائستگی' خوش اخلاقی اور خوبیٔ کردار کے لئے مراد لئے جاتے ہیں وہ آپ ان قدیم تہذیبوں میں مفقود پائیں گے۔ فتنہ وفساد جبر وتشدد اور قتل وغارت گری کی خوگر قوموں سے ان محاسن اور فضائل اخلاق کی کیا توقع ہوسکتی تھی پس ان اقوام کی تہذیب کے معنی ہیں ان کا رہن سہن' سنعت و حرفت' اجتماعی زندگی کے اطوار اور اس کا نظام اور مذہبی حالت' عمرانیات اور تاریخ میں تہذیب کے عناصر یہی ہیں ان ہی اجزائے ترکیبی کو نہایت اختصار کے ساتھ بطورِ تمہید آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

ان تہذیبوں کی دعوے دار قوموں کی فتنہ سامانیوں اور شر انگیزیوں کی داستان بڑی طویل ہے اور تاریخ کے ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے خالق کائنات نے ان قوموں کو ''فساد فی الارض'' سے باز رہنے کی بار بار تاکید کی! بارگاہ الٰہی سے جو شخصیت بھی نبوت کے منصب پر فائز ہوئی اس نے قوم کو فتنہ وفساد سے روکا۔ فساد فی الارض کی تباہ کاریوں اور بربادکن نتائج سے ان کو آگاہ کیا ان کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کے لئے آوازِ توحید بلند کی' باری تعالٰی کے یہ اصلاحی اور خدا پرستی پر مبنی احکام انبیاء علیہم السلام ہر زمان ومکان میں ان قوموں تک پہنچاتے رہے۔

شرانگیزی' قتل و غارت گری رذائل اخلاق کے قبیح نتائج سے آگاہ کرنے اور ان سے روکنے کے لئے ان اقوام کے پاس کوئی جامع اور مستقل قانون نہ تھا اور جن قوموں کے پاس کچھ ایسے قوانین موجود تھے تو ان میں بھی فلاح انسانیت اور صلاح آدمیت کے ضابطوں کا فقدان تھا' اونچ نیچ یا عدم مساوات کی فاصل حدیں خود ان کے مذہبی ضوابط نے قائم کردی تھی۔

ان قوموں اور ان تہذیبوں میں سب سے بڑا فتنہ شرک اور بت پرستی تھا۔ اس شرک کے موار مختلف النوع تھے' عجیب عجیب طریقوں سے اس کا اظہار کیا جاتا تھا آتش پرستی' ستارہ پرستی' آفتاب پرستی' شجر پرستی' سنگ پرستی ان کے شرک کے مختلف موارد اور مظاہر تھے اس بت پرستی کے سہارے اور اس کی آڑ میں انسان' انسان کا شکار کرتا تھا مخلوق خدا امن و امان س شب و روز گزارنے کے لئے ترستی تھی پرسکون اور امن و امان کی زندگی ناممکن تھی اور ممکن ہوتی تھی کس طرح جبکہ ہر فرد ضلالت و گمراہی کا شکار تھا۔

قدیم اقوام کی ہوشربا اور لرزہ خیز جنگوں کے طول طویل واقعات کو اگر اختصار کے ساتھ بھی قلم بند کیا جائے تو کئی جلدیں درکار ہوں گی! مسعودی کی مروج الذہب طبری کی ملل والنحل' ابن اثیر کی تاریخ کامل' ابو حنیفہ دینوری کی اخبار الطوال قدیم معتبر تاریخی کتب ہیں' اسی طرح دور متوسط کی تاریخ ابن خلدون' ابن مسکویہ کی تجارب الامم' ابن جوزی کی المنتظم اور ابو الفدا کی تاریخ المختصر فی اخبار البشر بہت ہی معتبر تاریخی کتب ہیں' ان میں قدیم تہذیبوں اور قوموں کی خون آشامیوں اور سفاکیوں کی منہ بولتی تصویریں موجود ہیں اور علامہ ابن خلدون کی تاریخ قبل اسلام جو ''کتاب العبر والدیوان المتبدا والخبر'' کی پہلی جلد ہے۔

فساد فی الارض کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان قوموں کے پاس انفرادی یا اجتماعی زندگی کا کوئی نصب العین نہیں تھا کوئی ضابطہ قانون نہیں تھا۔ انانیت کے پرستار اپنی قوت کے بل پر قوموں کے سربراہ بن جاتے تھے اور ذاتی منفعت اور آرام کے لئے جو چاہے کرتے

کوئی ان کو روکنے والا نہ تھا' جور و ستم' ستم کوشی' ایذا رسانی اور تن آسانی ان کی تہذیب کے تار و پود تھے' شاہنشاہیت نے ان قدیم تہذیبوں میں شخصی آزادی اور انفرادی زندگی کی آسودگی کو کبھی پروان نہیں چڑھنے دیا۔

خالق کائنات نے اس ظلم و استبداد کو روکنے کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے اور ہر ایک قوم میں اپنے پیغمبر کو اصلاح و فلاح کا پیغام لے کر بھیجا لیکن سرکش اور نافرمان قومیں من مانی کرتی رہیں اور غضب الٰہی ان پر نازل ہو کر ان کو صفحۂ ہستی مٹاتا رہا۔ یہ وہ پاداش عمل تھی جو ان کو دنیا میں دی گئی اور آخرت میں تو جو ناگفتنی ان پر گزرے گی اس سے بھی ان کو آگاہ کر دیا گیا۔ انبیاء علیہم السلام نے جو ضابطہ ہائے حیات ان کے سامنے پیش کیے انہوں نے ان پر عمل تو درکنار آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ مصلحین یعنی انبیائے کرام ان کو سرکشی اور نافرمانی کے عواقب سے آگاہ کرتے رہے لیکن وائے بدبختی کہ ان کی ہنسی اڑاتے رہے آخر کار عذاب الٰہی آپہنچا اور تہس نہس کر کے رکھ دیا اور یہ ارشاد الٰہی پورا ہو کر رہا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (سورۂ یونس: 49)

ترجمہ: ''ہر امت کے (عذاب کے) لئے ایک وقت (اللہ کے نزدیک) معین ہے جب ان کا وہ وقتِ معین آپہنچتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔''

انبیائے علیہم السلام کی بعثت کا یہی مقصد تھا کہ وہ انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی دونوں میں جو خامیاں نفس کی خباثتوں اور بداعمالیوں سے پیدا ہو گئی ہیں ان کو جڑ اکھاڑ پھینکیں اور ایک طرف بندوں سے صحیح طریقے پر رشتہ جوڑیں اور دوسری طرف خالق کائنات کی بندگی' اس کے احکام کی بجاء آوری کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں! یہ اصلاحی عمل کسی ایک امت یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ○ (سورۃ الرعد آیت 7)

ترجمہ:''سو (اے محمد!) تم تو صرف ہدایت کرنے والا ہو اور ہر ایک قوم کے لئے رہنما ہوتا کرتا ہے''۔

جب اور جہاں معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوئیں اللہ تعالیٰ نے اسے بگڑے ہوئے معاشرے کو سدھارنے کے لئے اپنا پیغمبر بھیجا اور اس نے بے دھڑک اور بغیر کسی جھجک کے اپنا یہ اصلاحی پیغام قوم تک بحیثیت مجموعی بھی اور بطور انفرادیت بھی پہنچایا کچھ نے ان کی اصلاحی آواز پر لبیک کہا اور کچھ نے ان کی تکذیب کی قرآن حکیم نے اس حقیقت کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ (الآیۃ)(سورۃ الانعام: 34)

ترجمہ''اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو جا پہنچی''۔

انبیاء علیہم السلام کی یہ تکذیب ان کے اس اصلاحی نظام اور ان تعلیمات کی تکذیب تھی جو وہ اللہ کی طرف سے قوموں کی اصلاح کے لئے لائے' افراد کے نفس بہیمیہ نے جو روستم' ایذا رسانی اور غصب حقوق کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ان کے جابر و ظالم آقا ان کو جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہانکتے تھے' لرزہ براندام سزائیں ان کا مقدر بن چکی ہیں۔

معاشرہ کی اخلاقی حالت تباہی کے آخری کناروں تک پہنچانے میں ان ہی بدکردار باسطوت افراد کا ہاتھ ہوتا تھا۔ سردار قوم کی مطلق العنانی کے سامنے کسی کا یہ یارانہ ہوتا کہ دم مار سکے' فسق و فجور کی گرم بازاری کچھ اس طرح ہوتی کہ اخلاقی بلندیوں کا نام ونشان تک مٹ چکا ہوتا تھا۔

اپنے ان جرم ہائے سیاہ کی تلافی غیر شعوری طور پر کہ وہ اپنے ان جرائم کو جرائم ہی

نہیں سمجھتے تھے اس طرح کہ خود ساختہ بتوں یا اپنے دیوی دیوتاؤں کے سامنے سر جھکاتے ان کو اپنا معبود گردانتے' ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس مجبور و معذور طبقے کے افراد کو جن کو غلام کہا جاتا تھا' قربانی کی جاتی ان کا خون دیوتا کے قدموں میں بہا دینے کو دیوتا کی خوشنودی قرار دیتے! معبود حقیقی کے بجائے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کی ان کی زندگی کا معمول تھا یا قتل و غارت گری ان کے شیوہ مردانگی کا عنوان تھا۔

اس طرح ارض پر بسنے والی ہر قوم اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی ایک قوم دوسری قوم کے خون کی پیاسی تھی اپنی بالادستی اور اقتدار کے حصول کے لئے دوسری قوم پر یورشیں روزمرہ کا معمول تھا' اور یہ نادان' بے عقل اور عیش کوش انسان' اس کو اپنی فلاح سمجھتا تھا جبکہ یہ تن آسانی اور دنیوی راحت اور عیش و آرام ''فساد فی الارض'' کے نتیجہ میں اس کو میسر آتا فلاح کا مفہوم اس قدر محدود نہیں ہے جتنا ان قوموں نے سمجھ رکھا تھا اور نہ جبر و تشدد' ظلم و ستم' قتل اور غارت گری اس کے اجزائے ترکیبی ہیں بلکہ خالق ارض و سما کے حضور میں اور اس کے قانون ازلی و ابدی میں فلاح حیات دنیوی کے تمام محاسن کی کمالات جامع ہے اور دینی اقدار کے تحفظ اور احکام کی بجا آوری کا نام ہے۔

<u>فلاح کیا ہے:</u>

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحٰفِظُوْنَ ○ (سورۃ المؤمنون آیت 1 تا 9)

ترجمہ: ''بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور

جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا (شرعی) باندیوں پر جوان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جوان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں' اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں''۔

پس کسی قوم یا کسی مخصوص گروہ کی مادی ترقی پر فلاح کا حقیقی معنوں میں اطلاق نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ہم اپنے روزہ مرہ میں فلاح دنیوی' قومی فلاح و بہبود اور فلاح و آسودگی کی تراکیب استعمال کرتے ہیں' اس لئے یہ مادی فلاح (دنیاوی زندگی کی آسودگی) فلاح کا پیمانہ یا خیر و شر کا معیار نہیں بن سکتی۔

یہ سمجھ لینا کہ جو فرد یا گروہ یا قوم دنیا میں آسودگی سے بہرہ ور ہے وہ حق تعالیٰ کے انعام و اکرام سے بہرہ ور ہے' یا انعام پانے والا بارگاہ ایزدی میں محبوب و مقبول ہے اور جو اس آسودگی سے محروم ہے' فلاح سے دور ہے ایک غلط خیال ہے' یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔

حقیقت میں فلاح حق اور نیکی سے وابستہ ہے اسی طرح باطل اور بدی کا انجام خسران اور تباہی ہے لیکن اس دنیا میں اکثر باطل و بدی کے ساتھ ایک عارضی اور نمائشی فلاح نصیب ہو جاتی ہے اور اکثر نیکی اور بھلائی کے ساتھ وقتی خسران کا سامنا کرنا پڑتا ہے انسان اس سے ہی دھوکا کھا جاتا ہے اور حقیقی معیار کو جو خیر و شر اور حق و باطل کے لئے ایک سچی اور حقیقی کسوٹی ہے' نظر انداز کر دیتا ہے' وہ حقیقی معیار اور سچی کسوٹی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات' ان کا عمل اور آسمانی کتابوں کے ارشادات ہیں' ہماری عقل اور ہمارا وجدان اس حقیقت سے گریز نہیں کر سکتے۔

جب ایک گروہ یا ایک قوم' حق سے منحرف ہو کر فسق و فجور' طغیان و سرکشی' عیش و عشرت میں مگن ہو اور احکام الٰہی کو بجالانے کا اسے ہوش نہ رہے اور اس بد حالی اور

نافرمانی کے باوجود وہ دنیاوی فارغ بالی آسودگی اور نعمتوں سے ہمکنار ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شدید آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۝

(سورۃ الکہف:7)

ترجمہ:''ہم نے زمین پر جو چیزیں ہیں ان کو اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے''۔

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝

(سورہ الاعراف:168)

ترجمہ:''اور ہم ان کو خوشحالی (صحت وغنا) اور بدحالیوں (بیماری وافلاح) سے آزماتے رہے شاید وہ باز آجائیں''۔

كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝ (سورۃ الاعراف163)

ترجمہ:''اس طرح ہم ان کی شدید آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ پہلے سے حکم عدولی کرتے تھے''۔

وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝

ترجمہ:''ہم تم کو بری اور بھلی حالتوں سے آزماتے ہیں اور پھر (اس زندگی کے اختتام پر) تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔

اور مزید صراحت اس فرمادی اور عیش دنیوی کی اور کامرانی کی۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ؕ

(سورہ الانعام:165)

ترجمہ:''اور ایک کا دوسرے پر مرتبہ بڑھایا تاکہ (ظاہراً) تم کو آزمایا جائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں''۔

ان احکام سے صاف ظاہر ہے کہ ان آسودہ حال افراد یا قوموں پر رحمت نازل

ہوئی ہے بلکہ آزمائش کی جارہی ہے اس کو تنبیہ کی جارہی ہے اور سنبھلنے کا موقع فراہم کیا جارہا ہے اب دوسری طرف وہ نیک افراد ہیں اور وہ قوم ہے جہاں خدا پرستی ہے نیکی ہے حسن اخلاق ہے راستی وراست بازی ہے حسن سلوک ہے اور خلق خدا کے ساتھ رحمت و شفقت ہے سچی اطاعت و بندگی ہے لیکن مصائب اور شدائد کی اس پر یورشیں ہیں تو یہ غضب خداوندی نہیں ہے بلکہ کھرے کو کھوٹے سے الگ کیا جارہا ہے جیسا کہ مذکور الصدر آیات سے ظاہر ہے بایں ہمہ اس نیک قوم اور اس کے افراد کی طمانیت قلب کے لئے اور اس لئے کہ کہیں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آجائے اور زلت قدم صراطِ مستقیم سے نہ ہٹادے ان پر اپنی رحمت و کرم سے واضح کردیا کہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ 155-156)

ترجمہ: ''اور دیکھو ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال و جان اور پھلوں کی کمی سے''۔ الخ

یہ ارشاد فرما کر ان صابر اور نیک بندوں کی جزاء بھی بتادی اور مژدہ راحت بھی سنا دیا۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ آیت 157)

ان احکام سے واضح ہے کہ نافرمان قوموں کا عروج' ان کی خوشحالی اور فلاح ایک ظاہری طنطنہ ہے اور بس انجام کا خسران ہے ان ہی نافرمان قوموں کی اصلاح اور آخرت کی فلاح و کامرانی سے بہرہ ور کرنے کے لئے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور وہ اصلاح کا پیغام ان تک پہنچاتے رہے اور جس کا اختتام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے آخری پیغام سے اس طرح ہوا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی' وہی گنے چنے چند غریب مسلمان اس

صالح نظام کواپنا کر اپنے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے ایسے شہ زور بن گئے کہ تمام عرب پر ہی غالب نہیں آئے بلکہ قیصر وکسریٰ کے سر سے بھی تاج شاہی چھین لیا! تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہجرت کے ابھی پچیس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ مسلمانوں نے اپنے قدموں سے ایران وماوریٰ النہر' شام ومصر' روم کی زمین کوروندڈالا' یہ سب کچھ کیا تھا' اسی صدق ویقین کا انعام تھا' اسی خلوص وراستی کا ثمرہ تھا اسی کمال عبدیت اوراطاعت الٰہی اورفرمان پذیری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ تھا جس کی نوید ان کو ان الفاظ میں دی گئی۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران:139)

ترجمہ:''اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن ہو''۔

اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کردیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ (سورۃ النور55)

ترجمہ:''جب تم میں سے جولوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کی حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے یعنی اسلام' اس کو ان کے لئے قوت دے گا (آخرت کے نفع کے لئے) اوران کے اس خوف کے بعد (اس خوف کو) مبدل بہ امن کردے گا بشرطیکہ وہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں''۔

مادی فلاح اور فساد

یہ مادی فلاح یا دنیاوی فلاح ہر معاشرے اور ہر قوم کے ساتھ وابستہ رہی ہے اور اسی فلاح اور آسودگی نے دنیا میں ظلم وستم، جبر واستبداد، قتل وغارت گری، فتنہ وفساد اور جنگ وجدال کی آگ بھڑکائی ہے جس کو ارشاد خداوندی نے اس طرح واضح فرمایا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ (سورۃ الروم آیت 41)

ترجمہ: ''خشکی اور تری (بحر وبر) میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کا چکھادے تاکہ وہ باز آجائیں''۔

دُنیا سے اس فساد کو دور کرنے، انسانیت کو تباہی کے غار سے نکالنے کے لئے انبیائے کرام مبعوث ہوئے جن کی بعثت کے لئے دو اہم مقاصد تھے ایک تو حقیقی فلاح یعنی بندگی الٰہی کی طرف دعوت عام، دوسرے فساد برپا کرنے والوں کو عذاب الٰہی کی وعید پہنچانا اور ان کو بداعمالیوں کے انجام سے ڈرانا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بشیر ونذیر بنا کر اسی لئے بھیجا کہ دنیا سے اس فتنہ وفساد کا قلع قمع کریں اور انسانیت اس راہِ راست پر گامزن ہوجائے جس کے نتیجے میں فلاح مادی بھی حاصل ہو اور فلاح اخروی بھی، جیسا کہ اس ارشاد میں ان کامرانیوں کی نوید موجود ہے جو میں اس سے قبل پیش کرچکا ہوں۔ (وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ...... تا...... لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط............ سورہ النور آیت 55)

فساد فی الارض

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ 'یہ الہامی جملہ سابقہ اوراق میں متعدد جگہ آپ کی نظر سے گزر چکا ہے اس لئے یہاں میں اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں ''فساد فی الارض''

کا منجملہ ایک عظیم مفہوم اور مطلب اپنے اندر رکھتا ہے اس فساد کی بہت صورتیں اور متعدد پہلو ہیں بظاہر یہ ایک بہت مختصر سا جملہ ہے لیکن خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد تمام مخلوق کو احاطہ کئے ہوئے ہے جو معاشرے اور قوموں کی بربادی کا سبب بنتی رہی ہے۔

''فسادا فی الارض ''ہی تو کائنات میں تمام بربادیوں' تباہیوں اور فتنہ سامانیوں کی اصل ہے''فساد فی الارض'' ان تمام جہتوں اور پہلوؤں کو محیط ہے جو نسل انسانی کو تباہی اور بربادی سے دوچار کرتے ہیں ان پہلوؤں میں سب سے اہم اور تباہ کن پہلو تو۔

1- خالق حقیقی کی بندگی اور اس کے قوانین کی اطاعت سے انکار کرنا ہے یعنی کفر چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ○ (آل عمران' آیت50)

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

اور اس کے ساتھ یہ حکم دے کر راہ عمل بھی متعین کر دی گئی۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ○ (سورۃ الاشعراء آیت 151)

ترجمہ: اور حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو۔

قوموں کی بربادی اور تباہی اسی حکم کی نافرمانی کا نتیجہ ہے تمام انبیاء علیہم السلام جو اصلاح و معاشرہ کے لئے نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے مبعوث ہوتے رہے ان کا اوّلین پیغام یہی تھا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرو اور وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا○

اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک مت بناؤ۔ (سورۃ الکھف: 11)

اور اللہ کے ڈر کے یہی معنی ہیں کہ اس کے احکام کو بجالاؤ اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہو' قرآن پاک کے تمام تر احکام کا بنیادی نقطہ یہی ہے اور بے شمار آیات اسی حکم کی علمبردار ہیں۔

2-حکومت واقتدار پا کر خداوند قادر مطلق کے مقابلے میں من مانی کارروائی کرنا اور اپنے اختیارات کو بلا قید استعمال کرنا فساد ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ ؕ (سورۃ القصص:4)

ترجمہ: ''حقیقت یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا' ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا' اس گروہ کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا''۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ (سورۃ النمل 34)

ترجمہ: ''بولی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں (تو) اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں''۔

4-حق ظاہر ہو جانے کے بعد اس کو ماننے سے انکار اور حق کی اشاعت و اظہار میں مزاحمت بھی فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (سورۃ النمل 13-14)

ترجمہ: ''غرض ان لوگوں کے پاس جب ہمارے (عطا کردہ) معجزے پہنچے

3-قوموں پر طاقتور قوم غلبہ پانے کے بعد ان میں ذلیل اخلاق کی ترویج' بدکرداریوں اور بدافعالیوں کی حمایت و تائید بھی فساد ہے۔

جونہایت واضح تھے تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے اور غضب وتکبر کی راہ سے (ان) معجزات کے (بالکل) منکر ہو گئے' سو دیکھو کہ کیا برا انجام ہوا ان مفسدوں کا''۔

5- مفتوح قوم میں طبقہ واریت' عدم مساوات قائم کرنا بھی فساد ہے کہ اس عدم مساوات کے بہت ہی تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (سورۃ القصص: 4)

ترجمہ: ''فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسموں (طبقوں) میں تقسیم کر رکھا تھا' ان میں سے ایک جماعت (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رہا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا''۔

6- بغیر کسی ضابطے کے زندگی بسر کرنا معاشرے کو تباہی کے غار میں دھکیل دینا ہے جب ہر فرد من مانی کرنے لگتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے کیسے نتائج مرتب ہوں گے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ الشعراء 151-152)

ترجمہ: ''اور حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہا مت مانو جو زمین پر فساد کیا کرتے ہیں اور کسی اصلاح کی بات نہیں کرتے''۔

7- ظلم وتعدی کا روا رکھنا' ظالم و جابر سے تعاون کرنا اور ناجائز مقاصد کا پورا کرنا بھی ''فساد'' ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔

ترجمہ: گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ٥(سورہ ہود 19)

ترجمہ سن لو! کہ ایسے ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو (اپنے کفر و ظلم کے ساتھ) دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے تھے اور اس راہ میں کجی (اور شبہات) نکالنے کی فکر اور تلاش میں رہا کرتے تھے (تاکہ دوسروں کو گمراہ کریں) اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے"۔

اسی بناء پر متنبہ کیا گیا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥

(سورۃ البقرہ:188)

ترجمہ: "اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو"۔

9- ناپ تول میں کمی کرنا' ڈنڈی مارنا بھی فساد ہے کہ اس سے فتنے پیدا ہوتے ہیں' جدال و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ٥ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ٥ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ٥(سورۃ الشعراء 181-183)

ترجمہ: "اور تم لوگ پورا ناپا کرو اور کسی کو گھاٹے میں نہ ڈالو ٹھیک ترازو سے

تولواور لوگوں کو چیزیں کم نہ دو زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو"۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ○
وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ○

(سورۃ الرحمٰن: 7-8-9)

ترجمہ: "اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا' اور اسی نے دنیا میں ترازو رکھ دی تاکہ تم تولنے میں کمی نہ کرو اور انصاف اور حق کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ"۔

10- فواحش کا ارتکاب اور اس کا اس کا شیوع بھی فساد ہے کہ فواحش کے عام ہونے سے معاشرے سے تقویٰ' پاکدامنی اور نیکوکاری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (سورۃ النور 21)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو' اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ بے حیائی اور نامعقول کام کرنے ہی کو کہے گا"۔

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ (سورۃ الانعام آیت 151)

ترجمہ: "اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ ہوں"۔

11- چوری' رہزنی' لوٹ مار بھی فساد ہے' معاشرہ کی تباہی میں ان خرابیوں کا بھی بہت عمل دخل ہے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ (سورۃ العنکبوت 29)

ترجمہ ''کیا تم مردوں سے بے حیائی کا کام کرتے ہو اور تم ڈاکے ڈالتے ہو
اور غضب یہ کہ مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو''۔

فساد فی الارض کی ان متعدد صورتوں اور اوضاع کا سرچشمہ اور اصل منبع شرک و کفر ہے یہی شجرِ فساد کے وہ ریشے ہیں جو معاشرے کے ذہون میں پیوست ہو کر اور آزادانہ نشوونما پا کر اس قدر مضبوط بن جاتے ہیں کہ ان کا اکھاڑنا ایک کارصعب ہوتا ہے شرک و کفر سے جب افراد خود کو بچا لیتے ہیں تو فساد کی ہر نوع کا خود بخود قلع قمع ہو جاتا ہے اسی بناء پر حکمت الٰہیہ نے فساد کے اس سوتے اور سرچشمہ کو بند کرنے کے لئے معاشرہ میں اپنے انبیاء اور رسول (علیہم السلام) مبعوث فرمائے اور ان برگزیدہ ہستیوں نے اس سرچشمے کو بند کرنے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف فرما دیں اور معاشرے کو سب سے پہلے شرک و کفر سے بچانے اور پاک کرنے کے لئے ان برگزیدہ ہستیوں نے اصلاح کا آغاز کیا اور پھر جس قوم میں فساد کا زیادہ فروغ پایا اس کی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا آئندہ اوراق میں اسی معاشرتی فساد کے انسداد کے ایک جمالی توضیح و تشریح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لازوال کلام میں اس فساد کی بڑی شدمد سے روک تھام کی ہے اس کی خرابیوں اور تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہی فساد نوع بہ نوع قوموں کی تباہی اور بربادی کا باعث بنا ہے۔ ان ارشادات باری تعالیٰ سے یہ امور بخوبی واضح ہو جاتے ہیں کہ فساد فی الارض کن کن صورتوں میں ایک تہذیب اور ایک معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے اور اس کے روکنے کی سعی نہ کرنے کے کیسے قبیح اور ہولناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

صلاح و فلاح آدمیت کے نیست و نابود کرنے والے فساد کی برائیوں سے انبیاء علیہم السلام برابر تنبیہ کرتے رہے اور ارشاد خداوندی سنا سنا کر ان کو اس تباہ کن راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے بعض قومیں سدھر گئیں اور بعض ان فساد کے تباہ کن نتائج اور خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گئیں اور ان پر واضح کر

دیا گیا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ○ (سورۂ یونس : 81)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا''۔

اسی کیساتھ فسادیوں کی اتباع اور ان کی پیروی سے واضح الفاظ میں منع فرمایا کہ فساد عموماً انفرادی کوشش کا نتیجہ نہیں رہا بلکہ اس کے عوامل زیادہ تر اجتماعی ہوتے ہیں اور جب یہ عوامل اجتماعی ہوتے ہیں تو اس کے تباہ کن نتائج بھی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی نکلتے ہیں۔ اور اس طرح ایک صالح معاشرہ ان نتائج کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور پھر اس کے مضر اور تباہ کن اثرات بہت دور تک پہنچتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ○ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ○ (سورہ الشعراء : 151-152)

ترجمہ: ''اور حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا نہ مانو جو (اللہ کی) سرزمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور وہ کبھی اصلاح کی بات نہیں کرتے''۔

عام طور پر مسرفین، فضول خرچ لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے وہاں بھی حدود (خرچ) سے بڑھ جانے والوں کے معنی ہیں یہاں حدود سے نکل جانے والوں کے معنی ہیں حدود بندگی اور اطاعت کے دائرہ سے نکل جانے والے وہ اطاعت اور بندگی جس کی تبلیغ ہر قوم میں مبعوث ہونے والا پیغمبر علیہ السلام اپنی قوم کو کرتا رہا اور حدود بندگی بتاتا اور اطاعت کا درس دیتا رہا۔
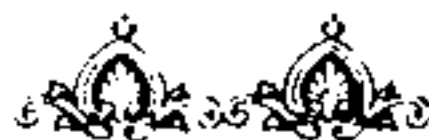
انبیائے کرام
یعنی
مصلحین اقوام قدیمہ علیہم السلام

خاتم المرسلین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد کیا گیا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ (سورۃ المؤمن : 78)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر (اصلاح کے لئے) بھیجے جن میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا واقعہ (قصہ) ہم نے آپ سے بیان کیا اور بعض وہ ہیں جن کا قصہ (واقعہ) ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا''۔

بائبل میں جن انبیاء خصوصاً انبیائے بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس کی تصریح انجیل باب پیدائش میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

ایک مسلمان ان تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے اور شرط ایمان ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا جائے خواہ قرآن مجید میں ان نام مذکور ہے یا نہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرہ 185)

صاحبانِ ایمان کا توریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید ......اور اسی طرح ان تمام

صحیفوں اور کتابوں اور مجموعہ احکام پر بھی ایمان لانا ضروری اور شرط ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں پر نازل فرمائے اور جن پر ایمان لانے کا حکم اس طرح دیا گیا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝ (سورۃ البقرہ:136)

ابوالبشر اور ابوالانبیاء (علیہ السلام) کا اسم گرامی قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ میں آپ کا نام نامی سب سے اوّل اس آیت میں مذکور ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ (سورۃ البقرہ 31)

انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی زیادہ تعداد میں اور صراحت کے ساتھ سورۃ الانعام میں مذکور ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی ذریت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ (سورۃ الانعام 84-87)

حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر سورۃ الاعراف میں اس طرح فرمایا گیا:

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ (سورہ الاعراف آیت 73)

حضرت ادریس، حضرت عزیر، حضرت ذوالکفل علیہم السلام اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ان آیات گرامی میں مذکور ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر سورۂ مریم میں اسی طرح آیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا ۝ (سورۃ مریم 57)

حضرت عزیر علیہ السلام کا گرامی سورۂ التوبہ میں مذکور ہے۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ (سورۃ التوبہ آیت 30)

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر سورۂ الانبیاء میں اس طرح مذکور ہے۔

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

(سورہ الانبیاء آیت 85)

حضرت ہود علیہ السلام کا نام نامی سورۂ ہود کی اس آیت میں مذکور ہے اسی سورہ کی مزید چند آیات میں اور سورۂ الشعراء میں آپ کا نامی موجود ہے۔

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ (سورۃ ہود :50)

حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ بھی قرآن حکیم میں سورہ الشعر اور دوسرے کئی مقامات پر موجود ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (سورۃ الشعراء 177-178-179)

حضور سرور کونین سیّد الانبیاء کا نام واسم گرامی کتاب مجید میں چار جگہ لیا گیا ہے ورنہ خطابات گرامی مذکور ہیں، سورۂ آل عمران کی آیت 144 میں نام نامی اس طرح مذکور

ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران آیت 144)

اس کے علاوہ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سورۂ الاحزاب اور سورۂ الفتح میں نام نامی مذکور ہے باقی مقامات پر آپ کو خطاب سے یاد فرمایا گیا ہے۔

یہ اسماء گرامی ان انبیاء علیہم السلام کے تھے جن کے واقعات کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے کسی کی صراحت ہے اور کسی میں اجمال۔

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ کا مصداق ان ہی حضرات کی محترم ہستیاں ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کا تذکرہ مشیت الٰہی نے قرآن پاک میں نہیں فرمایا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ان سب پیغمبروں پر ایمان لانا بھی ایک مسلمان کے لئے شرط ایمان ہے۔

ان انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی اور قرآن حکیم کی سورتوں میں ایک مقام یا متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔ قرآن حکیم میں چھبیس انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان پیغمبروں کا زمانہ مذکور نہیں ہے قدیم مورخین نے بائبل کو ماخذ بنا کر ان کا زمانہ متعین کیا ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کا عہد مسعود

به ترتیب زمانه

اسمائے گرامی	زمانہ
1-ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام	غیر متعین
2-حضرت ادریس علیہ السلام	آپ حضرت آدم علیہ السلام کی چھٹی پشت میں ہیں
3-حضرت نوح علیہ السلام	3832ق م ولادت
4-حضرت ہود علیہ السلام	3700ق م
5-حضرت صالح علیہ السلام	2400ق م (ولادت)
6-حضرت ابراہیم علیہ السلام	2160ق م (ولاد)
7-حضرت لوط علیہ السلام	2160ق م ولادت
8-حضرت اسماعیل علیہ السلام	2074ق م ولادت
9-حضرت اسحٰق علیہ السلام	2061ق م ولادت
10-حضرت یعقوب علیہ السلام	2000ق م
11-حضرت یوسف علیہ السلام	1927ق م
12-حضرت ایوب علیہ السلام	سترہویں صدی قبل مسیح بعض ارباب تحقیق نے سولہویں صدی ق م کہا ہے
13-حضرت شعیب علیہ السلام	یہی زمانہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے
14-حضرت ہارون علیہ السلام	1543ق م زمانہ ولادت
15-حضرت موسیٰ علیہ السلام	1520ق م ولادت
16-حضرت داؤد علیہ السلام	1034ق م 1004ق م بھی کہا گیا ہے

17-حضرت سلیمان علیہ السلام	946ق م
18-حضرت الیاس علیہ السلام	900ق م
19-حضرت یونس علیہ السلام	نویں صدی ق م
20-حضرت یسع علیہ السلام	575ق م
21-حضرت عزیر علیہ السلام	چھٹی صدی ق م
22-حضرت ذوالکفل علیہ السلام	....
23-حضرت زکریا علیہ السلام	پہلی صدی ق م
24-حضرت یحیٰ علیہ السلام	پہلی صدی ق م
25-حضرت عیسیٰ علیہ السلام	پہلی صدی ق م
26-سرورکونین سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	571 عیسوی ولادت مسعود

33ء سے 571ء تک یہ زمانہ عصرت فترت کہلاتا ہے اس عرصہ میں کوئی نبی یا رسول تشریف فرمائے عالم نہیں ہوئے۔

ان تمام تاریخ ہائے ولادت کا ماخذ بائبل (کتاب پیدائش' کتاب خروج' کتاب عدد' کتاب استثنا اور باب تواریخ) ہیں قدیم مؤرخین اور محققین نے اسی ماخذ پر عصر کیا ہے۔ان ہی اکتشافات اثریہ کی تحقیق کے نتیجوں پر علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی گرانمایہ کتاب ''ارض القرآن'' میں ان پیغمبروں کے عصر کو متعین کیا ہے۔

بائبل میں جن ہستیوں کا ذکر بطور ہادیان قوم کے کیا گیا ہے اور ان کو نبی بتایا ہے ہم ان کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ منصب نبوت پر فائز ہوئے ہیں تو ہم بے شک وشبہ ان کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

یہ تمام انبیاء علیہم السلام اسی ''فساد فی الارض'' کو روکنے اور بگڑی ہوئی قوموں کی

اصلاح حال کے لئے تشریف لائے جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ (سورۃ ھود :88)

''فساد فی الارض کے سلسلہ میں عرض کیا جاچکا ہے کہ ''شرک'' ہی اس فساد کا مایہ خمیر تھا اسی لئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان الشرک لظلم عظیم' اور متنبہ کردیا کہ بندے کا ہر ایک قصور' ہر کوتاہی' اگر چاہوں گا بخش دوں گا لیکن شرک کا گناہ نہیں بخشا جائے گا۔''

اِنَّ اللّٰـهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝ (سورۃ النساء 48)

ترجمہ: ''بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔

اسی شک سے کہ بندہ شر نفس سے جب شرک پر دلیر ہو جاتا' تمام خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' معاشرے اور تہذیب کو یہی شرک برباد کرتا ہے اسی شرک پر دلیری اس کو تمام اخلاق رذیلہ کے ارتکاب پر جری بنا دیتی ہے خودسری' سرکشی جور د ظلم غرضیکہ تمام اخلاقی اور معاشرتی برائیاں اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں! نیکی اور خیر کا انکار اور ایک اقتدار اعلیٰ یعنی احکم الحاکمین کی اطاعت سے گریز اس کا معمول بن جاتا ہے اور اغراض نفسانی کی تکمیل اس کا مقصود زندگی اور نصب العین بن جاتا ہے حصول مقصد کی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز سے ٹکراتا ہے اور ممکنہ طریقے سے اس کو اپنی راہ سے ہٹا دیتا ہے یا ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

شرک وکفر کی وضاحت:

ہر زمانے میں ہر قوم کے ہادی و رہنما نے ان بگڑے ہوئے افراد کو راہ راست اور

صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے اپنی بھرپور کوششوں سے کام لیا! لیکن بگڑے ہوئے معاشرے کے افراد سنی کو ان سنی کر دیتے تھے انہوں نے جس معاشرے اور جس تہذیب میں آنکھیں کھولی تھیں میں ان کی گمراہی کا سامان فراہم کرنے والا دو چیزیں بہت اہم تھیں ایک توراث اور دوسرا ماحول۔

بت پرستی اور کفر کو اپنے ورثے میں پایا تھا' ان کی ہٹ دھرمی کے باعث ان مصلحین کے اصلاحی پیغام کا ان کے پاس ایک ہی جواب تھا یعنی

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○

(البقرہ:170)

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جائے' اللہ کے اتارے پر چلو' تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

اور یہ بدبخت ان مراسم کفر ہی کو اپنے لئے کافی سمجھتے اور ان کا یہی جواب ہوتا۔

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ (سورۃ المائدہ 104)

ان کافروں کے پاس اپنی فحش کاری اور کفر و طغیان پر تہدید و تنذیر پر بس یہی جواب ہوتا تھا۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (سورہ' الاعراف 28)

ترجمہ ''اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ بات لگاتے ہے جس کی تمہیں خبر نہیں۔''

یہ کفار بت پرستی کو اپنا آبائی ورثہ قرار دیتے تھے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

(سورۃ الاعراف 70)

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اس واسطے آتے ہو کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو ہم چھوڑ دیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کو بت پرستی سے روکا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا تب بھی ان نابکاروں کا یہی جواب تھا۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○

(سورۃ یونس 78)

ترجمہ: وہ (کفار) کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقے سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے اور اس لئے آئے ہو کہ تم دونوں کو دنیا میں ریاست اور سرداری مل جائے اور خوب سمجھ لو کہ ہم تم دونوں کو نہیں مانیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان کے مربی اور ان کی قوم کے افراد نے ان کو بت پرستی سے روکنے پر یہی جواب دیا تھا۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ○ (سورۃ الانبیاء :53)

ترجمہ: وہ لوگ جواب میں کہنے لگے ہم نے اپنے بڑوں کو ان ہی کی عبادت کرتے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل توحید پر جب کوئی جواب ان سے بن نہ پڑا تو بس یہی کہنے لگے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ (سورۃ الشعراء آیت 74)

ترجمہ: ان لوگوں (کفار) نے کہا کہ (ان بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ یہ تو نہیں) بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہ بداطوار اپنے ماحول سے بھی متاثر تھے اپنے ماحول پر نظر ڈالتے تو ہر کہ ومہ کو اسی رنگ میں رنگا ہوا پاتے تھے اور نیک اطوار خداپرست بندوں کا مضحکہ اڑاتے تھے۔

سورۂ بقرہ کی ان آیات میں اسی بات کو واضح کیا گیا ہے۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ (سورۃ البقرہ 13)

ترجمہ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح (ایسا ہی) ایمان لے آؤ جیسا یہ لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں گے جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے ہیں۔

ماحول میں جب کفر و بت پرستی کو رچا بسا دیکھتے تو بغیر سوچے سمجھے یہ بھی ماحول سے متاثر ہو کر بتوں کے آگے سر جھکا دیتے اور ان نیک بندوں کا جو ایمان لے آئے مذاق اڑاتے۔

یہ تھی فساد فی الارض کی بنیاد، یہی وہ ریشہ تھا جس نے بڑھتے بڑھتے معاشرے میں تباہی اور بربادیوں کی جڑیں اس قدر پھیلا دیں اور مضبوط کر دیں کہ افراد قوم میں ہر قسم کی برائیاں پیدا ہو گئیں جور و ستم، فسق و فجور کو خوب ہی پھولنے اور پھلنے کا موقع ملا جن روابط کے قیام اور استحکام پر انفرادی اور اجتماعی زندگی کا انحصار ہے اور جن کی درستی اور اصلاح کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو یہ اپنے کفر و طغیان سے برباد کر کے زمین پر بسنے والے افراد کا سکون درہم و برہم کرتے ہیں تمدن اور معاشرے میں بداطواریوں اور بد کرداریوں سے ایسے رخنے ڈال دیتے ہیں کہ انسانیت سسکنے لگتی ہے اور نیک اطوار بندوں کو اس میں سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ روابط محض انسانی تعلقات تک ہی حصر نہیں رکھتے بلکہ دوسری قوموں سے امن و

آشتی کے معاہدے بھی اس کے تحت آتے ہیں اور قطع روابط جو فساد ہے وہ ان معاہدوں اور بین الاقوامی تعلقات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اسی طرح فساد کا دائرہ ایک قوم سے بڑھ کر دوسری قوموں تک جا پہنچتا ہے اس طرح یہ قطع روابط ایک عظیم خسران اور بین الاقوامی فساد بن جاتا ہے۔

فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ حصولِ اقتدار کے بعد عموماً نیک و بد کی تمیز اس سے اٹھ جاتی ہے۔ ظلم و تعدی اس کا شعار بن جاتا ہے۔ اور پھر اس کے کرتوت ہر طرف تباہی اور فساد پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کے اس پہلو کو کمال ایجاز کے ساتھ اس طرح واضح فرمایا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (سورۃ البقرہ 205)

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔

اس اقتدار پر قابض ہونے کے بعد طاغوتی قوت سر اٹھاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ خدائی کا دم بھرنے لگتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ 257)

یہ تھی فساد کی ابتداء جس نے ترقی کرتے کرتے انسانی تمرد و سرکشی کو خدائی دعویٰ تک پہنچا دیا۔

بات ہو رہی تھی توارث اور ماحول کی! کفر سامانی اور طاغوتیت ان دونوں فطری طریقوں سے انسان تک پہنچتی ہے اور پھر ہر فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصود یہی تھا کہ ایک طرف تو انسانیت سکون کی فضا میں سانس لے سکے

اور دوسری طرف فرد خالق کائنات کا ایسا مطیع و منقاد بن جائے کہ پکار اٹھے!

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝

(سورۃ الانعام 162)

ترجمہ: بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ رب العالمین کے لئے ہے۔

شرک و کفر میں مبتلاء افراد میں ایک کثیر تعداد ان افراد کی ہوتی ہے جو اپنے ماحول کو اپنا لیا جس کی شہادت کلام ربانی نے بار بار دی ہے۔ بت پرستی کی گود میں پرورش پائی اور جب شعور بیدار ہوا تو اپنے ماحول کو اسی بت پرستی میں گھرا ہوا پایا۔ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لاشعوری طور پر خود بھی اسی راہ پر گامزن ہو گئے۔

جب ایسے ماحول میں خدا پرستی کی کوئی صدا بلند ہوئی' نیکی اور راستی کا راستہ دکھانے کے لئے جب حق تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے نے جوان ہی میں سے ہوتا کوئی غیر نہیں ہوتا راہِ راست پر چلنے کی دعوت دی تو وہ اس نیک بندے کو حیرت سے دیکھتے' دیوانہ اور مجنوں کہتے' ڈراتے دھمکاتے اور ہر ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے' حضرت نوح علیہ السلام کی نوسو پچاس سالہ عمر میں کم از کم نو 9 سو سال[1] تو دعوت خدا پرستی میں گزرے اور اس تمام مدت میں معدودے چند افراد ہی ایمان لائے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر اپنی جان بچا سکے۔

نسل انسانی میں پہلا قتل:

حقیقت یہ ہے کہ نفس امارہ انسان کو بے جا خواہشات اور غرور و سرکشی پر ابھارتا ہے

[1] علامہ ابن خلدون نے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال بتائی ہے اور تصریح کی ہے کہ پچاس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اور 950 سال قوم کی دعوت توحید دی جبکہ قرآن حکیم نے اس طرح آپ کی عمر بیان کی ہے۔ (سورۃ العنکبوت آیت 14) ترجمہ: ایک ہزار سال سے پچاس سال کی نفی ہوتی ہے ہمارے بیشتر مفسرین نے آپ کی عمر 950 سال ہی قرار دی ہے۔

عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ایک برگزیدہ ہستی اس نفس امارہ کا اس طرح تجزیہ کرتی ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۂ یوسف 53)

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا' بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا ربّ رحم کرے بے شک میرا ربّ بخشنے والا ہے۔

نفسانی خواہشات کا طغیان اور اس کا وفور' سوچنے سمجھنے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کی قوتوں کو سلب کر لیتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خاندان کے افراد کو درسِ توحید دیا اور ان کی منزل راستی اور خداشناسی کی منزل تھی آپ نے جو درس دیا اس کو سب نے قبول کیا لیکن اسی پاکیزہ ماحول میں قابیل کے نفس نے سرکشی کی' ہابیل نے حدودِ الٰہی پر قائم رہتے ہوئے اپنے اس سرکش بھائی کو خدا کا خوف بھی دلایا نیکی اور راستی کی راہ بھی دکھائی' لیکن قابیل کے نفس نے سرکشی کی اور اس نے کفر و طغیان کی راہ پر قدم رکھتے ہوئے ہابیل کو قتل کر ہی ڈالا۔ قرآن حکیم اس سرکشی اور قتلِ ناحق کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ○ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ○ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (سورۂ المائدہ 27 تا 30)

ترجمہ: اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے بیٹوں کی سچی خبر' جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی بولا قسم ہے

میں تجھے قتل کر دوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے' بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کر دوں' میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں''۔

ہابیل کا قتل چونکہ دنیا میں پہلا قتل تھا اس لئے قاتل نعش کو لئے لئے پھر رہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اس کو کس طرح ٹھکانے لگائے اور چھپائے چنانچہ نعشوں کو دفن کرنے کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کی اور قابیل بھی ہابیل کی نعش کو دفن کر سکا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ○ (سورۃ المائدہ 31)

ترجمہ: ''پس اللہ نے ایک کوّا بھیجا زمین کریدتا کہ اسے دکھائے کیونکہ اپنے بھائی کی نعش چھپائے' بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا نہ ہو سکا میں اپنے بھائی کی نعش چھپاتا پس پچھتاتا رہ گیا''۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو تنبیہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہبوط کے وقت فرمائی تھی اور پیش گوئی فرمائی تھی وہ معرض وجود میں آ گئی۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (سورۃ البقرہ آیت 36)

ترجمہ: اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن رہے گا تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے''

ہابیل کی نعش دفنانے کے بعد قابن یا قابیل اس سرزمین سے فرار ہو گیا حضرت

آدم علیہ السلام قاتل کو پہچان چکے تھے لیکن قاتل ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

اس قتل کے بعد کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور فرزند عطا فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے اس نومولود کا نام شیث علیہ السلام رکھا جب (حضرت) شیث علیہ السلام عنفوانِ شباب کو پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو اپنا جانشین بنایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا صحیح سلسلہ نسب آپ ہی سے قائم ہوا ہے۔ آپ کے فرزند انوش نے اپنے چچا کے قاتل قاین یا قابیل پر قابو پایا اور اس کو قتل کر دیا۔

''فساد فی الارض'' میں قاین یا قابیل کی اولاد بہت پیش پیش رہی اور دنیا پر فتنہ و فساد کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں اس سلسلہ بیان میں تفصیل میں نہیں جا سکتا کہ میرا موضوع ''قصص الانبیاء'' نہیں ہے لیکن حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچنے کے لئے قدیم تاریخ کی یہ چند کڑیاں ملانا ضروری ہیں اور اس سلسلہ میں مشہور زمانہ معتبر مؤرخ ابوالحسن مسعودی کی تاریخ ''مروج الذہب'' سے صرف ایک اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں' مسعودی لکھتے ہیں:

> ''انوش کی وفات زمین پر ہبوطِ آدم علیہ السلام کی تشرین اوّل کے تیسرے حصے میں ہوئی، ان کی عمر 960 سال تھی' انوش کے یہاں جو فرزند پیدا ہوا اس کا نام قنیان تھا' جس کی پیشانی میں وہی نور منتقل ہوا جو نوش کی پیشانی میں تھا۔ نوش نے قنیان سے خلیفۃ اللہ فی الارض کی حیثیت سے اپنا عہد پورا کرنے کا وعدہ لیا۔ قینان نے 920 سال کی عمر پائی۔ وفات سے قبل ان کا فرزند کہلائیل پیدا ہو چکا تھا۔ قینان نے بھی ہلائیل سے اسی طرح عہد لیا جیسا انوش نے قینان سے لیا تھا۔ مہلائیل نے 800 سال عمر پائی۔ ان کی وفات سے پہلے ان کا بیٹا لود پیدا ہو چکا تھا۔ لود سے بھی اسی طرح زمانے عہد لیا گیا۔ مہلائیل نے بہت سے شہر بھی تعمیر کئے لیکن لود کے زمانے میں بہت سے سانحے پیش آئے اسی نوعیت کے محاربات (حضرت) شیث علیہ

السلام اور قابن (قابیل) کی اولاد کے درمیان واقع ہوئے یہ سب
واقعات اس خطہ ارض میں پیش آئے جو حضرت آدم علیہ السلام سے بطور
علاقہ ہند منسوب ہے جہاں قابن کی اولاد نے سکونت اختیار کر لی تھی لود کی
اولاد اس کے قریبی علاقے ''ممار'' میں مقیم تھی۔ یہ بھی ہند ہی کا علاقہ تھا' لود
کی عمر 782 سال ہوئی اور انہوں نے ''آزاد'' میں وفات پائی۔

لود کے بعد ان کے بیٹے اخنوح کا زمانہ آیا' اخنوح ہی دراصل اللہ کے نبی
(حضرت) ادریس (علیہ السلام) ہیں' صابی ان کو ہرمس کہتے ہیں بہر حال یہی اخنوخ یا
ہرمس حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جن کا رتبہ قرآن شریف کے بموجب اللہ تعالیٰ نے
بلند فرمایا، آپ نے 300 سال کی عمر پائی' اکثر راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ وہ پہلے
انسان ہیں جن نے کپڑے سی کر پہنے (انہیں سوئی سے سیا)

آپ پر 30 آسمانی صحیفے نازل ہوئے (جبکہ حضرت آدم علیہ السلام پر اکیس اور حضرت
شیث علیہ السلام پر 29 صحیفے نازل ہوئے) جو تسبیح وتہلیل یعنی عبادات پر مشتمل تھے۔

متوشلح:

حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے متوشلح تھے اور وہی موروثی نور ان کی
پیشانی میں بھی جلوہ گر تھا۔ انہوں نے بہت سی بستیاں بسائیں' بلغراد' صقلیہ
اور روس ان ہی کے آباد کردہ ہیں۔

انہوں نے 960 سال عمر پائی' ان کے بعد بیٹے لمک جانشین ہوئے لیکن
ان کے زمانے میں اولاد آدم (علیہ السلام) میں پھوٹ پڑ گئی اور ہر طرف
فتنہ وفساد پھوٹ پڑے لمک کے بعد ان کے بیٹے حضرت نوح علیہ السلام کا
زمانہ آیا' ان کے زمانے میں ظلم وطاغوت نے اور شدت اختیار کر لی۔

(اقتباس از مروج الذہب جلد اول)

بائبل کتاب پیدائش میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کا سلسلہ اولاد دو احفاد اسی طرح

بیان کیا گیا ہے صرف ناموں کے املا اور ان کے تلفظ میں فرق ہے یعنی بائبل کتاب پیدائش میں حضرت شیث (علیہ السلام) کا نام سیت بتایا گیا ہے۔ انوش ابن شیث علیہ السلام کا نام انوس بیان کیا ہے۔

مہلائیل کا نام بائبل کتاب پیدائش میں مہل ایل مذکور ہے جو تلفظ کا فرق ہے۔ البتہ لود ابن قینان کا نام بائبل میں یارو ہے' اسی طرح اخنوخ ابن لود کو بائبل میں حنوک کہا گیا ہے میرے خیال میں یہ بھی تلفظ کا فرق ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ اسلام تک سلسلہ نسب میں بس اسی قدر ناموں میں معمولی سا فرق ہے البتہ قدیم مؤرخین اسلام نے ان حضرات کی جو عمریں بیان کی ہیں ان میں اور بائبل میں مذکورہ معروں میں کافی تفاوت ہے۔

بہر حال بائبل کے اور قدیم مؤرخین اسلام کے بیانات میں سلسلہ نسب میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور سب کا سب پر اتفاق ہے کہ

آدم علیہ السلام

شیث علیہ السلام

انوش

قینان

مہلائیل

لود

اخنوخ (حضرت ادریس علیہ السلام)

متوشلح

لمک

حضرت نوح علیہ السلام اس طرح حضرت نوح علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کی آٹھویں پشت میں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام
اور اصلاحِ فساد (یعنی اصلاحِ کفر و طاغوت)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (سورۃ الاعراف 59)

ترجمہ: ''ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں''۔

اس ارشاد باری سے صاف ظاہر ہے کہ قوم نوح علیہ السلام بت پرستی اور شرک میں گرفتار تھی' اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطالعہ کے بعد ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہ یہ قوم کس نام سے موسوم تھی؟ کس زمانے میں تھی اور حضرت نوح علیہ السلام نے کتنی مدت کس طرح اس کو دعوتِ توحید دی اور اس دعوتِ توحید کا انجام کیا ہوا۔

اقوام قدیمہ کی تاریخ میں ان سوالات کا جواب موجود ہے اور وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کا مستقر و مقام دجلہ و فرات کا دو آبہ جو بابل اور کلدانیہ کے نام سے قدیم تاریخ میں متعارف تھا اور عصر حاضر میں یہی سرزمین (مملکت) عراق ہے' یہی وہ سرزمین ہے جو قدیم تہذیب و تمدن کی سرمایہ دار تھی' اقوام قدیمہ کے سلسلے میں مختصراً میں اس کا ذکر کر چکا ہوں' یہی بابلی اور کلدانی قوم تھی جس میں حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بہت تیزی سے بڑھتی رہی اور آپ کی نسل کرۂ

ارض پر جس کو جہاں موقع ملا آباد ہوتی چلی گئی۔ مؤرخین قدیم کا بیان ہے کہ دنیا کے پہلے قاتل قابیل (قاین (سے متعدد نسلیں پھیلیں ان ہی نسلوں میں سے ایک نسل کا سردار لود نامی شخص تھا' لود اور قاین کی نسلوں کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی قدیم مؤرخین (مسعودی' دینوری) اس جنگ کی تفصیلات بیان نہیں کر سکے ہیں۔ کیونکہ کوئی قدیمی تاریخی ماخذ ان کو نہیں مل سکا۔ البتہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام جن کا نام نامی قرآن میں مذکور نہیں ہے) اور حضرت ادریس علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بنی نوع انسان کی معاشرتی صلاح وفلاح کے لئے سرگرم عمل رہے۔ لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ ان حضرات کا مستقر کہاں تھا اور وہ کون سی اقوام تھیں جن میں آپ حضرات نے فلاح انسانیت کے لئے موعظت کا فریضہ انجام دیا اس سلسلہ میں قیاس آرائیاں بہت ہیں اور قدیم مورخین کے یہاں بیان میں تضاد بہت ہے۔ مروج الذہب اور اخبار الطوال اور ابن خلدون کے اقوال اس سلسلے میں بالکل متضاد ہیں' البتہ بابل کی سرزمین پر متعدد اقوام آباد تھیں۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں انسان نے کفر و طاغوت کو اپنایا۔ بت پرستی کو شعار بنایا اور فساد فی الارض کی آگ کو بھڑکایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اپنے آبائی وطن بابل (موجودہ عراق) میں آباد تھی۔ ان کی اولاد کے بعض سلسلے دور دراز علاقوں تک اگرچہ پھیل گئے تھے لیکن مرکزی حیثیت اسی خطۂ ارض بابل کو حاصل تھی۔ عصر حاضرین کے ماہرین اثریات کی کوششوں سے سرزمین بابل سے جو کتبات ملے ہیں ان سے بھی یہی محقق ہوا ہے۔

کردستان اور سرزمین آرمینیہ میں جو روایات سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں وہ بھی اسی قول کی تصدیق کرتی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقے میں کوہ ارات (ارادط) کی ایک چوٹی پر ٹھہری تھی جو جودی کہلاتی ہے آج بھی ان علاقوں میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعض آثار کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم شرک میں گرفتار تھی بہت سے بتوں کی پرستش اس کا دینی شعار بن گیا تھا قرآن حکیم نے اس کی صراحت کی ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کو بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝

(سورۂ ہود 25-26)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہارے لئے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بیشک میں تم پر ایک مصیبت والے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں"۔

اسی شرک اور بت پرستی نے بے شمار خرابیاں اس قوم میں پیدا کر دی تھیں خصوصاً معاشرے میں بھرپور اقتدار ان چند افراد کو حاصل تھا جو بجائے خود محض اپنی قوت اور زور سے سربراہان قوم بن بیٹھے تھے اور معاشی اقتدار کلیۃً ان کے قبضے میں تھا ان خود ساختہ سربراہوں نے اپنے فسق و فجور اور عصیاں شعاری سے ساری قوم کی نیکی اور اچھائی کی صلاحیتوں کو برباد کر دیا تھا' اپنی کشود کار کے لئے انسانوں میں اونچ نیچ پیدا کر دی تھی جو کمزوروں اور غریبوں کو ستانے کے لئے ایک اچھا ہتھیار ہے ان سربراہوں نے بحیثیت مجموعی اپنے فسق اور عصیاں شعاری سے تمام قوم کی اخلاقی حالت تباہ کر دی تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام رشد و ہدایت کی راہ پر لانے کے لئے ایک مدت دراز تک نہایت صبر و استقامت کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہے اور گمراہی و عصیاں شعاری پر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے لیکن قوم کے یہ سربراوردہ فساق اور خدا کے نافرمان آپ کی تکذیب کرتے اور جو گنتی کے چند لوگ ایمان لے آئے ان کی تذلیل

کے درپے ہوتے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ○ (سورۂ ہود 27)

ترجمہ: ''پس ان کی قوم میں جو کافر سردار تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنا ہی جیسا انسان دیکھتے ہیں' اور تمہاری پیروی انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل ذلیل ہیں اور وہ اتباع بھی بالکل ایک سرسری رائے سے ہوا ہے (وہ غور و خوض کے بعد ایمان نہیں لائے ہیں) اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات اپنے سے زیادہ نہیں پاتے بلکہ ہم تو تم کو (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں''۔

قوم کے اس استہزاء الزام تراشی کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام برابر دعوت توحید دیتے رہے اور اپنی ساری عمر اس میں گزار دی جب آپ کی مایوسی حد سے بڑھی تو ارشاد ہوا۔

وَاُوْحِیَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ○ (سورۂ ہود آیت 36)

ترجمہ ''اور نوح علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوائے ان کے جو (اس وقت تک) ایمان لا چکے ہیں اور کوئی تمہاری قوم سے ایمان نہیں لائے گا سو جو کچھ یہ لوگ (استہزاء) کر رہے ہیں اور اس پر کچھ غم نہ کرو''۔

حضرت آدم علیہ السلام جس صالح معاشرے کو چھوڑ گئے تھے وہ ایک قلیل مدت تک تو اپنی اصل حالت پر قائم رہا' اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام خدا پرستی' دینداری' صلح و آشتی اور نیکی کر دکو برقرار رکھا لیکن ان کے بعد ان کی نسل جب بہت پھیل گئی اور قاین (قابیل) کی اولاد بھی پھولی پھلی تو باہم جنگ و جدال کا آغاز ہو گیا۔ ہر طرف فساد پھوٹ پڑے' سردار پرستی نے ایسی جڑ پکڑ لی کہ ان کی عظمت اور برتری کے گن گانے کے

لئے ان کے نام کے بت بنا لئے اور پھر ان بتوں کی پرستش شروع کر دی اور اس بت پرستی، کفر اور سرکشی نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد خوب ہی شیوع پایا اور جب حضرت نوح علیہ السلام اس بگڑے معاشرے اور مفسد قوم کی اصلاح پر مامور ہوئے تو یہ بت پرستی زور و شور سے جاری تھی اور آپ کو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنا پڑا۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗ اِلَّا خَسَارًا ○ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ○ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا ○ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ○

ترجمہ: نوح (علیہ السلام) نے عرض کی! اے میرے ربّ انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کے پیچھے ہو لئے جسے اس کے مال و اولاد نے نقصان ہی بڑھایا اور بہت بڑا داؤں کھیلے اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا اور ظالموں کو زیادہ نہ کرنا مگر گمراہی۔

حضرت نوح علیہ السلام اس نافرمان، خدا ناشناس اور بت پرست و امراء پرست قوم میں 950 سال تک رہے، ابتدائے بعثت سے طوفان عظیم تک ان کی دعوتِ توحید دیتے رہے اور ان کے بگڑے ہوئے معاشرے کے سدھارنے میں دن رات لگے رہے لیکن قوم ہٹ دھرمی اور کج بحثیاں کرتی رہی آخر کار جب کچھ بن نہ پڑا تو حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (سورۂ ہود آیت 32)

ترجمہ: وہ لوگ (قوم نوح) کہنے لگے تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے سو اب جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو (کہ عذاب نازل ہوگا)

وہ ہمارے سامنے لے آؤ اگر تم سچے ہو"۔

عذاب کا وقت چونکہ قریب آ چکا تھا' اس لئے بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ج اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (سورۃ ھود آیت 37)

ترجمہ: "اور تم کشتی تیار کرو ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے' اور مجھ سے (ان) کافروں کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا وہ سب کے سب غرق کئے جائیں گے۔ اس حکم کے بموجب حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کی تیاری شروع کر دی لوگ ان کو کشتی تیار کرتے دیکھتے تو آوازیں کستے' مذاق اڑاتے خصوصاً سرداران قوم اس استہزاء میں سب سے آگے آگے ہوئے"۔

وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط

(سورۃ ھود آیت 38)

ترجمہ: "اور وہ کشتی تیار کرنے لگے اور جب کبھی ان کے قوم کے کسی رئیس گروہ کا ان پر گزر ہوتا تو ان سے ہنسی کرتے۔"

حضرت نوح علیہ السلام ان کی زیادتیوں اور شرارتوں سے تنگ آ چکے تھے' دعوتِ توحید دیتے دیتے مدتیں گزر چکی تھیں لیکن قوم کی بداعمالیوں کا وہی حال تھا آخر کار آپ نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○

(سورۃ نوح 26-27)

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے ربّ زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ' اگر ان کی رسی اسی طرح دراز رہی تو نہ صرف

یہ کہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے بلکہ ان کی نسلیں بھی تیری نافرمان ہوں گی اور فسق و فجور پھیلائیں گی۔

بارگاہِ الٰہی میں آخری فیصلہ کے لئے التجا کی۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ ○ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (سورۃ الشعر آیت 118-117)

ترجمہ: نوح علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار! میری قوم مجھے برابر جھٹلائے جارہی ہے سواب آپ میرے اور ان کے درمیان (دوٹوک) ایک (عملی) فیصلہ کردیجئے اور مجھ کو جو ایمان دار لوگ میرے ساتھ ہیں ان کو ہلاکت سے نجات دیجئے۔

جناب باری تعالیٰ میں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی۔

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ ○ (سورۃ ہود آیت 40)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا تو ہم نے نوح سے کہا کہ ہر ایک (قسم) سے ایک جوڑا (ایک نر اور ایک مادہ) اس (کشتی) پر چڑھا لو اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی باستثناء اس کے جس کے بارے میں حکم نافذ ہو چکا ہے۔

کشتی نوح علیہ السلام کے تختے کھدائی کے بعد پائے ہیں، کردستان میں آج بھی اس طوفان کے سلسلے میں سینہ بہ سینہ روایات کا سلسلہ موجود ہے۔

طوفان کے سلسلہ میں بہت سی روایات قصص الانبیاء میں پائی جاتی ہیں ان میں بہت سی باتیں اسرائیلیات سے اخذ کی گئی ہیں عہد نامہ عتیق کی کتاب پیدائش کے باب میں ششم میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن کی قرآن حکیم سے مطابقت نہیں ہے میں

یہاں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے ختم ہونے کے بعد جب کشتی سے باہر آئے تو ان کے ساتھ وہ تمام جانور بھی اتار لئے جو کشتی میں طوفان سے قبل بٹھائے گئے تھے' حضرت نوح علیہ السلام کے گھر والے ان کے بیٹے پوتے ان کی بیویاں یہ سب کے سب اسی خطہ زمین پر بس گئے جو وادئ جودی ہے' حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی نافرمان تھی اس کی ہلاکت کی بھی قرآن حکیم نے دی ہے' یہ کس طرح ہلاک ہوئی اس کی صراحت نہیں کی گئی۔

قرآن میں ارشاد ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○

(سورۃ التحریم 10)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں کیلئے نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں ہمارے صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں' سو ان دونوں عورتوں نے دونوں بندوں کا حق ضائع کیا وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں ان کے ذرا کام نہ آ سکے اور ان دونوں عورتوں کو حکم ہو گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ''۔

بائبل کے عہد عتیق کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی جب چھ سو سال کی عمر تھی تب آیا تھا ممکن ہے کہ ان کا یہ کافرہ زوجہ طوفان نوح سے پہلے ہی ہلاک ہو چکے ہو۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پانی کا ابلنا اور آسمان سے شدت کے ساتھ برسنا

موقوف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام پر وحی نازل فرمائیے

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

(سورۂ ہود 48)

ترجمہ: حکم ہوا! اے نوح علیہ السلام اتر جا' ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں' تجھ پر اور ان گروہوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور کچھ گروہ ایسے بھی ہیں جن کو ہم کچھ مدت سامانِ زندگی بخشیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

اور یہ دردناک عذاب ان گروہوں سے پھیلی ہوئی امتوں کو دیکھنا پڑا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد معاشرے میں شر و فساد اور خداوند تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کے شیوع کا باعث بنیں انہی امتوں کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی امتوں کی تخصیص کے ساتھ کیا گیا۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ ۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ (سورۂ بنی اسرائیل 17)

ترجمہ: اور ہم نے بہت سی امتوں کو نوح (علیہ السلام) کے بعد ہلاک کیا گیا۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ○ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ○ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ○ (سورۂ الحج 42-44)

ترجمہ: اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور مدین والے بھی اپنے اپنے انبیاء کی تکذیب کر چکے ہیں اور موسیٰ کو بھی (قبطیوں کی طرف سے) کاذب قرار دیا گیا تھا' میں نے ان کافروں کو کچھ مدت

مہلت دی پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو میرا عذاب (ان پر) کیسا ہوا"۔

سورۂ ق میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ قوموں کے ساتھ کچھ اور اقوام معذبہ کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ (سورۂ ق 12-14)

ترجمہ: اس سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں یعنی سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا یا سو میری وعید ان پر محقق ہو گئی۔

یہ قومیں کہاں کہاں آباد تھیں۔ ان کا زمانہ کونسا تھا' ان کے کفر و نافرمانی کا انداز کیا تھا' عذاب الٰہی نے کس طرح ان کو پکڑا ان سب کی تصریح و تشریح میں آئندہ صفحات میں کروں گا۔ یہاں مجھے ان قوموں کی نسبت سب سے پہلے یہ بتانا ہے کہ ان قوموں کا سلسلہ نسب کیا ہے یعنی ہر ایک قوم کے بارے میں کچھ عرض کروں گا! ایک امر خاص پیش نظر رہے کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں اقوام معذبہ کا تذکرہ ہے اس کو قوم نوح علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے' حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک جو قرنیں حیاتِ انسانی پر گزری ہیں ان کا ذکر نہیں کیا گیا اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد عظیم ترین مفسدِ قوم حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھی' اس مفسدِ قوم نے اعتبار سے معاشرہ کو تباہ کر دیا تھا۔ بت پرستی ان کا شعار تھا۔ ان کے یہ جھوٹے اور ہاتھوں سے گڑھے ہوئے معبود ایک دو نہیں متعدد تھے تمام قوم فسق و فجور میں مبتلا تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام قرنوں ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے اور کامیاب نہ ہوئے آخر کار ان کی تباہی اور بربادی کے لئے بددعا کرنا پڑی کہ پروردگار روئے زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑنا' یقیناً روئے زمین پر آباد تمام کافر طوفان نوح علیہ السلام نے

روئے زمین سے ملیا میٹ کر دیئے صرف وہی لوگ زندہ سلامت زمین پر اترے جو حضرت نوح علیہ السلام کیساتھ تھے یہ گروہ عراق کی سرزمین سے نکل کر ملحقہ زمین پر جا کر آباد ہو گئے اور ان سے ہی متعدد متعدد قریئے اور شہر آباد ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے قبل کے زمانے کی کوئی تاریخ سوائے قرآن اور بائبل کا نہیں ہے اس لئے ان الہامی کتابوں کے بیانات کے سوائے ہمارے پاس حصول معلومات کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اور بائبل میں جس طرح تحریف کی گئی ہے اس سے ہر کہ وہ آگاہ ہے!

حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ کس قدر افراد تھے اس سلسلے میں میں اختلاف آراء ہے قرآن حکیم نے آپ کے اہل خاندان کے علاوہ چند گروہ ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ اس سے قبل میں حوالہ پیش کر چکا ہوں۔

ہمارے قدیم مؤرخین میں مسعودی کی حیثیت مسلمہ ہے ان کو امام المؤرخین کہا جاتا ہے وہ مروج الذہب کی جلد اوّل میں ہمراہیاں نوح علیہ السلام کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں آپ کے تین بیٹے سام' حام اور یافت اور تینوں کی بیویاں تھیں' ان کی علاوہ چالیس مرد تھے اور یہ سب جودی پہاڑ کی چوٹی پر کشتی سے اترے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی' اس آبادی کا نام ''ثمانین'' اس وجہ سے پڑا جو آج تک چلا آ رہا ہے کہ وہاں کچھ عرصہ بعد صرف اسی افراد باقی رہ گئے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے مذکورہ بالا تینوں بیٹوں کی اولاد میں تھے......نوح علیہ السلام کے مذکورہ بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹا اور تھا جس سے آپ نے فرمایا تھا کہ اے بیٹے! کشتی میں ہمارے ساتھ سوار ہو جا' حضرت نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کا نام یام تھا[1]

[1] اس نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کیا اور کہا میں پہاڑ پر چڑھ کر محفوظ رہوں گا لیکن اسی دم ایک موج آئی اور

اس کو غرق کر دیا۔

''حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں' حام' سام اور یافث میں تینوں خطہ ارضی کو تقسیم کر دیا لیکن حام کو ملعون اور ''عبد غیر'' ٹھہرایا! سام کو مبارک کہا اور یافث کو کثرت اولاد کی دعا دی' توریت میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام مذکورہ بالا طوفان کے بعد 350 سال تک اور زندہ رہے ویسے آپ کی پوری عمر 950 سال ہوئی جبکہ اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہیں''۔ (مروج الذہب جلد اوّل)

جبکہ قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ؕ (سورۂ عنکبوت آیت 14)

ترجمہ: پس وہ نوح علیہ السلام ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے جانشین اور ان کی اولاد کے سلسلے میں قدیم ترین مؤرخ ابوحنیفہ دینوری (م 282ھ) اپنی کتاب 'اخبار الطوال' میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: جب حضرت نوح علیہ السلام فوت ہوئے تو اپنے فرزند سام کو اپنا جانشین چھوڑ گئے سام کے بعد جم بن دیرنجھاں بن ایران پہلا شخص ہے جس نے سلطنت کی داغ بیل ڈالی اور قانون مملکت استوار کیا۔

اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے تین فرزندوں' سام' حام اور یافث کے سوا باقی نجات پانے والے رفقائے سفینہ کو اولاد عطا نہ کی نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا جس کا نام یام تھا۔ غریق طوفان ہو گیا اس نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی باقی تینوں نے اولاد چھوڑی حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کا سلسلہ سام کی تحویل میں آیا۔

(اخبار الطوال ترجمہ: پروفیسر محمد منور)

سام ابن نوح علیہ السلام کی نسل کے سلسلے میں ابوحنیفہ دینوری اس طرح صراحت

کرتے ہیں اور اس تصریح سے امم مہلوکہ کا پتہ چلتا ہے اور یہ ان کہ ان اقوام کا مورث اعلیٰ کون ہے' یہ اقوام کسی ایک اصل کی فروع ہیں یا ان فروع یا اقوام کے چند مورثین اعلیٰ ہیں علامہ دینوری رقم طراز ہیں۔

''کہا جاتا ہے کہ عہد جم میں بابل کے اندر زبانیں گڑ بڑائیں' زبانوں میں اختلاف پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ وہاں حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد بہت پھیل گئی تل دھرنے کی جگہ نہ رہی وہ سب سریانی بولتے تھے یہی حضرت نوح علیہ السلام کی زبان تھی اب جو وہ لوگ ایک صبح جاگے تو پتہ لا کہ زبانیں گڑ بڑائی ہوئی ہیں الفاظ میں تبدیلی رونما ہو چکی ہے' چنانچہ وہ ایک دوسرے سے الجھنے لگ پڑے ہر گروہ نے ایک الگ بولی بولنا شروع کر دی اور وہی ان کی نسلوں میں آج تک رائج ہے۔

آخر وہ لوگ سرزمین بابل سے نکل گئے جس گروہ کا جدھر کو منہ اٹھا ادھر کو چل دیا سب سے پہلے یافث بن نوح کے ساتھ بیٹے نکلے اور وہ تھے' ترک' خزر' سقلاب' تاریس' منسلک' کماری اور چین' انہوں نے مشرق وشمال کے علاقوں پر قبضہ کر لیا ان کے جام حام بن نوح کے بیٹے روانہ ہوئے وہ بھی سات تھے' سند' ہند' زنج' قبط' حبش' زبہ اور کنعان' یہ غرب وجنوب کے منطقوں پر چھا گئے البتہ سام بن نوح اپنے چچازاد بادشاہ جم کی معیت میں تبدیلی زبان کے باوصف بابل ہی میں مقیم رہے۔

نسل سام:

سام بن نوح علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ارم اور یہ سب سے بڑا تھا' ارفخشر' عالم' الیفر اور اسور'..... فرزندانِ ارم سات بھائی تھے۔

عاد' ثمود' صحار' طسم' جدیس' جاسم' وبار' عاد اپنے جتھے کے ہمراہ نکل کے سرزمین یمن میں جا بسا' ثمود بن ارم نے حجاز سے شام تک کے علاقہ میں ڈیرہ ڈال دیا' طسم بن ارم عمان و بحرین میں فروکش ہوا' جدیسن بن ارم یمامہ میں بس گیا۔ صحار نے طائف سے لے کر طے کی دو پہاڑیوں تک کے علاقے میں بسیرا اختیار کیا۔ جاسم نے حرم سے لے کر

سفوان تک کے علاقے کو مسکن ٹھہرایا اور وبار بن ارم ریگستان کے باہر ان اضلاع میں جا
مقیم ہوا جو وبار کے نام سے مشہور ہیں اس طرح یہ قدیم عرب...... ایک دوسرے سے
کٹ کر رہ گئے۔

ترجمہ: اخبارالطواف دینوری

ترجمہ از پروفیسر محمد منور

علامہ دینوری نے نوح علیہ السلام کی اولاد پر دنیا کے اکثر خطے میں تقسیم کر دیئے
ہیں اور یہ ظاہر کیا ہے کہ اس طرح نوح علیہ السلام کی اولاد سے دنیا کے بیشتر علاقے آباد
ہوئے اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ نسل بڑھتی چلی گئی اور ان سے مملکتیں قائم ہوئیں۔
دینوری کے بیان کو بعد کے مؤرخین نے من وعن تسلیم نہیں کیا ہے عظیم مؤرخ ابن
ہشام ان سے متقدم ہے اگر چہ وہ بھی تیسری صدی ہجری کا علاہم دینوری کی طرح ایک
دیدہ ور مؤرخ ہے لیکن بایں ہمہ دینوری پر تقدم زمانی رکھتا ہے السیرۃ النبویہ میں ابن
ہشام نے قدیم تاریخ پر روشنی ڈالی ہے لیکن اس سلسلہ میں بہت ہی اختصار سے کام لیا۔
لیکن اس سلسلہ میں بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے چونکہ ان کا موضوع سیرۃ النبی صلی
اللہ علیہ وسلم تھا اس لئے وہ اس موضوع پر صرف اشارے کرتے ہوئے گزر گئے ہیں
صرف سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان
کے اجداد کا ذکر کیا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور
حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ نسب کو پیش کیا ہے
اور کہا ہے:

وتارك ذكر غيرهم من ولد اسماعيل على هذه الجهة
للاختصار الى حديث سيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم

اس بناء پر ابن ہشام کے یہاں اس تاریخی دور سے متعلق کچھ مواد نہیں ہے البتہ
شارح ومفسر سیرۃ ابن ہشام یعنی امام الفقیہ المحدث عبدالرحمن بن احمد السہیلی نے روضۃ

الانف میں کچھ تشریح کی وہ ہے لیکن اس تشریح سے تاریخی سلسلے کے کارآمد تارو پود مرتب نہیں ہو سکتے!

طبری کے یہاں اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل ہے اور علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخ حصہ تاریخ الانبیاء میں (جو دو حصوں پر مشتمل ہے) اس سلسلہ میں کھل کر لکھا ہے۔

اقوام مقہور کے محل وقوع' ان کی تہذیب اور ان کی معاشرت سے آگاہی کے لئے قدیم تاریخوں کی ورق گردانی بہت ہی کرنی پڑی ابن خلدون کی تاریخ الانبیاء سے جو ایک مستند ماخذ ہے بہت ہی اختصار کے ساتھ کچھ حقائق پیش کر رہا ہوں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝

قوم نوح علیہ السلام کے اقوال اور اس کی بت پرستی کا حال مختصراً آپ کے مطالعے سے گزر چکا ہے اصحاب الرس' ثمود عاد و اخوان لوط' اصحاب الایکہ اور قوم تبع کے حالات مختصراً سلسلہ کلام کو مربوط رکھنے کیلئے معرض بیان میں لا رہا ہوں۔

آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ سام' حام اور یافث کی نسلیں بہت سے علاقوں میں پھیل گئیں اور یہ علاقے جو رفتہ رفتہ وسیع سے وسیع تر ہو گئے ان ہی میں سربراہان قوم کے نام سے موسوم ہو گئے آج بیشتر جن ممالک کا نام ہم لیتے ہیں اور تاریخوں میں ان کے جغرافیائی یا تمدنی حالات نام بنام مذکور ہیں' حضرت علیہ السلام کی اولاد ہی کے نام ہیں جس فرد نے جس علاقے میں مستقلاً قیام کیا اور اس کی نسل بڑھی اور پھیلی اسی فرد کے نام سے (جو سربراہ قوم تھا) وہ علاقہ شہر یا ملک اس کے نام سے موسوم ہو گیا۔

وہ سرزمین جہاں بنی سام' بنی حام سے لڑ جھگڑ کر بابل سے ترک وطن کر کے آباد ہوئے عرب کہلاتی ہے' یہ سرزمین اپنی طویل حدود کے باعث ایک عظیم جزیرہ نما ہے' جس

کے مشرق میں خلیج فارس

مغرب میں بحر احمر

شمال میں فلسطین وملک شام

جنوب میں بحر عرب واقع ہیں۔

سرزمین عرب میں آباد ہونے وال قدیم قوموں کو چار طبقات میں تقسیم کیا گیا۔

عرب عاربہ' عرب مستعربہ' عرب تابع' عرب مستعجمہ

عرب عاربہ اس کو عرب بادیہ (ہالکہ) بھی کہتے ہیں' عرب بادیہ یا عرب ہالکہ کہنے کی وجہ سے یہ ہے کہ اب دنیا میں ان کی نسل سے کوئی گروہ یا طبقہ نہیں ہے۔

عرب عاربہ کی بہت سی شاخیں ہیں ان میں ایلم' جدلیس' عبد ضخم' حضور عاد اولیٰ' ثمود عمالقہ' طسم' امیم' جرہم اور حضر موت ہیں اور یہ تمام قومیں لاوذ ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' یہ عرب کی قدیم خانہ بدوش قومیں تھیں جن کا ایک جگہ مستقر و مقام نہیں تھا۔ ان اقوام عاربہ میں مشیت ایزدی سے متعدد و انبیائے کرام مبعوث ہوئے۔

عرب مستعربہ! یہ عظیم قوم عرب عاربہ سے نسباً بھی قرب رکھتی ہے اور زمانا بھی اس کو عرب عاربہ سے قرب حاصل ہے۔ اس قوم نے بھی خوب ترقی کی دولت' حکومت اور دنیاوی عزب اس کو حاصل تھی قوم حمیر اور بنی کہلان اسی قوم کے دو عظیم خاندان تھے' قوت اور شکوہ دنیوی نے ان کا بھرپور ساتھ دیا اور اسی قوم نے عرب عاربہ کو مغلوب کر کے ان کی دولت وحکومت کے طمطراق کو اس طرح مٹا دیا کہ اب ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے جرہم کا قبیلہ جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے نشوونما پائی اسی عرب مستعربہ کی ' ایک نامور قوم تھی جرہم کا اصل وطن یمن تھا' اس قوم میں شکوہ سلطانی نے بڑا فروغ پایا اس قوم کے ہر بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا اور قحطان کے عظیم اور طاقتور قبیلے نے اس کی شان و شوکت کو بڑا فروغ بخشا' عرب تبع یا تابعہ' عابر ابن شالخ ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح

علیہ السلام کی نسل ہے گویا یہ بھی عابر یہ ہیں۔

عرب تابعہ: عرب تابعہ بحیثیت ایک عظیم قوم کے جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ قدیم میں پہچانے جاتے ہیں اگرچہ ان کا سلسلہ جرہم سے ملتا ہے لیکن حقیقت میں اس قوم کے مورث اعلیٰ حضرت اسماعیل ہیں جنہوں نے عرب مستعربہ کے قبیلہ جرہم میں پرورش پائی اور اسی خاندان کے سردار مفاض کی حبیبہ سے آپ کی شادی ہوئی اس قوم کی آئندہ نسلوں نے سرزمین عرب میں بڑا فروغ حاصل کیا' اس کا یعنی عرب تابعہ کا سلسلہ نسب کا تعلق فالخ ابن عام ابن شالخ بن ارفخشد ابن سام ابن نوح (علیہ السلام) سے ہے یعنی عرب مستعربہ کی طرح یہ بھی سامی ہیں چوتھا طریقہ عرب مستعجمہ ہے جو درحقیقت طبقہ ثالثہ یعنی عرب کی اولاد سے ہے اور اسی قوم کو یہ فخر حاصل ہے کہ نبی آخرالزمان سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی قوم کے ایک نامور خاندان قریش کی ایک شاخ بنو ہاشم میں ظہور ہوا اور عرب کو کفر والحاد کی تاریکی سے نکال کر ایمان کے پرنور راستہ پر گامزن بنا دیا ہے۔

علامہ ابن خلدون ان چار طبقات کا ذکر کر کے کہتے ہیں کہ

''عرب تاریخی حالات کے اعتبار سے چار طبقوں پر تسقیم ہیں ورنہ بلحاظ زبان عرب کے دو ہی طبقے مشہور ہیں ایک عرب عاربہ اور دوسرا عرب مستعربہ''۔

عرب عاربہ کا نسب
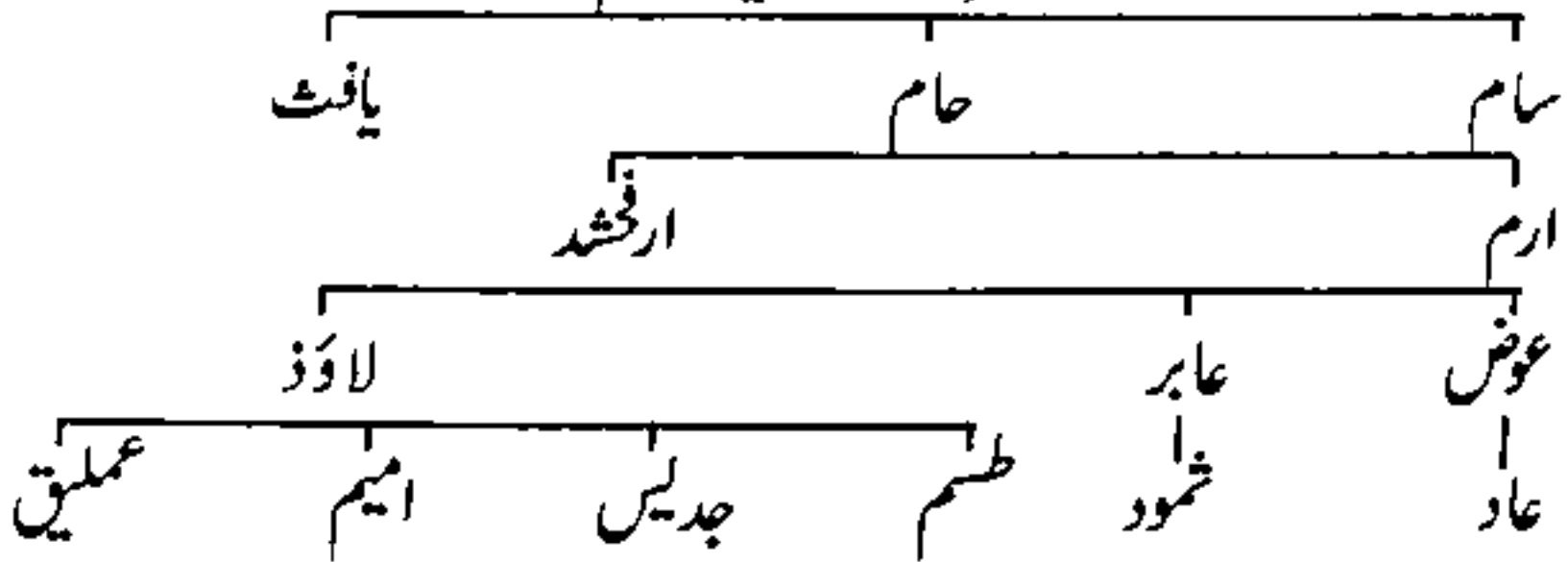
عاد وثمود ڈ جیسی اقوام معذبہ کے سلسلے میں چونکہ قوم عاد وثمود کا تفصیلی ذکر کرنا ہوں اس لئے ارم کی اولاد سے عاد وثمود کا ذکر اوّلا کیا جائے گا سام کی یہ نسل حضر موت (احقاف) عمان اور احقاف میں پھیلی ہوئی تھی اور جب یہ اپنے اعمل وافعال بد کے باعث تباہی کے کنارے آ لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو جو اسی قوم سے تھے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ثمود بن عابر بن ارم بن سام شام وحجاز کے درمیانی خطہ ارضی میں آباد ہوئے۔ اوران کی بداعمالیوں جب حد سے بڑھ گئیں تو ان ہی سے ایک پاک سرشت اور پاکیزہ کردار شخصیت یعنی حضرت صالح کو مبعوث کیا گیا یہاں اولاد سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے انہی دو طاقتور قوموں یعنی عاد وثمود کا ذکر کیا جائے گا اوّلین اقوام معذبہ یہی ہیں۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ○

قومِ عاد

یہ قوم جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان ہوا ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل
ے تھی اور یہی وہ قوم ہے جس نے عرب کی سرزمین میں باقاعدہ حکمرانی کی۔ علامہ ابن
دون کہتے ہیں:

> سب سے پہلے عرب کا جو بادشاہ ہوا وہ عاد بن عوص بن ارم بن سام تھا اس کی قوم ارض احقاف میں بسی اور عمان اور حضر موت میں رہتی تھی...... بارہ سو برس کی عمر پائی' بیہقی روایت کرتے ہیں کہ اس کی عمر صرف تین سو برس ہوئی۔

عاد بن عوص کے بعد اس کے تین لڑکے شداد' شدید اور ارم یکے بعد دیگرے حکومت
رتے رہے' مسعودی کا بھی یہی خیال ہے کہ شداد عاد کے بعد بادشاہ ہوا اور ممالک شام
عراق و ہند کو اس نے فتح کیا! اسی شداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک
اندار باغ بنوایا تھا لیکن عذاب الٰہی نے اس شان و شوکت اور سطوت کو ملیامیٹ کر کے
کھ دیا جیسا کہ سورۃ النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اَنَّـهٗ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ○ وَ ثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْـقٰى ○

(سورۃ النجم 50-51)

ترجمہ: ''اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا اور ثمود کو (قوم) ایسا مٹایا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا''۔

ا عاد نے بھی اپنے پیغمبر کو جھٹلایا سو اس کا قصہ سنو! کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہو (سورۃ القمر آیت 18)

یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ ثمود کے سلسلے میں تو واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ ان میں کوئی باقی نہیں بچا البتہ قوم عاد سے وہ لوگ بچ گئے تھے جو صاحبانِ ایمان تھے ان میں نیک بندوں سے جو نسل پھیلی وہ عاد اخری یا عاد ثانیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

اسی قوم عاد میں ان کی اصلاح اور ان کے بگڑے ہوئے نظام تمدن' معاشرے کی تطہیر اور درستی کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

نوح علیہ السلام

سام

└ ارم

└ عوص

└ عاد (عاد اکبر)

└ خلود

└ رباح

└ عبداللہ

└ حضرت ہود علیہ السلام

اس طرح آپ کا نسب آٹھویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے جبکہ بعض مؤرخین نے سعودی کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے کیا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کا نسب پانچویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام سے مل جاتا ہے وہ سلسلہ نسب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

└ سام

└ ارفخشد

└ شالخ

└ عابر

حضرت ہود علیہ السلام یا عیبر

علامہ ابن خلدون نے دونوں نسب پیش کر دیئے ہیں اور خود کوئی محققانہ فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن اکثر مؤرخین نے دوسرے سلسلہ نسب ہی کو تسلیم کیا ہے ابوحنیفہ دینوری اخبار الطوال میں لکھتے ہیں:

''شدید بن عملیق کے بعد اس کا بھائی شداد بن عملیق بن عاد بن سام جب بادشاہ ہوا تو ظلم اور بربادی پر کمر باندھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود کو اس کی طرف رسول بنا کر بھیجا' ہود علیہ السلام کا تعلق نسبی شداد ہی کی قوم سے ملتا ہے''۔

جبکہ علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں:

''ارم بن سام کی اولاد میں عاد بن عوص بن ارم بن سام ہوئے ہیں۔ جبکہ وہ رمل (احقاف) کے مضافات میں مقیم تھے تو ان ہی میں اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا''۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''کچھ عرصے بعد شامت اعمال سے جب اس قوم (عاد) سے اقبال نے اپنا منہ پھیرنا چاہا تو ان میں بت پرستی پھیلنے لگی رفتہ رفتہ بت پرستی اتنی عام ہوگئی کہ ہر کہ وہ لکڑی اور پتھروں کے بتوں کی پرستش کرنے لگا' معبود حقیقی کو بالکل بھلا دیا' اپنی قوت اور توانائی پر ایسے نازاں ہوئے کہ سمجھانے سے بھی سمجھنے کی امید ان سے نہیں ہوتی تھی۔

''اللہ جل شانہ نے ان ہی سے ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد کو

نبوت عطا فرمائی بعض نسابین نے ہود کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے
کہ ہودؑ عابر کے بیٹے تھے اور عابر شالخ کے اور شالخ ارفخشد ابن سام کے
بیٹے تھے' میں نے نسابین کے اختلافی شجرے پیش کر دیئے ہیں''۔

نسب پر مزید گفتگو میرے موضوع سے خارج ہے' بہر حال یہ مسلمہ امر ہے کہ آپ ارم بن سام کی اولاد سے تھے اور اس سلسلے میں نسابین اور مؤرخین کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو گروہ طوفان کی تباہی و بربادی سے مصون و مامون رہا تھا ان میں قوم عاد کے مورثانِ اعلیٰ بھی تھے' حضرت نوح علیہ السلام کے بعد یہ گروہ اتنا طاقتور ہو گیا اور ان کی نسل اس قدر افزائش ہوئی کہ ملوکیت کی بنیاد اس قوم میں پڑ گئی چنانچہ سب سے پہلے عرب کی سرزمین میں جو تخت شاہی پر متمکن ہوا وہ عاد بن عوص بن ارم بن سام تھا۔

عاد بن عوص کے بعد اس کے تین بیٹے شداد اور ارم (ثانی) یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے' شداد نے سلطنت عاد کو بڑی وسعت دی اور اس نے شام و عراق و ہندو کو بھی فتح کر لیا' عادی کی قوم ارض احقاف میں یمن و عمان اور حضر موت کے درمیانی علاقوں میں تمدنی زندگی کو فروغ دیتی رہی' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بچ رہنے والی نسل انسانی اور اس کے مستقبل کے بارے میں اس طرح پیشگوئی فرماوی تھی۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(سورۂ ہود آیت 48)

چنانچہ قوم عاد کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور کچھ مدت تک بڑے طمطراق سے زندگی بسر کرتے رہے قوم عاد کو اس حکمرانی کے بارے میں یاد دلایا گیا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (سورۂ الاعراف 69)

ترجمہ: ''قوم عاد کے لوگو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے قوم نوح

(کی تباہی) کے بعد خلافت (حکومت) تم کو عطا فرمائی۔

لیکن اس شان وشکوہ نے ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرائی بندگان خدا کی فوز و فلاح اور معاشرے کی پرسکون زندگی کو انہوں نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا اور بہت جلد اس نافرمانی اور فساد فی الارض کی سزا کو اس طرح ملی کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والی جماعت کے علاوہ اس قوم کو اور اس کے طمطراق اور شان وشوکت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا حالانکہ یہ وہی قوم تھی جس کی شان وشکوہ کو اس طرح بیان بیان فرمایا گیا تھا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ○

اللہ تعالیٰ نے عاد کو جو شان وشوکت عطا فرمائی تھی اس کے بل پر یہ نافرمان قوم دعویٰ کبر ونخوت کرنے لگی اور من اشد منا قوۃ روئے زمین پر ہم سے زیادہ طاقتور اور کون ہے!......فن تعمیر میں ان کو کمال حاصل تھا قوم عاد نے بڑی پرشکوہ عمارتیں جو فن تعمیر اور سنگ تراشی کا شاہکار میں تعمیر کی تھی۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ○ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ○ (سورۃ الشعراء آیت 129)

ترجمہ: ’’اے عاد والو! تم ہر بلند مقام پر یادگاریں اور کاریگری کے ساتھ مکان بناتے ہو شاید تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے‘‘۔

قوم عاد کے یہی بلند و بالا مکانات اور شاندار عمارتیں تھیں جو ان کی نافرمانی کے بعد برباد کر دی گئیں اور وہ دیکھنے والوں کے لئے آج ایک درس عبرت ہیں۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ

(سورۃ العنکبوت 38)

ترجمہ: ’’اور عاد ثمود کو ہم نے ہلاک کیا‘ تم وہ مقامات دیکھ چکے ہو جہاں وہ رہتے تھے‘‘۔

قوم عاد کی سرزمین:

قوم عاد کا اصل مرکز احقاف کا علاقہ تھا اور اسی علاقہ میں حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کی اصلاح کی آواز بلند فرمائی۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (سورۃ الاحقاف 21)

ترجمہ: ذرا ان کو عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کا واقعہ سناؤ جبکہ اس نے احقاف میں اپنی قوم کو خبردار کیا تھا"۔

احقاف کا علاقہ عظیم ریگزار عرب یعنی الربع الخالی کے جنوبی مغربی حصے کا نام ہے آج یہاں آبادی کا نام ونشان تک نہیں ہے عاد کا مرکز علاقہ یہی احقاف تھا ہزاروں برس پہلے یہی ریگزار ایک شاداب اور سرسبز علاقہ تھا جہاں ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقتور قوم آباد تھی۔

بعض قدیم سیرت نگار جیسے ابن اسحٰق اور دوسرے قدیم مورخین کہتے ہیں کہ عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ مرکز سے نکل کر دور دراز تک پھیل گئے جنوبی عرب کے باشندے آج بھی یہی کہتے ہیں کہ عاد اسی علاقے اسی علاقے میں موجود بتایا جاتا ہے کہ موجودہ شہر مکلا سے 125 میل دور شمال کی سمت میں حضر موت میں ایک مقام ہے وہاں ایک مزار ہے جو قبر ہود (علیہ السلام) کے نام سے مشہور ہے اور ہر سال 15 شعبان کو یہاں عظیم اجتماع ہوتا ہے۔ (ماخوذ)

جب اس بساطوت قوم کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں اور ہر طرف فساد پھوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا اور انہوں نے قوم سے اس طرح خطاب فرمایا۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (سورہ الاعراف 65)

ترجمہ: اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم) ہود (علیہ السلام) کو

بھیجا' اس نے کہا کے اے برادران قوم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے کیا تم غلط روی سے پرہیز نہیں کرو گے۔''

اس آیت کریمہ کے بعد اس قوم کا قصہ قرآنِ حکیم ہی کے الفاظ میں مطالعہ کیجئے حضرت ہود علیہ السلام کا خطاب تو پوری قوم سے تھا لیکن اس کا جواب دیا ان چند سرکش سرداروں نے جن کی سطوت نے تمام قوم کو مغلوب بنا رکھا تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ○ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (سورۃ الاعراف آیت 66-69)

ترجمہ: اس کی قوم کے نافرمان سرکش سرداروں نے جواب میں کہا: (اے ہود!) ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں اور ہم گمان کرتے ہیں تم جھوٹے ہو۔ اس نے کہا: اے برادران قوم میں بے عقلی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں تم کو اپنے ربّ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے''۔

کیا تم کو اسی بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس ہی قوم کے ایک شخص کے ذریعہ سے تمہارے ربّ کی یاددہانی آئی تاکہ وہ تم کو خبردار کرے (ڈرائے) اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح (علیہ السلام) کا جانشین کیا اور تم کو خلق میں وسعت عطا کی پس اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو ایک ایک کر کے بیان کیا اور

شکرگزاری کی ترغیب دی! قرآن میں ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ○ اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ○ وَجَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ○ (سورۂ الشعراء آیت 132-134)

ترجمہ: اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی معاش اور بیٹوں' باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی (یہ نعمتیں تم کو عطا کیں) تو اگر تمہاری سرکشی' نافرمانی اور شرک کا یہی عالم رہا تو

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ (سورۂ الشعراء 135)

ترجمہ: مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے' نافرمان اور سرکش قوم نے کہا''

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (سورۂ الاعراف آیت 70)

ترجمہ: اگر تم سچے ہو تو جس سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ۔

اسی جواب کا سورۂ احقاف میں بھی اعادہ کیا گیا ہے۔

اس نافرمان قوم نے اپنی تباہی کو خود دعوت دی' اپنی شان وشوکت کے زعم میں عذاب الٰہی کو بھولے بیٹھے تھے اور ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ان کا نعرہ تھا۔ مشیت الٰہی کا یہ قانون جاری وساری ہے کہ مفسد و نافرمان قوم میں پہلے اصلاح کار کے لئے ایک پیغمبر مبعوث ہے جو اصلاح کے ہر ممکنہ پہلو کو اختیار کرتا ہے نیک و بد سمجھاتا ہے۔

وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُهْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا کُنَّا مُهْلِکِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○

(سورۂ القصص 59)

لیکن ان کی بدبختی اس اصلاح کو قبول نہیں کرتی کفر و نافرمانی سے سوائے چند نیک بندوں کے اور کوئی باز نہیں آتا' جب کوئی قوم عذاب کو اس طرح خود طلب کرتی ہے تو پھر

عذاب الٰہی اس پر اس طرح ٹوٹتا ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہیں چھوڑتا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا وہ کچھ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے ساتھ ہوا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ

(سورۃ الاعراف آیت 71)

ترجمہ: ضرور تم پر تمہارے ربّ کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔

اور یہ بھی اتمام حجت کے لئے فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ؕ (سورۃ ہود 57)

ترجمہ: ''پس اگر تم نے ایمان سے اعراض کیا اور جو احکام میں تمہاری طرف لایا ہوں انہیں قبول نہ کیا تو اللہ تمہیں ہلاک کرے گا اور بجائے تمہارے ایک دوسری قوم کو تمہارے دیار و اموال کا والی بنائے گا''۔

اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (سورۃ الاحقاف 21)

''بیشک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے''۔

لیکن اس آخری حجت کے اظہار نے بھی ان پر کچھ اثر نہیں کیا اور وہ اسی طرح کجروی پر قائم رہے اور سرکشی وطغیانی سے تمدن اور معاشرے کو اپنی بت پرستی شوہر پشتی انانیت ورزعم قوت وسطوت سے تباہی کے کنارے لگا دیا۔

اس وقت مشیت الٰہی نے اس مغرور اور سرکش قوم کے بجائے ایک دوسری قوم کا انتخاب فرمالیا اور اس ناہنجار اور نافرمان قوم کو ہوا اور ریگ کے طوفان سے اس طرح مٹا دیا گویا کہ اس کا کوئی وجود نہیں تھا' اس طوفان بادِ صرصر کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ (سورۃ حٰم السجدہ 16)

اس ہولناک اور تباہی کن طوفان اور قوم عاد کی عبرت خیز بربادی کی صراحت اس طرح فرمائی ہے یہ طوفان اوّلاً ایک بادل کی شکل میں نمودار ہوا' کئی سال سے اس علاقے میں بارش نہیں ہوئی تھی نادان یہ سمجھے کہ اب خوب بارش ہوگی لیکن وہ بادل ان کے لئے تباہی کا پیغام تھا۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ ۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ

(سورۃ الاحقاف آیت 24-25)

یہ عذاب اس نافرمان قوم پر کئی روز تک جاری رہا آج بھی سرزمین احقاف میں جب بادِ صرصر چلتی ہے تو سفید سفوف جیسے باریک ریت کے پہاڑ ادھر سے ادھر اڑتے ہیں اور چند لمحات میں زندگی کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں جاندار اس ریت میں دھنس کر ذرا سی دیر میں ریزے ریزے ہو کر گل جاتے ہیں' اور وہ بادِ صرصر تو عذاب الٰہی تھا اس کی تباہ خیزی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا' یہ عذاب کئی روز تک جاری رہا۔

اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ○

(سورۃ الحاقہ آیت 6 تا 8)

اس ہوا کی تباہی کاری نے قوم عاد کو جس انجام سے دوچار کیا اس کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے۔

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ۝ (سورۃ الذریت' آیت 41-42)

سابقہ آیات سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ عذاب بادِصرصر سات رات اور آٹھ دن تک جاری رہا (یعنی آٹھویں رات آنے نہیں پائی تھی کہ عذاب اٹھ گیا) اور اس نے تمام قوم کو ملیا میٹ کر دیا اور ان کی لاشوں اور ہڈیوں کو پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا اور اس طرح وہ نافرمان قوم ہلاک ہوگئی۔ جو عادِ اولیٰ کے نام سے تاریخ کے صفحات پر مذکور ہے۔ قرآن حکیم میں ان کی ہلاکت کو وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا نِ الْاُوْلٰی فرما کر بیان کیا ہے۔

ان کی ہلاکت جس طرح واقع ہوئی اس کی تفصیل کو مذکورہ بالا آیات میں بیان فرما دیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے جن قوموں پر عذاب نازل کئے ان قوموں میں مؤمنین اور اس قوم کے ہادی کو محفوظ رکھا جس طرح طوفانِ آب سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے مؤمنین کو اس عذاب سے بچا لیا تھا' اسی طرح اس عذاب بادِصرصر سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے تھے مصون و مامون رکھا۔ اس تحفظ و امان کی خبر اس طرح دی گئی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ۝ (سورۃ ہود آیت 58)

ترجمہ: اور جب ہمارا حکم عذاب پہنچا تو ہم ہود کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو ہم نے (اپنی رحمت سے) بچا لیا اور (اس طرح) ان کو ایک سخت عذاب سے بچایا۔ اور عاد بن ارم کی نسل کے لوگ جس کی شان و شکوہ کو قرآن حکیم نے اس طرح فرمایا تھا۔

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ۝ (سورۃ الفجر آیت 8)

اپنی نافرمانی اور فساد فی الارض کی پاداش میں دنیا سے اس طرح مٹا دیئے گئے کہ

صرف تاریخ کے اوراق پر ان کی نافرمانیوں کی داستان باقی رہ گئی اور یہ عظیم الشان قوم جو ذات العماد تھی اور جس نے عرب کی سرزمین میں باہر سے آ کر ایک شاندار تمدن اور تہذیب کو پروان چڑھایا تھا بادِ صرصر کے تیز وتند جھکڑوں کی تاب نہ لا کر عظیم ریگزار احقاف میں دفن ہوگئی۔

عاد اور ارم کے سلسلہ میں مؤرخین قدیم نے بہت کچھ داستان طرازی کی ہے خصوصاً ارم کو ایک جنت قرار دے کر خیال آرائیوں کے حاشیے چڑھائے ہیں اور ان کی تردید وتغلیط میرا موضوع نہیں ہے' محققین عصر نے شوہد اثری کے حوالے سے ان خیال آرائیوں کی تردید کی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مؤمنین ساتھیوں کو نجات کس طرح ملی ہے اس کی تفصیل سے تاریخ خاموش ہے صرف یہ کہا گیا ہے کہ نزول عذاب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام بحکم الٰہی مؤمنین کی جماعت کو ساتھ لے کر کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے تھے۔

نافرمان قوم عاد کی تباہی کے بعد اقتدار وحکومت بنی لقمان میں منتقل ہوگیا اور ان نسلوں نے ہزار برس سے زیادہ مدت تک حکومت کی' حضرت ہود علیہ السلام نے 150 سال کی عمر پائی اور جیسا کہ مشہور ہے آپ سرزمین احقاف ہی میں دفن ہوئے جہاں آج بھی آپ کا مزار موجود ہے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ یہاں عذاب کے بعد پھر کب واپس آئے' حضرت ہود علیہ السلام اور قوم ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان ایک طویل زمانہ ایسا پایا جاتا ہے جس میں کسی پیغمبر کی بعثت کو قرآن حکیم نے ظاہر نہیں فرمایا ہے' قوم عاد اور اس کی فتنہ سامانیوں کی ایک طویل روئیداد تاریخ میں موجود ہے۔ تمام مؤرخین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ستارہ پرستی' بت پرستی اور ان کا مذہب تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بڑی جنگجو قوم تھی اپنے ہمسایہ ملکوں پر تاخت کرنا ان کا معمول تھا۔ آئے دن ان پر حملے کرتے اور لوٹ مار کر کے اپنی حدود میں واپس آجاتے زور وقوت'

صنعت وحرفت میں کمال اور مادی دولت کی فراوانی نے قوم کی اخلاقی حالت کو بہت بگاڑ دیا تھا' ہر فرد بڑائی کے نشہ میں چور تھا' چنانچہ سمجھانے والا آیا......اس نے سمجھایا......لیکن سمجھ میں نہیں آیا آخر کار نخل خاویہ بن کر دنیا کے لئے ایک نشانِ عبرت چھوڑ گئے۔

نقشہ عرب

سرزمین قوم عادُالاحقاف

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۝

قومِ ثمود

قوم ثمود بھی عاد کی طرح عرب کی قدیم اقوام میں سے ہے' عاد اولیٰ بالکل تباہ ہو گئے اور یہ دنیا سے مٹ جانے والی قوموں میں سے ہے' اس بناء پر اس کو عرب مائدہ کہتے ہیں' آپ پچھلے صفحات میں یہ مطالعہ کر چکے ہیں کہ قومِ عاد سے صرف صالحین و مؤمنین کی جماعت عذاب سے محفوظ رہ گئی تھی وہ لوگ احقاف کے قرب و جوار میں منتقل ہو گئے تھے ان سے کوئی صالح قوم ابھر کر سامنے نہیں آئی۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ قومِ عاد سے صالحین کا جو گروہ عذاب سے محفوظ رہا تھا اور اس سے جو نسل پھیلی اور بڑھی وہی عاد ثانیہ یا ثمود ہے حالانکہ یہ جماعت ارضِ احقاف کے قریب و جوار میں آباد ہو گئی' شام و حجاز میں ان کا وجود کس طرح پایۂ اعتبار کو پہنچ سکتا ہے بہر حال ثمود عرب کی قدیم ترین اقوام میں سے ہے' اور ان اقوام قدیمہ میں سب سے زیادہ مشہور معروف ہے جس طرح قدیم کتبات میں اس کا ذکر موجود ہے اسی طرح قدیم تاریخ' عصر جاہلیت کے اشعار' یونان و روم کے قدیم مورخوں کے یہاں بھی اس قوم کا ذکر موجود ہے' قدیم مؤرخین اسلام میں ابوحنیفہ دینوری' مسعودی' طبری اور علامہ ابن خلدون نے تفصیل کے ساتھ اس قوم کے حالات بیان کئے ہیں۔

ابوحنیفہ دینوری ''اخبار الطوال'' میں لکھتے ہیں۔

''کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود نے قوم عاد کی طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور احکام الٰہی کے خلاف پر کمر بستہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے

سب سے زیادہ معزز اور عالی نسب لوگوں میں سے تھے' انہوں نے قوم کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دی مگر قوم نے ان کی بات نہ مانی اس سے خدائے عزوجل نے ان کو ہلاک کردیا' جیسا کہ اس نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔..............(اخبار الطوال اردو ترجمہ از: مرزا محمد منور صاحب)

علامہ مسعودی مروج الذہب میں ثمود کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی مملکت کے بارے میں لکھتے ہیں:

مساکنِ ثمود:

ہم نے اس سے قبل قوم ثمود اور اس کے نبی صالح (علیہ السلام) کا قدرے ذکر کیا ہے ملک ثمود (ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام) شام وحجاز کے درمیان بحر وحبش کے کنارے واقع تھا' ان کا ایک شہر ''فج ناقہ'' ہے اور ان کے مکانات پہاڑوں کی گھاٹیوں میں اب تک ملتے ہیں ان کی کچھ نشانیاں اب تک باقی ہیں۔

ان کا پہلا حکمران جس نے کم وبیش دو سو سال حکومت کی عابر بن ارم بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) تھا اس کے بعد جندرع بن عمرو بن زبیل بن ارم بن سام بن (علیہ السلام) بادشاہ ہوا اس نے اپنی ہلاکت کے وقت تک 290 سال حکومت کی' قوم ثمود ہی میں حضرت صالح علیہ لاسلام نے توحید الٰہی کی تبلیغ کی تھی یہ قوم اونٹوں والی قوم کہلاتی تھی۔ (مروج الذہب حصہ دوم)

اس کے بعد مسودی نے اونٹنی کے پیدا ہونے اور اس کی ہلاکت اور قوم ثمود کے واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح عام مؤرخین مابعد نے بیان کیا ہے۔

علامہ ابن خلدون کچھ زیادہ تفصیل سے قوم ثمود پر لکھا ہے وہ کہتے ہیں:

''ثمود ابن کاثر (یا جاثر) ابن ارم مقام حجر اور وادیُ القریٰ میں بہت بڑے قبیلے کا مورث اعلیٰ ہے اور اس کا قبیلہ (قوم) اس کے نام سے مشہور ہے (حضرت) صالح

(علیہ السلام) اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ بھی اپنے معاصرین کی طرح طویل القامت اور طویل عمروں والے تھے' پہاڑوں میں بڑے بڑے عالیشان مکانات بنا کر رہتے تھے اٹھارہ مربع میل کے علاقے میں یہ خاندان آباد تھا' دولت' ثروب' قوت' حکمت و دانائی یہ سب کچھ ان کے پاس موجود تھی لیکن پانی کی ایسی کمی تھی کہ وادیٔ القریٰ میں ایک چشمہ کے سوا کوئی دوسرا چشمہ نہیں تھا۔

اس قوم میں عابر ابن ارم ابن ثمود وہ پہلا شخص ہے جس نے خود کو بادشاہ کے لقب سے مشہور کیا اس نے دوسو سال تک حکومت کی اس کے بعد جندح' ابن عمرو ابن دبیل ابن ارم ابن ثمود تین سو سال تک اس قوم پر حکمرانی کرتا رہا' اسی بادشاہ کے عہد میں صالح ابن عبیل ابن اسف ابن شالخ ابن عبیل ابن کاثر ابن ثمود مبعوث ہوئے۔

(تاریخ الانبیاء' تاریخ ابن خلدون)

قدیم مؤرخین کے یہاں حضرت صالح علیہ السلام کے سلسلہ نسب میں بہت کچھ اختلاف ہے لیکن اس کے امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ قوم ثمود میں کفر و شرک اور ان کی بداخلاقیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔

آپ کی بعثت کا زمانہ کیا تھا اس کا تعین مؤرخین کے یہاں نہیں ہے' البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ کہ یہ 1800 ق م سے 1600 ق م کا زمانہ ہے یہ نافرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور حضرت ہود علیہ السلام کے بعد خطہ ارض پر ایک بت پرستی احکام الٰہی کی نافرمانی کرنے والی قوم کی صورت میں آباد تھی۔

اب ثمود اور ان کی بربادی کا واقعہ کی قدرے تفصیل الہامی الفاظ میں مطالعہ کیجئے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۔

ترجمہ: اور قوم ثمود میں ان کے بھائی صالح کو ہم نے بھیجا۔

اس ارشاد باری تعالیٰ سے ظاہر و باہر ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اسی عظیم قوم ثمود کے ایک فرد تھے' آپ نے سب سے پہلے پیغام اور پہلی دعوت جو ان کو دی وہ توحید

تھی، قرآن حکیم نے آپ کی زبانی اسی دعوت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰـہٍ غَیْرُہٗ○

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارا اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے، آپ کے اس اس بلیغ اور پُر مغز ارشادات پر غور وفکر کرنے اور برائیوں سے باز آنے، بت پرستی اور کفر وطغیان کو ترک کرنے کے بجائے کہنے لگے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ○ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَۃٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ○(سورۃ الشعراء آیت 153-154)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا اے صالح! تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کرایا ہے (جو اس طرح کی باتیں کر رہے ہو) تم تو بس ہماری طرح کے ایک (معمولی) آدمی ہو (اور آدمی نبی نہیں ہوتا) اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو"۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ تم کیا معجزہ (خارق عادت) چاہتے ہو انہوں نے کہ پہاڑ سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہو جس کے بال سرخ ہوں، اگر تم یہ معجزہ دکھاؤ تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان برگزیدہ بندوں (انبیاء علیہم لاسلام) کو کبھی شرمندہ نہیں فرماتا، میں یہاں معجزہ اور اس کے ظہور پر بحث نہیں کرنا چاہتا کہ یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ حضرت ہود، حضرت نوح علیہما السلام سے بھی اس قسم کا مطالبہ کیا گیا تھا اور ان کے بعد بھی انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے اس قسم کا مطالبہ ہوتا رہا اور بدبخت انسان معجزے دیکھ کر اور عذاب الیم سے ہمکنار ہو کر دوزخ کا ایندھن بنتا رہا ہے سوائے چند صالح فطرت رکھنے والے اصحاب کے ایمان قبول کرتے ہوئے حالانکہ ان کو قوموں کی یہ تباہیاں درس عبرت دیتی رہی ہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ (سورۂ یونس آیت 13)

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں (قوموں) کو ہلاک کر دیا ہے جبکہ انہوں نے ظلم کیا' حالاں کہ ان کے پاس پیغمبر دلائل لے کر آئے لیکن وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے"۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ (سورۂ طہٰ' آیت 128)

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں (قوموں) کو ہلاک کر چکے ہیں ان میں سے بعض کے رہنے سہنے کے مقامات (کھنڈروں) پر یہ لوگ اب بھی چلتے پھرتے ہیں"۔

قوم نوح علیہ السلام اور قوم عاد علیہ السلام کی برباد ہونے والی قوموں کے نشانات ان کے سامنے تھے' ان قوموں کی بربادی کی داستان ان کی یادوں میں موجود تھی۔ پھر بھی حضرت صالح علیہ السلام سے آیت (معجزہ) کے طلب گار ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کو جو قبول ہوئی اور پہاڑ کے پتھروں سے ایک اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ نمودار ہوئی حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا:

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(سورۂ الاعراف آیت 73)

ترجمہ: انہوں نے (صالح علیہ السلام) نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے' تمہارا پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل (نشانی) آ چکی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی

ہے جو تمہارے لئے دلیل ہے۔ سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی
پھرے اور (خبردار) اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا کہیں ایسا نہ ہو کہ
تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔

اللہ تعالیٰ کی اس نشانی (اونٹنی) کے سلسلے میں مفسرین اور مورخین نے تفصیلات بیان کی ہیں نانہجار قوم اس معجزے کے اظہار کے بعد بھی کفر و سرکشی پر ڈٹی رہی چونکہ ثمود کو اس اونٹنی کے پانی پینے کی ایک روزہ باری سے ایک دن پانی سے محروم ہونا پڑتا تھا اس لئے ان بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تاکید و تنبیہ کے باوجود اونٹنی کو مار ڈالا اور عذاب الٰہی نے ان کو آ دبوچا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ الشعر آیت 155-158)

ترجمہ: ''صالح (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے ایک دن (چشمہ سے) ان کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا اس (اونٹنی) کو ہرگز نہ چھیڑنا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آ لے گا' مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور آخر میں کار پچھتائے رہ گئے۔ عذاب نے انہیں انہیں آ لیا' یقیناً اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔

اس اونٹنی کے قتل کے بعد یہ نافرمان قوم حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنا چکی تھی کافروں میں نو افراد جتھے دار تھے' سب کے سب اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ اسی شہر میں تھے جہاں حضرت صالح علیہ السلام نے دعوت کا آغاز کیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور

حضرت صالح علیہ السلام کو کوئی گزندہ نہ پہنچا سکے۔ یہ جتھے دار لوگ بڑے ہی فساد میں تھے' معاشرہ کو خراب کر ڈالا تھا۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

(سورۃ النمل آیات 48-52)

ترجمہ: ''اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح کا کوئی کام نہ کرتے تھے انہوں نے آپس میں کہا آؤ قسم کھا کر عہد کر لیں ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر اچانک شب خوں ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے (ہمارا اس شب خون سے کوئی تعلق نہیں) ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔

یہ تو چال ہے وہ چلے پھر ایک تدبیر ہم نے کی جس کی انہیں خبر نہ تھی' دیکھ لو کہ ان کے چال کا کیا انجام ہوا ہم نے ان جتھے داروں یا اوران کی پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اب ان کے گھر خالی پڑے ہیں' اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے اس (بربادی) میں ایک نشانِ عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

جب نافرمانی نے اللہ کی نشانی اونٹنی کو کونچیں کاٹ کر ہلاک کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو خبردار کیا۔

(سورۃ ھود آیت 65)

ترجمہ: پس صالح (علیہ السلام) نے کہا اب تم اپنے گھر میں تین دن اور لطف اٹھالو' یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے (خدا کا عذاب تین دن کے بعد تم کو آ لے گا)۔

پس عذاب کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور تین کے بعد عذاب نے ان کو آلیا' یہ عذاب کڑک اور زلزلے کا عذاب تھا جس نے قوم ثمود کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے مؤمنین متبعین کو اس عذاب سے بچالیا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝

(سورہ ہود آیات 66 تا 68)

ترجمہ: "آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح (علیہ السلام) کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور اس کے ساتھ تھے بچالیا اور اس دن (کے عذاب) کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا ہے بے شک تیرا ربّ ہی دراصل طاقتور اور بالادست ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے ان کو دھر لیا اور اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں آباد نہ ہوئے تھے' سنو! ثمود نے اپنے ربّ سے کفر کیا تو وہ ثمود دور پھینک دیئے گئے۔

قرآن حکیم نے قوم ثمود کی بربادی کو عبرت اور سبق آموزی کے لئے متعدد جگہ بیان فرمایا ہے: سورۃ النحل میں نجات یافتگان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَ اَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ○ (سورہ النمل آیت 53)

ترجمہ: ''اور ایمان والوں کو ہم نے (عذاب سے) نجات بخشی کہ وہ لوگ پرہیزگار تھے''۔

قوم ثمود کے یہی باقی بچ رہنے والے مؤمنین کو ثمود ثانیہ کہا جاتا ہے مؤرخین ان ثمود ثانیہ کو عاد ثانیہ کہتے ہیں' لیکن عاد ثانیہ تو یہی برباد اور ہلاک ہو جانے والی قوم تھی' ثمود ثانیہ کی تاریخ میں ثمود کی طرح متعدد بادشاہ اور حکمران گزرے ہیں' اس سلسلہ میں علامہ سلیمان ندوی مرحوم ارض القرآن جلد اوّل میں تحریر کرتے ہیں۔

''تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توارۃ میں نہیں ہے لیکن توراۃ کی تحریر واقعات کے سنے جانے کے بعد یہ تعجب رفع ہو جائے گا توراۃ کی تاریخ بدو عالم سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک بنی ابراہیم تک محدود ہے' اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے جو تقریباً 1600 ق م میں واقع ہوا ہوگا اس زمانے سے تا عہد موسیٰ علیہ السلام جو تقریباً 450 برس کا زمانہ ہے تورات کی کامل خاموشی کا عہد ہے اور از روئے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے''۔ (ارض القرآن)

قوم ثمود کے آثار درسِ عبرت ہیں:

قوم ثمود کی تباہی اور بربادی کے یہ آثار آج سے ہزاروں برس پہلے جس طرح درس عبرت بنے ہوئے تھے آج بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے کیا' فرد اور کیا جماعت کیلئے وجہ بصیرت ہیں' اسلام کے مدنی دور میں جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک پر تشریف لے جا رہے تھے اور آپ کا جماعت مجاہدین اسلام کے ساتھ اس علاقے سے گزر ہوا تو مسلمان اس خرابہ اور ویرانے اور آثار باقیہ کی سیر میں مشغول ہو گئے۔ یہاں کے افتادہ مختلف رنگ کے پتھر جوان تباہ ہونے والی شاندار عمارتوں اور قوم ثمود کی تباہی کی داستان دُہراتے ہیں مجاہدین اسلام بڑے ذوق و شوق سے دیکھ رہے

یں مجاہدین کو اس طرح مشغول نظارہ دیکھ کر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو
یک کنویں کی نشاندہی کر کے فرمایا: وہ یہی کنواں ہے جس سے حضرت صالح علیہ السلام
ی اونٹنی پانی پیتی تھی' آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ صرف اسی کنویں سے
پانی لینا باقی کنوؤں کا پانی استعمال نہ کرنا' آپ نے مجاہدین اسلام کو وہ درہ بھی دکھایا اور
فرمایا اسی درے سے ناقۂ صالح علیہ السلام پانی پینے کے لئے آئی تھی۔

ان کھنڈروں کی جو مسلمان سیر کر رہے تھے ان سب کو آپ نے جمع فرمایا اور ایک
خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں ثمود کے عبرت آگین انجام پر مسلمانوں کو متوجہ کیا تھا اور ارشاد
فرمایا کہ یہ اس قوم کا علاقہ ہے جس پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا لہٰذا یہاں سے جلد گزر جاؤ
یہ سیر کی جگہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے' آج بھی یہ جگہ فج ناقہ کہلاتی ہے۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا ۔(سورۃ النساء125)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود و آلِ نمرود

ارفخشد جس کا سلسلہ ایک واسطہ سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جداعلیٰ تھا' ارفخش' سام بن نوح علیہ السلام کا فرزند تھا' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین ''سام'' کی نسل کا سلسلہ تمام دنیا میں پھیلایا اور تمام عالم پر اس کو برتری عطا فرمائی۔ ارفخشذ کی دوسری پشت میں عابر بن شالخ نے خاص طور پر شہرت' عزت اور عروج حاصل کیا' عابر ہی تمام عبرانیوں کا جداعلیٰ ہے۔

ارفخشد

شالخ

عابر

عابر ہی وہ عظیم شخص ہے جو کلدانیوں کو آزادی دلانے کے لئے نمرود سے مدمقابل ہوا تھا' لیکن شکست سے دوچار ہونا پڑا اور نمرود نے عابر اور اس کی تمام جماعت کو شہر کوثا سے نکال دیا اور عابر اپنی تمام جمعیت کے ساتھ فرات اور دجلہ کے مابین جوطاس ہے جس کو قدیم زمانے میں مجدل کہتے ہیں شکست سے دوچار ہونے کے بعد یہاں آ کر بس گیا اور اس طاس میں حکومت قائم کر لی عابر کے بعد اس کا فرزند فالج جانشین ہوا' لیکن فالخ زیادہ عرصہ تک حکومت پر قابض نہ رہ سکا اور قبطیوں نے فالخ سے حکومت چھین لی

اور فالخ کو اس علاقے سے نکلنا پڑا' اسی فالخ کے پوتے تاروخ سے ناحور پیدا ہوا اور ناحور سے تارخ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کا باپ تھا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''تارح ابن ناحواری ہی کو آزر کہتے ہیں' نمرود نے کمال اخلاص سے تارخ کو اپنے بیت الاصنام کا (بت خانہ) کا داروغہ مقرر کیا[1] اور نمرود ملوک جرامقہ سے ہے اس کا نام ابن سعید تھا اور کوشش ابن حام کا لڑکا تھا یہی انتہی کلام ابن سعید''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مولد کے سلسلے میں بھی مورخین کے یہاں اختلاف ہے لیکن مؤرخین کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا مولد بابل کا شہر اُور یا اُر تھا' آپ کے سلسلہ نسبت میں بھی مؤرخین کے یہاں تضاد پایا جاتا ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

''وھو ابراھیم بن تارخ بن ناحور بن ساروخ بن راعو بن فالخ بن عابر بن صالح بن ارفخشد بن سام ابن نوح علیه السلام''

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کے ہر فرد کے ساتھ اس کی عمر بھی تحریر کر دی ہے۔

(دیکھئے البدایہ والنہایہ جلد اوّل طبع بیروت)

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ نسب و تورات میں مذکور سلسلہ نسب کے مطابق ہے بجز اس کے کہ تورات میں چند ناموں میں (معمولی سا اختلاف ہے) یعنی تورات میں۔

---

[1] بعض مؤرخین نے اس منصب تارح سے اتفاق کیا ہے' لیکن حیرت ہے کہ یہی شاہی منصب دار خود اپنے ہاتھوں سے بت بناتا ہے اور اپنے فرزند کو وہ بت بیچنے کے لئے بازار میں بھیجتا ہے اور اس کو اپنے منصب کا کچھ پاس نہیں ہوتا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ تارح نمرود کے یہاں کسی منصب پر فائز نہیں ہوتا۔

''تارخ کے بجائے تارح ہے' ساروخ کے بجائے سروج ہے اور فالخ کے بجائے فالج ہے اور ارفخشد کے بجائے ازفکشار مذکور ہے''۔

اس سلسلہ میں نسب میں خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام میں مفسرین و مؤرخین نے بہت اختلاف کیا ہے امام بخاری نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مروی جو حدیث بطور استدلال پیش کی ہے اس میں وضاحت کے ساتھ آپ کے والد کا نام آزر مذکور ہے یلقی ابراھیم اباہ ازر یوم القیامۃ الخ۔

اسی سلسلے میں ابن کثیر اور روایت پیش کرتے ہیں جس کا سلسلہ رواۃ (طریق) اس طرح ہے۔

وراہ ایضا من حدیث قتاۃ عن عقبہ بن عبد الغافر عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ وقال اللہ تعالیٰ (وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○) ذا یدل علی ان اسم ابی ابراھیم ازر وجمھور اھل النسب منھم ابن عباس رضی اللہ عنہ ان اسم ابیہ تارح واھل کتاب یقولون تارح بالخاء العمۃ فقیل لقب بصنم کان یعبدہ اسمہ ازر ۔

ترجمہ: ''اور ایسی ہی روایت کی ہے جو حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق عقبہ بن عبدالغافر سے انہوں نے روایت کی ابی سعید سے اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جو سابقہ حدیث کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جب کہا ابراہیم نے اپنی باپ آرز سے کیا تم نے بتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے' بیشک میں تم کو اور تمہاری قوم کو ایک کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں' یہ اشارہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور تمام اہل نسب (نسابین) جن

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں کہتے ہیں (اس بات پر انہوں نے اتفاق کیا ہے) کہ آپ کا نام تارح تھا جس کو یہودی اور عیسائی تارخ (خائے نقطہ دار سے) کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس بت کا نام جس کی تارح پرستش کرتا تھا آزر تھا' اسی کے نام سے اس کا لقب آزر رکھ دیا گیا''۔ (البدایہ والنہایہ جلد اوّل)

آزر بت بنا بنا کر ابراہیم علیہ السلام کو دیتا کہ ان کو لے جا کر بازار میں فروخت کرو' پ ان بتوں کو (جو لکڑی کے تراشے ہوئے ہوتے تھے) زمین پر گھسیٹے ہوئے لے تے اور بلند آواز سے فرماتے.........(من یشتری ما لا یضر ولا ینفع)

ان کو کون خریدتا ہے جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

لوگ یہ سن کر تعجب کرتے اور ان سے بتوں کو نہ خریدتے!

رفتہ رفتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بتوں سے بیزاری کی خبر عام ہو گئی اب ضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کے عمائد سے کہنا شروع کیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ○

(سورۃ الانبیاء آیت 52)

ترجمہ: جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی برادری والوں سے کہا کہ یہ کیا واہیات مورتیں ہیں جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہے۔

ان کا بس یہی جواب تھا کہ

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ○ (سورۃ الانبیاء آیت 53)

ترجمہ: وہ لوگ (جواب میں) کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے۔

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گمراہی کو ان پر اس طرح کھلم کھلا اضح کر دیا۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○

(سورۃ الانبیاء آیت 54)

ترجمہ: ''ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں ہیں' وہ سمجھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یونہی مزاحاً یہ بات کہہ رہے ہیں''

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ○ (سورہ الانبیاء آیت 55)

ترجمہ: ''وہ کہنے لگے کیا تم (اپنے نزدیک) سچی بات (سمجھ کر) ہمارے سامنے پیش کررہے ہو یا ہم سے دل لگی کررہے ہو''۔

آپ نے ان کے اس خیال کی' کہ ان سے مزاحاً یہ بات کہہ رہے ہیں۔ تردید فرماتے ہوئے کہا ایسا نہیں ہے تم سے دل لگی سے یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت میں کہہ رہا ہوں کہ تم ان (بتوں کو) اپنا معبود نہ سمجھو۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ○ (سورۃ الانبیاء آیت56)

ترجمہ: ''کہا! بلکہ تمہارا حقیقی ربّ (جو لائق عبادت ہے) وہ تمام آسمانوں اور آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس دعویٰ پر دلیل بھی رکھتا ہوں''۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ اس راست گوئی اور سچی بات کا بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوا تو آپ نے ربّ جل شانہ کی قسم سے مؤکد کرتے ہوئے یہ بات کہی۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ○

(سورۃ الانبیاء 57)

ترجمہ: ''اور خدا کی قسم! تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے ان بتوں کے

ساتھ ایک تدبیر کروں (ان کی خوب گت بناؤں گا)''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر یہ واضح نہیں کیا کہ وہ کیا تدبیر کریں گے' چنانچہ تھوڑے ہی دن کے بعد ان صنم پرستوں کی عید کا دن آ گیا تمام لوگ خوشی منانے کے لئے ایک میدان میں جمع ہوتے تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ان کے باپ نے کہا کہ چلو ہمارے ساتھ مل کر عید مناؤ۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ○ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ○

(سورۃ الصافات آیت 88-89)

آپ اپنی طبیعت میں کچھ کسلمندی محسوس فرما رہے تھے اس لئے آپ نے ساتھ جانے سے عذر کیا اور کہا انی سقیم (بے شک میرا مزاج ناساز ہے)

چنانچہ آپ کے باپ آپ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی طرح عید منانے کے لئے چلا گیا۔ اب آپ ان کے بتکدے پہنچے اور تمام بتوں کو سوائے بتکدے کے بڑے بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○

(سورۃ الانبیاء آیت 58-65)

ترجمہ: چنانچہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور صرف بڑے بت کو رہنے دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کریں یا بڑے بت سے رجوع کریں) جب وہ (لوٹ کر) آئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا

تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کیا ہے کس نے ان کی یہ گت بنائی ہے وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔ بعض لوگ (ان میں سے کہنے لگے' ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا' اس کا نام ابراہیم ہے' لوگوں نے کہا کہ (جب یہ بات ہے) تو اس کو سب لوگوں کے سامنے حاضر کرو' تاکہ لوگ اس کے گواہ ہو جائیں (غرض وہ سب لوگوں کے روبرو آئے) تو ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے؟ انہوں نے (جواب میں) کہا کہ ان کے بڑے نے ان کے ساتھ ایسا کیا ہے' سو تم ان سے دریافت کر لو اگر یہ بولتے ہوں' اس پر یہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے کہ حقیقت میں لوگ ہی ناحق پر ہو (جو ایسے عاجز ہوں وہ کیا معبود ہوں گے) پھر (جب کچھ جواب بن نہ پڑا تو) شرمندگی سے اپنے سروں کو جھکا لیا اور بولے کہ اے ابراہیم! تم کو معلوم ہی ہے کہ یہ (بت کچھ) بولتے نہیں ہیں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کے ہی قول سے ان بتوں کی عاجزی کا اقرار کرالیا تو پھر آپ نے ان کی بت پرستی اور ان کے مشرکانہ عقیدے سے پر ایک ضرب کاری لگائی اور فرمایا:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء 67)

ترجمہ: کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا ے کسی اور ایسے کو پوجتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان' تف ہے! تم پر اور اس پر جس کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے! کیا تم (ایسی کھلی بات بھی) سمجھ نہیں سکتے۔

یہ سن کر امروداعیان سلطنت کچھ جواب نہ دے سکتے البتہ نمرود ابن کنعان بن

کوش) نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا تم نے اپنے اس ربّ کو دیکھا ہے جس کی تم عبادت کرتے ہے؟ اور تمہارا وہ ربّ کیسا ہے جس کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙقَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ

ترجمہ: میرا ربّ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' نمرود نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں''۔

چنانچہ نے دو واجب القتل قیدیوں کو بلایا ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہائی دے دی اور کہا کہ دیکھو میں نے ایک کو زندگی بخش دی اور ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ (سورۃ البقرہ آیت 285)

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو (ایک ہی دن اسے) مغرب سے نکال دے اس پر وہ کافر بھونچکا ہو کر رہ گیا (اور کچھ جواب بن نہ پڑا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس طرح کو لا جواب کر کے واپس چلے آئے تب تمام درباریوں' پجاریوں ورنمرود نے باہم مشورہ کیا' اس قوم میں سب سے بڑے مجرم کی سزا اس کو زندہ جلا ڈالنا تھا چنانچہ

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ○

(آیت 68 سورہ الانبیاء)

ترجمہ: '' وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلا ڈالو اور اس طرح اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے''۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ○ قَالُوا

ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِيْمِ ○ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ○ (سورہ الصفت آیات 95 تا 198)

ترجمہ: اس ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کی پرستش کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا اور چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔

(آپ کی یہ دلیل سن کر انہوں نے باہم مشورہ کیا اور) کہا اس کے لئے ایک عمارت تیار کرو پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو انہوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے ان ہی کو زیر کر دیا۔

اس مشاورت کے بعد چند ہی روز میں لکڑیوں کا ایک ایسا انبار جمع ہو گیا جو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا' لکڑیوں کے اس انبار میں آگ لگا دی گئی لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس آگ میں جس کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے اور جس کی تپش کے باعث اس کے قریب جانا موت کے منہ میں جانا تھا (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو کس طرح پھینکیں' آخرکار یہ تدبیر کی گئی کہ ایک بہت بلند مینار تیار کرایا گیا اور وہاں سے آپ کو منجنیق میں بٹھا کر اس آگ میں پھینک دیا گیا اسی وقت آگ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِيْمَ ○

''ہم نے کہا: اے آگ سرد پڑ جا اور سلامتی والی بن جا ابراہیم پر''

حکم الٰہی نے اس آگ کو آپ کے لئے گلزار بنا دیا نمرود اور اس کی قوم کے سربرآوردہ افراد اور عیان سلطنت یہی سمجھتے رہے کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کو جلا کر راکھ کر ڈالا ہو گا لیکن ایک روز نمرود نے اپنے محل کی چھت سے جب ادھر دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں بیٹھا پایا حیران رہ گیا لیکن اس کو یقین نہیں آیا تو اس نے ایک اور منارہ یا اونچا مکان تعمیر کرایا جلد ہی مکان تعمیر ہو گیا تو اس پر چڑھ کر اس نے غور سے دیکھا تو حیران رہ گیا وہ دیر تک اس منظر کو دیکھتا رہا آخرکار بلند آواز سے کہنے لگا اے ابراہیم!

را خدا بہت ہی عظیم ہے' کیا تجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اس آگ سے صحیح و سالم باہر نکل
ئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہاں میں اس ربّ عظیم کی قوت و مدد
سے باہر بھی آسکتا ہوں یہ فرما کر آپ اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگ کے اس عظیم
رے اور آلاؤ سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ کے بعد نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میں اس چیز کے
ض جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو تمہارے ربّ کیلئے قربانیاں پیش کرنا چاہتا ہوں
ضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ جب تک اس ذات پر ایمان نہیں لائے گا جو
حد ہے اور ہر چیز کا خالق ہے تیری قربانی اور عبادت اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا نمرود
نے کہا کہ یہ میری شان کے خلاف ہے اس کے بعد اس نے ہزار گائیں قربان کیں اس
ت آپ نے نمرود سے کہا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ○ (سورۃ الصفت آیت 99)

ترجمہ: اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے ربّ کی طرف جاتا ہوں
وہی میری رہنمائی کرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی جب
اپنی ہجرت کا اظہار فرمایا تو نمرود نے آپ کو بہت ہی عزت و احترام کیساتھ
رخصت کردیا۔

علامہ ابن خلدون تاریخ الانبیاء میں لکھتے ہیں:

اردو ترجمہ: اب آپ اپنے باپ تارخ اور ناحور بن تارخ اور ان کی بیوی ملکا
بنت ہاران (تارخ کے بھائی) اور لوط بن ہاران اور سارہ اپنی زوجہ کے
ساتھ کلدانین کی سرزمین سے ہجرت کر کے حران چلے آئے۔ قوم کی
نافرمانی ان کی بداعمالیوں اور اس عظیم ترین ایذا رسانی پر بھی کہ بظاہر انہوں
نے آپ کی جان لینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی بایں ہمہ آپ نے قوم کے
لئے بددعا نہیں فرمائی اس لئے کہ آپ کمالِ اوصاف کے بارے میں واضح

طور پر فرما دیا گیا تھا۔

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ○

ترجمہ: بے شک ابراہیم بڑے رحیم المزاج، حلیم الطبع تھے۔

عصر حاضر کے ''اثریات'' سے یہ بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم صرف ستارہ پرستی اور اصنام پرستی ہی کی خوگر نہیں تھی بلکہ اس قوم کا پورا تمدنی اور معاشی زندگی کا تمام دارو مدار اسی صنم پرستی پر قائم تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید کی زد براہِ راست اسی نظام پر پڑتی تھی اگر عوام اس دعوت توحید کو قبول کر لیتے تو اس معاشی نظام کے سارے تار و پود بکھر کر رہ جاتے' یہی سبب تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت توحید پیش کی تو تمام معاشرہ عوام بتکدوں کے نگہبان امراء' داعیان سلطنت اور قود فرمانروائے وقت نمرود آپ کے خلاف پر کمر بستہ ہو گئے اور ان سب کے مشورے سے آپ کو عظیم بھڑکتی ہوئی آگ میں جس کو قرآن حکیم میں ''جحیم'' سے تعبیر کیا گیا ہے پھنکوا دیا گیا اور آپ نے اپنے حلم و رافت کے جذبے کے تحت قوم کے لئے بارگاہِ الٰہی درخواست عذاب نہیں کی لیکن اس ارشاد کے مصداق

اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِکٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ○

(سورۃ التوبہ آیت 70)

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو ان پر ہونے والے عذاب کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر صاف اور واضح نشانیاں (حق کی) لے کر آئے (لیکن نہ ماننے سے برباد ہوئے) سو اس بربادی میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اس ارشاد کے مطابق قوم ابراہیم علیہ السلام جوار کے عظیم الشان شہر میں آباد تھی' تباہیوں سے محفوظ نہ رہ سکی' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد وہ قوم (جو ایک وسیع سلطنت کی مالک تھی اور اس کے حدود سلطنت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئے تھے) لگاتار تباہیوں اور بربادیوں سے دوچار ہوئی سب سے پہلے تو عیلامیوں نے شہر ار کو تباہ کیا پھر لرسا میں عیلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور ار کے باشندے غلاموں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے' کچھ مدت بعد ایک عربی نژاد خاندان کے تحت بابل نے زور پکڑا اور بابلیوں نے لرسا اور ار دونوں پر قبضہ کر لیا ان تباہیوں نے عظیم بت ننار کی عظمت کا بھرم کھول دیا اور لوگوں کا اس سے جو عقیدہ تھا وہ متزلزل ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کی تعلیمات کے اثرات کا نشان بابل کے عظیم حکمران حمورابی کے قوانین میں ملتا ہے جس کا عہد سلطنت 1910 ق م میں اتفاق کیا گیا ہے اس نے جو قوانین مرتب کئے ہیں ان میں تعلیمات ابراہیم کا پرتو جھلکتا ہے۔

نمرود پر عذاب ہوا یا نہیں اس سلسلہ میں ابوحنیفہ (دینوری' مسعودی اور ابن خلدون (رحمہم اللہ) خاموش ہیں' البتہ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ میں زید بن اسلم کے حوالے سے لکھا ہے۔

دبعث الله الى ذلك الملك الجبار ملكا يامره بالايمان بالله فابى عليه' ثم دعاه الثانية فابى عليه' ثم الثالثة فابى عليه وقال اجمع جموعك واجمع جموعى فجمع نمرود جيشة وجنوده وقت طلوع الشمس فارسل الله عليه ذبابا من البعوض بحييث لم يرواعين الشمس وسلطها الله عليهم فاكلت لحومهم ودمائهم وتركتهم عظا مابارية ودخلت واحد منها فى منخر الملك فمكثت فى منخره اربعما ئة سنة

عذبه الله تعالٰی بها فکان یضرب راسه بالمغراب فی هذه المدة کلها حتیٰ اهلکه الله عزوجل ۔

مچھروں کے اس عذاب سے قوم نمرود کی ہلاکت اور چار سو سال تک نمرود کا اس عذاب میں مبتلا رہنا قصص الانبیاء میں متعدد مؤلفین نے بیان کیا ہے لیکن اس سلسلے میں مجھے کوئی اور معتبر روایت سوائے علامہ ابن کثیر کے نہیں مل سکی خود علامہ ابن کثیر نے اس پر کوئی محاکمہ نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نیز زید بن اسلم کے حوالے سے اس کو بیان کر دیا ہے۔

قوم نمرود کی تباہی اور شہرار کی بربادی جو عیلا میوں کے ہاتھوں سے ہوئی جس کا میں ذکر کر چکا ہوں ایک تاریخی واقعہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ جس بادشاہ نے نمرود کو دعوت ایمان دی اور اپنے لشکر کو جمع کیا وہ عیلا میوں ہی کا کوئی بادشاہ ہو' بہر حال میں اس سلسلے میں مزید بحث نہیں کروں گا' صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد یہ بدافعال بت پرست قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئی اور جس طرح فساد برپا کرنے والی دوسری قوموں کا اس سے قبل انجام ہوا تھا وہی انجام نمرود اور اس کی قوم کا بھی ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت:

حران میں کچھ مدت کے قیام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم الٰہی کنعان کی طرف ہجرت فرمائی' یہی وہ سرزمین ہے جس کی عطا کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا' آپ کنعان کی سرزمین میں اس خطۂ ارض پر مقیم ہوئے جہاں اب بیت المقدس ہے' جب کنعان کی سرزمین قحط عظیم سے دوچار ہوئی تو آپ اپنے خاندان کے ساتھ مصر چلے آئے۔

آپ کے برادرزادہ حضرت لوط علیہ السلام مصر آنے کے بجائے بحکم الٰہی آپ سے جدا ہو کر ارض فلسطین کی طرف چلے گئے اور ارض موتفکہ میں قیام کیا جس کا صدر مقام شہر سدوم تھا اور یہاں آپ نے اصلاح کا کام شروع کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مستقر

قبرص
بحرِ روم
شام
کنعان
ارم
حاران
عراق
دریائے دجلہ
دریائے فرات
اُور
رعمسیس
مصر
حبرون
بحرِ میت
یثرب
مکہ
خلیج فارس
بحیرۂ عرب
پیمانۂ مسافت (میل)
۰ ۱۰۰ ۲۰۰

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ○

(سورۂ الشعراء آیت 141)

حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم

حضرت لوط علیہ السلام کا نسب:

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کو یہ شرف بخشا کہ اس کی نسل رہتی دنیا تک کرۂ ارض پر موجود رہے گی اور یہ عظیم سلسلہ سام بن نوح علیہ السلام سے قائم ہوا سام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

ارفخشد بن شام' شالخ بن ارفخشد' عامر بن شالخ' فالخ بن عابر بن رعو بن فالخ' ساروغ بن رعو' ناحور بن ساروغ' تارخ بن ناحور۔

تارخ

حضرت ابراہیم علیہ السلام — حاران

حضرت اسماعیل علیہ السلام — حضرت اسحٰق علیہ السلام — حضرت لوط علیہ السلام

اس شجرۂ نسب کی بناء پر حضرت لوط' حضرت ابراہیم علیہما السلام کے برادرزادے ہیں' تمام مؤرخین نے اس نسب پر اعتماد کیا ہے لیکن علامہ ابو حنیفہ دینوری برخلاف تمام مورخین کے اس بات کے قائل ہیں کہ

حضرت لوط (علیہ السلام) حضرت ابراہیم کے بھانجے ہیں' وہ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کے والد کا تعلق شہر سدوم سے تھا' ان کی والدہ آزر کی دختر تھیں اور اس وقت حضرت لوط علیہ السلام بابل میں نانا ہی کی ملاقات کے لئے آئے

ہوئے تھے چنانچہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور بابل میں اقامت اختیار کر لی اور ان کا ہاتھ بٹانے لگے پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو وہ بھی ان کے ہمراہ ہو پڑے شہر سدوم میں اپنے والد اور اعزہ کے ہاں مقیم ہو گئے' سدوم سرزمین اردن و عرب کی سرحد پر واقع تھا...... رہے ابراہیم علیہ السلام تو انہوں نے سفر جاری رکھا' تا آنکہ سرزمین مصر میں جا پہنچے۔ (اخبار الطوال اردو ترجمہ)

بائبل (عہد نامہ عتیق) میں حضرت لوط علیہ السلام کا نسب اس طرح مذکور ہے۔

تارح سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے اور حاران سے لوط پیدا ہوا اور حاران اپنے باپ تارح کے آگے (سامنے) اپنی زاد بوم یعنی کدیوں کے ار میں مرا اور اب ابرام اور نحور نے اپنا اپنا بیان کر لیا' ابرام کی بیوی کا نام ساریٰ اور نحور کی بیوی کا نام ملکا تھا' جو حاران کی بیٹی تھی وہی ملکا اور اس کا باپ تھا اور ساریٰ بانجھ تھی...... تارخ نے اپنے بیٹے ابرام کو اور اپنے پوتے لوط کو جو حاران کا بیٹا تھا اور اپنی بہو ساریٰ کو جو اس کے بیٹے ابرام کی بیوی تھی' ساتھ لیا اور وہ سب کسدیوں کے ار سے روانہ ہوئے کہ کنعان کے ملک میں جائیں وہ حاران تک آئے اور وہیں رہنے لگے اور تارخ کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی اور اس نے حاران میں وفات پائی۔ (بائبل کتاب پیدائش)

اس طرح سوائے علامہ ابوحنیفہ دینوری کے تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادرزادہ (بھتیجے) تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام 2120 ق م شہر اور (ار) میں پیدا ہوئے یہی شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن مالوف تھا حضرت لوط علیہ السلام کا زمانہ وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور سے حاران کی طرف ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے اور بہت مدت تک آپ کی معیت میں رہے جب قحط سالی کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام حاران سے مصر کا سفر کیا اس وقت بھی حضرت لوط علیہ السلام آپ کے ہمراہ تھے عرصہ دراز کے بعد جب

ابراہیم علیٰ السلام مصر سے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان اقوام کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا جو سدوم صاعورٗ عمورا اور صابورا میں آباد تھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی اس طرح تصدیق فرمائی ہے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔(سورۃ الصفت آیت 133)

علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرق اردن کے اس علاقے میں اصلاح کے لئے مامور فرمایا جہاں یہ پانچ شہر آباد تھے' سدوم' عمورا' صاعورٗ اور صابورا یہاں جو قومیں آباد تھیں وہ اصحابِ موتفکہ کہلاتی تھیں بعد کو قوم لوط کے نام سے موسم ہوئی چونکہ آپ بیس تک ان میں رہ کر دعوت اصلاح دیتے رہے' قرآن حکیم نے اس قوم کو موتفکہ سے یاد فرمایا: وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ○ یہ شہر شام وحجاز کی سرحدوں کے درمیان تھے جو اردن اور بلاد فسطین سے بھی ملتی ہیں' ان شہروں کے آثار اب بھی ملتے ہیں جو کم وبیش 382 سال تک صرف مختلف رنگ کے پتھروں کے کھنڈروں کی شکل میں نظر آئے رہتے' ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام نے 30 سال سے زیادہ قیام فرمایا اور لوگوں کو دین حق کی دعوت دی لیکن وہ کفر پر اڑے رہے اور اپنے افعال قبیح سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا: جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

''مروج الذہب''

علامہ ابن خلدون کا بیان ہے:

لوط (علیہ السلام) برادر ابراہیم (علیہ السلام) حاران کے لڑکے تھے اور قوم کی ہلاکت کے بعد فلسطین میں اپنے چچا ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

حسب تحقیق اس زمانہ میں موتفکہ میں پانچ بڑے فرقے تھے اور وہاں کے سب باشندے خلاف وضع فطرت فواحش کے مرتکب ہوئے تھے (حضرت) لوط (علیہ السلام)

نے انہیں خوب سمجھایا لیکن ان میں سے کسی نے ان کی نہ سنی' نتیجاً سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے' اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہِ۔ (تاریخ الانبیاء' ترجمہ: تاریخ ابن خلدون حصہ اوّل)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت لوط علیہ السلام ان آبادیوں میں جو نہایت سرسبز' شاداب اور گل لزار تھیں درسِ توحید دیتے رہے! یہ قوم بہت سی برائیوں کے علاوہ فعل خلافِ وضع فطری میں مبتلا تھی، زنا کا فعل حرام بھی ان میں رائج تھا لیکن موتفکت میں آبدا تو میں اس فعل شنیع کی مدتوں سے عادی چلی آ رہی تھی اور کوئی ان کو ٹوکنے اور روکنے والا نہ تھا' ان چاروں شہروں کی آبادی کو اللہ تعالیٰ نے بستی سے تعبیر فرمایا ہے اور ان کے اس فعل شنیع پر زجر کی ہے۔

اِنَّھُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ○ (سورۃ الانبیاء آیت 74)

ترجمہ: وہ بڑی ہی بدکردار قوم تھی۔

اور ان کے اس فعل شنیع کو واضح طور پر اس طرح بیان کیا ہے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ (سورۃ النمل آیت 55)

ترجمہ: کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو' عورتوں (بیویوں) کو چھوڑ کر! یہ بدکرداری پہلی قوموں میں نہیں تھی' حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا:

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ الاعراف آیت 80)

ترجمہ: اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسے فحش کام کرتے ہو جس کو تم سب سے پہلے دنیا جہاں والو میں سے کسی نے نہیں کیا!

ان لوگوں سے اور تو کچھ نہیں بن پڑا آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے اور ان کی نصیحت کا یہ جواب دیا۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف آیت 82)

ترجمہ: ''اوران کی قوم سے کوئی جواب بن نہ پڑا' بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو بس تم اپنی بستی سے نکال دو' یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں''۔

حضرت لوط علیہ السلام ایک ناصح مشفق کی طرح قوم کو بار بار سمجھاتے رہے اوران کو سب سے بڑی بداخلاقی اورجرم سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کو سمجھایا اور بتایا کہ

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الشعراء آیت 161 تا 164)

ترجمہ: جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو' میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں' سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میں تم سے اس رسالت پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

آپ نے قوم کو سمجھایا اوران کو بتایا کہ میں اس نصیحت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں' میں خدا کا رسول ہوں اور فرض رسالت ادا کر رہا ہوں غور کرو اور دیکھو جس برائی میں تم پھنسے ہوئے ہو اس سے پہلے کسی قوم نے ایسی بے حیائی اختیار نہیں کی اور میں تم سے کسی چیز کا طلبگار بھی نہیں ہوں' مجھے جو کچھ اجر عطا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی عطا کرے گا! پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! سدھر جاؤ۔

قوم تو نفس شیطانی کے پھندے میں پھنسی ہوئی تھی۔ تو حضرت لوط علیہ السلام کی ایک نہ سنی وہ اسی طرح غیر فطری عمل میں مصروف رہے اور حضرت لوط علیہ السلام سے دو

ٹوک کہہ دیا کہ

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ○

(سورۃ الشعراء آیت 167)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوط! اگر تم (اس کہنے سننے اور نصیحت سے) باز نہیں آؤ گے تو ضرور بستی سے نکال دیئے جاؤ گے"۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ کسی طرح نصیحت ان پر کارگر نہیں ہو رہی ہے تو عذاب الٰہی سے ڈرایا' ثمود کی تباہی ان کے سامنے تھی حضرت لوط علیہ السلام نے خیال کیا کہ عذاب الٰہی کی وعید وتنذیر سے ڈر کر یہ بدکرداری سے باز آ جائیں گے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ○ (سورۃ القمر 36)

"ترجمہ: اور لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا' انہوں نے اس ڈراوے پر جھگڑے پیدا کیے۔"

آخر کار حضرت لوط علیہ السلام نے حضور باری تعالیٰ میں عرض کیا۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ○ (سورۃ الشعراء آیت 169)

ترجمہ: لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے متعلقین کو ان کے اس کام کے وبال سے نجات عطا کر"۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فرشتوں کو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اولاد کی بشارت دینے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا حکم دے کر بھیجا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ○ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ○

(سورۃ ہود آیت 69-70)

ترجمہ: اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر آئے اور انہوں نے (ابراہیم علیہ السلام) کو سلام کیا اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی (جواب میں) سلام کیا پھر دیر نہیں لگائی اور بھنا ہوا بچھڑا لائے (یعنی بہت جلد) سو جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے تک نہیں بڑھتے تو وہ اسے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے وہ (فرشتے) کہنے لگے مت ڈرو ہم قوط لوط کی طرف (عذاب دینے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔

ان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو (حضرت) اسحٰق علیہ السلام اور اسحٰق کے بعد (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پاس کھڑی تھیں' وہ یہ بشارت سن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں ہائے کم بختی! کیا اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا پھونس ہو کر اور میرے میاں بھی بالکل بوڑھے یہ کتنی عجیب بات ہو گی' فرشتوں نے کہا کہ کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو خصوصاً اس خاندان پر اللہ کی خاص رحمت ہے اور اس کی برکتیں شامل حال ہیں بے شک اللہ تعریف کے لائق بڑی شان والا ہے' یہ بشارت اور اللہ تعالیٰ کے کرم و خاص کی نوید سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا خوف زائل ہوتے ہی آپ کو اپنے برادر زادے لوط (علیہ السلام) کا خیال آیا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ○ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ○ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ○ (سورۂ ہود ر آیات 74-76)

ترجمہ: ''پھر جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور (اولاد کی بشارت سے) اس کا دل خوش ہو گیا تو اس نے قوم لوط کے معاملہ

میں ہم سے جھگڑا شروع کیا (کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جل وعلا پر ان کو بہت ناز تھا) حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا وہ ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا' آخرکار (فرشتوں نے ان سے کہا) اے ابراہیم (رفع عذاب کے سلسلے میں بار بار التجا کرتے ہو)' باز آجاؤ' تمہارے ربّ کا حکم ہو چکا ہے' اور اب لوگوں پر وہ عذاب آکر رہے گا جو کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو بشارت دے کر اور قومِ لوط پر نزول عذاب کا حکم الٰہی سنا کر فرشتے بصورت بشر (مفسرین کہتے ہیں کہ یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ○ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ○

(سورۂ ہود آیت 77-78)

ترجمہ: اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو وہ (یعنی) ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے آنے کے باعث تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن (مجھ پر) بہت بھاری ہے اور ان کی قوم دوڑی ہوئی ان کے پاس آئی اور وہ پہلے ہی سے ایسی بدکاریوں کے خوگر تھے' لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا یہ میری (بہو) بیٹیاں جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں' وہ تمہارے لئے اچھی خاصی ہیں (تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں) کچھ تو خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے ذلیل نہ کرو کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں"۔

اس اپیل کا بھی ان بدکرداروں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور انہوں نے کہا کہ اے لوط (علیہ السلام) تم خوب اچھی طرح سمجھتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں بس ان امردوں کو ہمارے حوالے کرو! حضرت لوط (علیہ السلام) یہ سن کر بڑے غمگین ہوئے اور اپنی بے بسی پر اظہار تاسف کرنے لگے۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ○ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّہٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ○ (سورۂ ہود آیت 80-81)

ترجمہ: لوط علیہ السلام نے کہا: کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تم سے نمٹتا یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اس کی پناہ لیتا! وہ فرشتے کہنے لگے کہ اے لوط (علیہ السلام) ہم تو تمہارے ربّ کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں تم تک ان کی ہرگز رسائی نہیں ہوگی سو تم راتوں رات (رات کے کسی حصے میں) اپنے اہل و عیال کو لے کر (یہاں سے) نکل جاؤ اور دیکھو! تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے' مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اس لئے کہ اس پر بھی وہی کچھ گزرنا ہے جو ان لوگوں پر گزرنا ہے۔ ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ صبح ہونے میں اب دیر ہی کتنی ہے"۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اسی قوم کی بیٹی اور اسی شہر سدوم کی رہنے والی تھی اور وہ ان اوباشوں کی معاون و مددگار تھی' حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے رفقا راتوں رات ہی ہدایت کے بموجب اس علاقے سے دور نکل گئے اور صبح ہوتے ہی ان کے فسق و فجور اور نافرمانی پاداش میں عذاب نازل ہوگیا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَۃً مِّنْ

سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ۝ (سورۃ ھود آیت 82-83)

ترجمہ: "پھر جب ہمارے فیصلے کا آ پہنچا' تو ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر لگاتار برسائے جن میں سے ہر پتھر تمہارے ربّ کا نشان زدہ تھا اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں ہے"۔

ان آیات کی تفسیر میں مفسرین حضرات مختلف الاقوال ہیں کوئی تہ و بالا زلزلہ مراد لیتا ہے اور کوئی پتھروں کی بارش بہر حال عذاب نے ان شہروں کو تہ و بالا کر دیا اور ان پتھروں کے انبار اور شاندار مکانات کے کھنڈروں کے سواء اور کچھ باقی نہ رہا' آج بھی یہ خرابہ زمانہ کے لئے درس عبرت ہے۔

عصر حاضر کے ایک محقق اس سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ

"غالباً یہ عذاب ایک سخت زلزلے اور آتش فشاں انفجار کی شکل میں آیا تھا اور زلزلے نے ان کی بستیوں کو تلپٹ کیا اور آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ان کے اوپر زور کا پتھراؤ ہوا پکی ہوئی مٹی کے پتھروں سے مراد شاید وہ سخت مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیر زمین حرارت اور لاوے سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے آج تک بحر لوط کے جنوب اور مشرق کے علاقے میں اس انفجار کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد دوم)

قرآن حکیم میں سورۃ الشعراء میں اس عذاب کی نوعیت اور کیفیت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ۝ (سورۃ الشعراء' آیت 173-174)

ترجمہ: "پھر ہم نے سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم (یعنی پتھروں کا) کا مینہ برسایا سو کیا ہی برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے مقدس فرستادگان کے ذریعہ پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا کہ اس بستی پر عذاب نازل ہونے والا ہے لہٰذا تم اپنے اہل وعیال کے ساتھ (راتوں رات اس بستی سے نکل جاؤ لیکن تمہاری بیوی تمہارے ساتھ نہیں جا سکے گی کہ وہ سدوم والوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

کہتے ہیں کہ ان فرشتوں کی جو خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تھے آمد کی خبر اہالیان سدوم کو اسی نے پہنچائی تھی۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَـهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝

(سورۃ الشعراء آیت 170-171)

ترجمہ: ''سو ہم نے اس کو یعنی لوط کو اور اس سے متعلق سب کو نجات عطا کی بجز ایک بڑھیا کے وہ (عذاب کے اندر) رہ جانے والوں میں سے تھی''۔

حضرت لوط علیہ السلام راتوں رات اپنے متعلقین کے ساتھ اس شہر سے نکل گئے اور اس طرح اس سرزمین سے بحکم الٰہی ہجرت کے اپنے عم محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فلسطین پہنچ گئے اور تا وفات فلسطین ہی میں مقیم رہے۔

آلِ لوط علیہ السلام:

توریت کا بیان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے دو فرزند تھے عمون اور موآنی تھے ان دونوں کی نسلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ شام کے اکثر قبائل ان ہی دونوں فرزندان لوط علیہ السلام سے سلسلہ نسبی رکھتے ہیں۔

قومِ لوط کی معاشرتی بدحالی:

قومِ لوط (علیہ السلام) صرف اس خلاف وضع فطرت گھناؤنے فعل ہی میں مبتلا نہیں تھی بلکہ ان کی اس بدکاری کا دائرہ بہت وسیع تھا!

قدیم تاریخوں میں ان کی معاشرتی بدحالی کی تفصیل سے بیان کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ لوگ سخت ظالم' بدکار' دھوکے باز اور بدمعاملہ

تھے۔مسافران کے علاقے'سدوم سے خیروعافیت سے نہیں گزر سکتا تھا'ان کی پوری بستی سے کسی بھوکے کا پیٹ بھرنا تو بڑی بات ہے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں مل سکتا تھا۔باہر سے آنے والا ان کے شہر میں داخل ہوکر اگر ٹھہرتا تو فاقوں سے مرجاتا'باہر کے تاجروں کو سر بازار لوٹ لیا جاتا تھا۔کوئی فریاد سننے والا نہیں تھا'اسی لئے دوسرے علاقوں اور ملکوں سے ان کے تجارتی روابط نہیں تھے۔شہر سدوم کے باغات کا سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔یہ باغ ان کی بدکاریوں کے اڈے تھے'صرف ایک ذاتِ حضرت لوط علیہ السلام ایسی تھی جو ان کے افعال پر احتجاج کرنے اور ان کو منع کرنے والی تھی۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ (سورۃ العنکبوت آیت 29)

ترجمہ:تم مردوں سے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہو'مسافروں کی راہ مارتے ہو(ان کو لوٹ لیتے ہو)اور اپنی مجلسوں میں علانیہ بدکاریاں کرتے ہو"۔

پس قانونیت مشیت کے مطابق ان کی ان معاشرتی برائیوں اور فساد فی الارض کے نتیجے میں ان کو تباہی کا منہ دیکھنا پڑا اور دنیا سے ان کو مٹا دیا گیا۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط

قوم مدین اور شعیب علیہ السلام

سرزمین مدین کی وجہ تسمیہ:

جیسا کہ آپ قوم عاد و ثمود کے سلسلے میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ عصر قدیم میں مملکت کا نام اس کے بانی کے نام پر رکھا جاتا تھا اسی طرح سرزمین مدین یا مملکت مدین اس کے بانی مدین کے نام سے موسوم ہوئی' مدین کون تھا' اس حقیقت سے واقف ہونے کے لئے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شجرہ نسل اور آپ کی اولاد و احفاد پر نظر ڈالنا پڑے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج:

آپ کی ازواج میں یہ تین بیویاں بہت مشہور ہیں کہ ان ہی تینوں سے اللہ تعالیٰ نے اتنی کثرت سے اولاد عطا فرمائی کہ عرب کی اقوام میں ہر ایک قوم کا سلسلہ ان ہی تینوں بیویوں سے جاری و ساری ہوا ان بیویوں سے جو سلسلے جاری ہوئے وہ اس طرح ہیں' مزید وضاحت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب اور اس کا فروغ پیش خدمت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت سارہ	حضرت ہاجرہ	حضرت قطورا
حضرت اسحاق علیہ السلام اور آپ کی نسل جو بنی اسرائیل کہلائی۔	حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کی نسل بنو اسماعیل کہلائی جو عرب کے تمام خطوں میں پھیلی اور حضور اکرم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی نسل پاک سے ہیں۔	

حضرت قطورا کی اولاد:

زمران	یغسان	مدان	میدان (مدین)	اسباق	سرخ

یغسان: سبا، دوران (اصحاب الایکہ دوان کی نسل سے ہیں۔)

میدان (مدین) ← عیفاہ ← رعوایل ← حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت قطورا کے بطن سے جو چھ فرزند پیدا ہوئے یہ شام و عراق و اردن میں پھیل گئے۔ میدان یا مدین ہی اس قوم کا سربراہ تھا جو اصحاب مدین کہلاتی ہے اور جس کی اصلاح حال کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام مامور ہوئے اور جنہوں نے یہ اعلان فرمایا

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (سورۃ ہود: ۸۴)

اس شجرہ اور سلسلہ نسب کی بنا پر اہالیان مدین یا مدینی قوم آپ کی برادری تھی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ (سورہ ہود: ۸۴)

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔

عبرانی میں آپ کا نام حوباب ہے اور آپ کے والد کا نام رعوایل بتایا ہے ہمارے قدیم مؤرخین میں مسعودی اور دینوری نے آپ کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ ابن اثیر نے کامل میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابن کثیر نے حضرت شعیب علیہ السلام اور اصحاب مدین کے واقعات کو تحریر نہیں کیا ہے۔ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر مختصراً کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، یہی ہمارے ماخذ ہیں اور قرآن حکیم مرجع ہے۔

مدین کا محل وقوع

مدینی قوم خلیج عقبہ کے دونوں ساحلوں پر آباد تھی، مدین نام کا شہر حجاز میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے سرے پر واقع تھا اور آج بھی موجود ہے، مدین ایک تجارتی مرکز تھا، اس شہر پر متعدد بادشاہوں نے حکومت کی، جن کو شیوخ قبائل سے اگر تعبیر کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا! مذہبی اعتبار سے اہل مدین بت پرست تھے ان کے بہت سے بت تھے۔ ان میں بعل نامی سب سے بڑا بت تھا! چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے سب سے اول ان کی بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور فرمایا:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ

ترجمہ: اے میری قوم خدا ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے!

حضرت شعیب علیہ السلام ان کی اخلاقی پستی، فتنہ سامانی اور شر پسندی پر ان کو بار بار تنبیہہ فرماتے تھے۔''

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ط

ترجمہ: ''اور زمین پر اصلاح کے بعد فتنہ وفساد پیدا مت کرو۔''

آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ ارض مدین پہلے فتنہ وفساد، اخلاقی رذائل اور جرم سے پاک علاقہ تھا لیکن مدین کی قوم میں ان کے تمدن اور تجارتی فروغ کے ساتھ اخلاقی پستیوں اور بدکرداریوں نے ان میں راہ پیدا کر لی تھی جس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اونچے اونچے خاندانوں کی لڑکیاں مردوں کو گھیرے رہتی تھیں۔ قربان جائیے قرآنِ کریم کے اس اعجاز پر کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے والد کا پیغام پہنچانے کے لئے آنا، اس طرح بیان فرمایا۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ز قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ط (سورۃ القصص: ۲۵)

ترجمہ: سو موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ان میں سے ایک لڑکی آئی شرم سے لجاتی چلتی ہوئی اور (آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا۔''

اللہ اکبر! کس قدر بلیغ اشارہ ہے ''تمشی علی الحیاء'' میں یعنی اس قوم کی عام لڑکیاں ایسی حیادار نہیں تھیں۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر موآب و مدین کے میدانوں میں خیمہ زن تھے، ان ہی اُونچے خاندان کی لڑکیوں نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر ''بعل فور'' بت کے سامنے ان کے سر جھکا دیئے تھے۔

سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا:

وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ط ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف: ۸۵،۸۶)

ترجمہ: اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو!) تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ تو تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو۔ اور ان چیزوں میں (جو تم ناپ کر یا تول کر دیتے ہو) لوگوں کا نقصان مت کیا کرو، اور تم زمین پر اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ، تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو، اور تم راستوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو، اور ان کو اللہ کی راہ سے روکو، اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو اور تم اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم تعداد میں کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں سے بہت سے افراد نے ان کی دعوتِ توحید کو قبول کر لیا تھا لیکن مدین والوں کی اکثریت اسی بت پرستی، بداطواری اور غلط روش پر قائم رہی! حضرت شعیب علیہ السلام کی اسی اصلاحی دعوت پر ان شرپسندوں اور منکرین افراد کے سربرآوردہ لوگوں نے بڑی ڈھٹائی سے آپ کو دھمکیوں سے بھرپور جواب دیا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ

(سورۃ الاعراف: ۸۸)

ترجمہ: "اس کی قوم کے متکبر سردار بولے، اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مومنوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے

دین میں آجاؤ۔"

ان متکبر سرداروں کا زعم باطل تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو ان کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور جو بانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط

ترجمہ: "میں تو جہاں تک میرا بس چلے گا تمہاری اصلاح کرتا رہوں گا۔"

اسی کو ضلالت و گمراہی کی طرف بلایا جا رہا ہے اور شہر بدر کرنے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا، نادانو! تم کس خیال خام میں پڑے ہو، جس طاغوتیت سے ہماری کراہت و بیزاری کا یہ عالم ہے جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو اس مکروہ امر کی طرف کیا ہم پھر لوٹ آئیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام بار بار قوم کو اس کی بدکاری اور خیانت پر تنبیہ کرتے رہے اور سمجھاتے رہے:

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝ (سورۃ ہود: ۸۵)

ترجمہ: "اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے حد سے مت گزرو۔"

لیکن وہ بٹہ اور سود کھانے والے اور ناپ تول میں ڈنڈی مارنے والے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیتے کہ مال ہمارا ہے، بیوپار ہمارا ہے ہم جس طرح چاہیں اپنے مال سے نفع کمائیں تم کو کیا تعلق ہمارے مذہب میں تو تم دخل دیتے ہی تھے اب ہمارے لین دین اور کاروبار میں بھی تم کیڑے نکالنے لگے اور ہم کو دیانت کا سبق پڑھانے لگے وہ کہنے لگے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ

نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۝

(سورۃ ہود:۸۷)

ترجمہ: ''وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تم کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو! بس ایک تم ہی عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گئے ہو۔''

آپ نے فرمایا تم جو چاہو کہو لیکن میں اس دعوت اصلاح سے باز نہیں آؤں گا اور تم کو سیدھا راستہ ضرور دکھاؤں گا!

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ۝ (سورۃ ہود:۸۸)

ترجمہ: ''میں تو جہاں تک میرا بس چلے گا تمہاری اصلاح کرتا رہوں گا اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

پس تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ میری بات مانو۔

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۝

(سورہ ہود:۸۹)

ترجمہ: ''اے میری قوم میری ضد اور میرا یہ اصرار تمہارے لئے اس امر کا باعث نہ بن جائے کہ آخر تم پر (بھی) اسی طرح کی مصیبتیں آ پڑیں جیسی قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح پر آ پڑی تھیں اور قوم لوط تو تم سے ابھی بہت دور زمانے میں نہیں ہوئی (اس پر جو عذاب نازل ہوا) وہ تو ابھی بہت قریب زمانے کی بات ہے۔''

پس اے مدین والو!

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ○

(سورہ ہود:۹۰)

ترجمہ: ''اور تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو، پھر اس کی طرف متوجہ ہو، بلاشک وشبہ میرا رب بڑا مہربان اور بڑی محبت والا ہے۔''

لیکن وہ اپنی شامت اعمال سے اپنی بدکرداریوں سے باز نہ آئے، قوم کی مسلسل نافرمانیوں سے تنگ آ کر آخر کار حضرت شعیب علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں خود اپنی طرف سے اور مومنین کی طرف سے التجا کی۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ○

(سورۃ الاعراف:۸۹)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔''

بارگاہ الٰہی میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور انجام کار

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ (سورۃ الاعراف:۹۱)

ترجمہ: ''پس ان کو زلزلے نے آلیا اور اپنے گھروں میں (اوندھے کے) اوندھے پڑے رہ گئے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس عذاب نے مدین والوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ○ (سورۃ الاعراف:۹۲)

ترجمہ: ''جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (ان کی یہ حالت ہوگئی) جیسے وہ ان گھروں میں کبھی بستے ہی نہیں تھے۔ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی وہی خسارے میں پڑ گئے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی دعوت توحید قبول کرنے والے صاحبانِ ایمان اس عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (سورۃ ہود: ۹۵،۹۴)

ترجمہ: ''آخر کار جب ہمارے فیصلہ کا وقت آ گیا تو ہم نے (اپنی رحمت سے) شعیب اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں (بے حس وحرکت) پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہیں تھے۔ سنو! مدین والے بھی اسی طرح دور پھینک دیئے گئے جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے۔''

مدین کے اس تباہ کن انجام کے بعد صفحۂ ہستی پر اس قوم کے نشانات باقی رہ گئے۔

علامہ سلیمان ندوی ارض القرآن میں لکھتے ہیں۔

''قوم مدین کی یہ تباہی عام جس کی قرآن نے خبر دی ہے تورات میں صراحتاً مذکور نہیں ہے گو کہیں کہیں اشارے پائے جاتے ہیں۔ بایں ہمہ مدین کا وجود باقی تھا، جس کا نشان تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے۔ مسلمان جغرافیہ نویسوں، ابوالفدا، حاجی خلیفہ وغیرہ نے عموماً مدین کا ذکر کیا ہے۔''

مکتشفین یورپ میں سے بعض اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے، جن میں ایک شخص ''برٹن وزیوجر'' اسماعیل پاشا کے حکم سے ۱۸۷ء میں سونے کی کان کی تلاش میں مدین گیا تھا یہاں بہت سے کتبات بھی ملے جن میں نبطی خط منقوش ہے، رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ (ارض القرآن جلد دوم)

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ○ (سورۃ الحجر، ۷۸)

حضرت شعیب علیہ السلام

اور

اصحابُ الایکہ

قرآن حکیم کی سورہ ''ص'' میں ارشاد ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ○ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ○ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ○ (سورۃ ص: ۱۲، ۱۴)

ترجمہ: ''ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والے جھٹلا چکے ہیں اور وہ گروہ یہی لوگ ہیں ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب ان پر واقع ہو گیا۔

اور اسی طرح سورۃ ''ق'' میں فرمایا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ○ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ○ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ○ (سورۃ ق: ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: ''اس سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں یعنی ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید (عذاب) ان پر محقق ہو گئی۔ (ان پر عذاب نازل کیا گیا)''

سورہ ''ص'' اور ''ق'' دونوں میں ان اقوام کے ساتھ جو قہر خداوندی کا شکار ہوئیں یعنی قوم نوح، عاد و ثمود وغیرہ کے ساتھ اصحاب الایکہ کا ذکر ہے اور اصحاب مدین کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے مفسرین قدیم و جدید میں اکثریت کا خیال یہی ہے کہ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ دونوں ایک ہی قوم ہیں کہیں ان کو اصحاب مدین فرمایا گیا اور کہیں ''اصحاب الایکہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ میں اس موضوع پر بحث نہیں کروں گا۔ بیسویں صدی عیسوی کے عظیم محقق حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے ارض القرآن جلد دوم میں اس سلسلہ میں تحقیق کے بعد لکھا ہے۔

> ''قرآن کی رُد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں کیونکہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیب (علیہ السلام) سے سوال و جواب و طرز خطاب اور پھر آخر بربادی اور طریقہ بیزاری، بالکل مختلف ہے اس بناء پر کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔'' (ارض القرآن جلد دوم)

اس کے بعد علامہ مرحوم اپنی تحقیق کا دائرہ اور وسیع کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

> تیما اور شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے اسی کے قریب دوان کو ہونا چاہئے، یمن سے سواحل بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین سے گزر کر خلیج عقبہ کے کنارے نکل کر تیما وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی ایک نہایت مشہور قدیم تجارتی سڑک واقع ہے جو قدیم زمانے میں ہندوستان، یمن اور مصر و شام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا، اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے۔ وادی القریٰ ثمود کا مسکن، مدین قوم شعیب کی آبادی، سدوم قوم لوط کا مقام اور نیز تبوک، تیما، رقیم (یونانی پڑا) اسی سڑک پر مابین حجاز و شام واقع ہیں، تورات کے لحاظ سے دوان بھی یہیں تھا اور قرآن کہتا ہے کہ اصحاب الایکہ بھی اسی سڑک پر ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مقاماتِ دعوتِ توحید
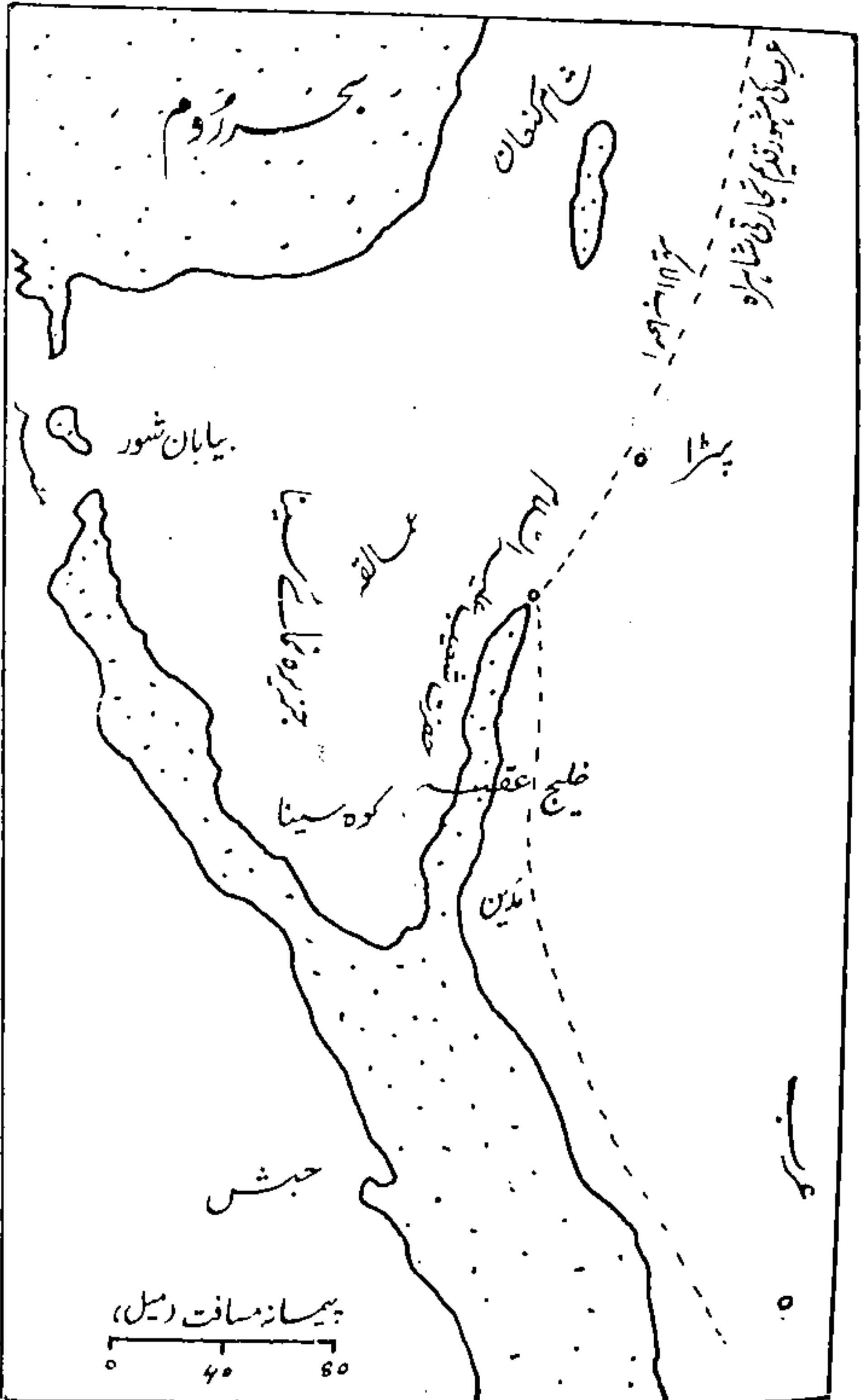
قوم لوط سدوم میں آباد تھی۔اس کے ذکر کے بعد ارشاد ہے۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ○ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○ (سورۃ الحجر:۷۸،۷۹)

------------(ارض القرآن جلد دوم)

آپ کے مطالعہ سے بات گزر چکی کہ اصحاب الایکہ (جنگل والی بستی) تجارتی شاہراہ پر آباد تھے اور مدین کے پڑوسی تھے۔پس ان میں بھی خیانت، کم تولنا اور ناپنا اور لین دین کی دوسری خرابیاں موجود تھیں، پھر مذہب کے اعتبار سے بت پرست تھے۔ان کی اصلاحِ حال کے لئے جب حضرت شعیب علیہ السلام مامور ہوئے تھے تو اپنے آباؤ اجداد کی طرح انہوں نے بھی ان پیغمبروں اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی جیسا کہ ارشاد ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (سورۃ الشعراء:۱۷۶)

ترجمہ: ''بن کے رہنے والوں نے پیغمبر کی تکذیب کی۔''

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی اصلاح کا کام شروع کیا، باوصف تفحص یہ صراحت نہیں مل سکی کہ ان ''جنگل والوں'' کی اصلاح پر حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین کی تباہی سے پہلے یا اس کے بعد ان کی اصلاح کا کام شروع کیا۔بہر حال آپ نے اولاً افہام و تفہیم سے کام لیا، جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ الشعراء:۱۷۷تا۱۸۰)

ترجمہ: ''جبکہ شعیب نے ان سے کہا، کیا تم ڈرتے نہیں، میں تو تمہارے لئے ایک دیانتدار رسول ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (میرا کہا مانو) میں اس کام پر تم سے کسی معاوضہ کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر

تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔"

اصحاب الایکہ بھی مدین والوں کی طرح معاشرتی برائیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ قوم بھی تجارتی شاہراہ پر تھی تجارت اور لین دین میں بددیانتی اور بدعنوانیاں کیا کرتے تھے نتیجتاً روزمرہ اس سلسلہ میں جھگڑے ہوتے تھے۔ یوں سمجھئے کہ اس لین دین اور سود بٹے کا جو کاروبار مدین والوں نے شروع کیا تھا۔ اس میں یہ بھی ان کے شریک تھے اگر شریک نہیں تو ان کے پیروکار ضرور تھے۔

چنانچہ حضرت شعیب (علیہ السلام) نے مذہبی اصلاح کی دعوت کے بعد ان کی ان لین دین کی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان سے کہا

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ○ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ○ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ○ وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ○

(سورۃ الشعراء: ۱۸۱ تا ۱۸۴)

ترجمہ: "(اے لوگو!) پیمانے پورے بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں (ڈنڈی مار کر) نہ دو، زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، اور اس ذات کا خوف کرو جس نے تم کو اور پچھلی نسلوں کو پیدا کیا ہے۔"

ان بدقماشوں اور لین دین میں ہیر پھیر کرنے والوں نے آپ کی نصیحت کا اثر لینا تو بڑی بات تھی الٹا آپ کو سحر و کذب سے متہم کیا اور کہنے لگے:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ (سورۃ الشعراء: ۱۸۵، ۱۸۶)

ترجمہ: "بولے (اے شعیب) تم پر تو سحر کر دیا گیا ہے تم اور کچھ نہیں بس ہم ہی جیسے آدمی ہو اور ہمارے خیال میں تو تم جھوٹے ہو۔"

اور اگر تم اپنے دعوئٰ رسالت میں سچے ہو تو پھر یہ کرو کہ!

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝

(سورۃ الشعراء:۱۸۷)

ترجمہ: ''سو اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔''

اس ناہنجار و بداطوار قوم نے خود اپنے لئے عذاب کا انتخاب کیا اور اس کو حضرت شعیب علیہ السلام کی صداقت کا معیار بنایا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝ (سورۃ الشعراء:۱۸۹)

ترجمہ: ''پس یہ لوگ برابر حضرت شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلاتے رہے پھر ان کو سائبان کے عذاب نے آ پکڑا، بے شک وہ بڑے عذاب کا دن تھا۔''

سائبان یا چھتری کا عذاب یہ تھا کہ ایک دن (ضرور ان کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا) بہت ہی سخت گرمی پڑی اللہ تعالیٰ نے گرمی کو ان پر مسلط کر دیا پھر ایک ابر نمودار ہوا۔ بستی کے تمام لوگ اس ٹھنڈی ہوا لانے والے ابر کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس ابر سے پھر ٹھنڈی ہوا کے بجائے آگ برسنے لگی اور یہ تمام مفسدین فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ اور دنیا میں شامت اعمال کے ساتھ نام باقی رہ گیا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۝ (سورۃ الحجر:۷۸،۷۹)

ترجمہ: ''اور اصحاب الایکہ (بن والے) بڑے ظالم تھے سو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور دونوں بستیاں (سدوم اور ایکہ) کھلے راستہ پر ہیں۔''

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ۔

(سورۃ المومن: ۲۳، ۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام وفرعون

نسب

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس طرح ملتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
آپ کی ازواج
حضرت سارہ — حضرت ہاجرہ — حضرت قطورا
(حضرت سارہ سے) حضرت اسحاق علیہ السلام
آپ کی زوجہ جناب ربقہ
عیسو (ادوم) — حضرت یعقوب علیہ السلام
ازواج یعقوب علیہ السلام
لیاہ — بلباہ — زلفہ — راحیل
لیاہ — راحیل
(لیاہ سے) روبن ، شمعون ، لاوی ، یہوراہ ، اشکار ، زبلون
(راحیل سے) حضرت یوسف علیہ السلام — بن یامین
(لاوی سے) قاہث
عمران
حضرت ہارون علیہ السلام — مریم — حضرت موسیٰ علیہ اسلام
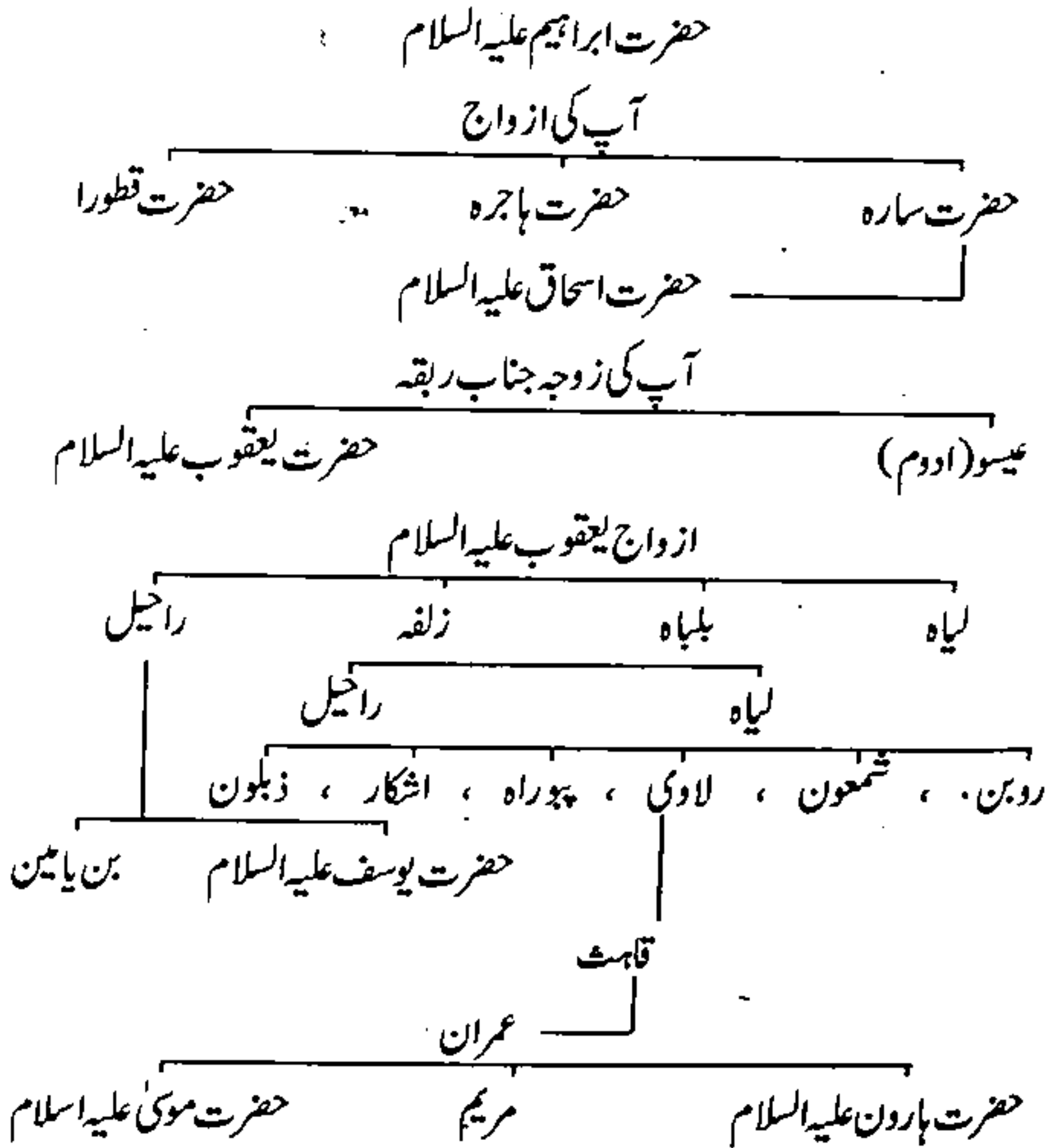
اس طرح آپ کے شجرہ کا سلسلہ یوں ہوا۔

موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام، مورخین اسلام نے اسی سلسلہ نسب کو تسلیم کیا ہے، البتہ علامہ ابن کثیر نے قاہث اور لاوی کے درمیان ایک سلسلہ اور بیان کیا ہے یعنی قاہث بن عازر بن لاوی وہ لکھتے ہیں۔

"وھو موسیٰ بن عمران بن قاھث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم علیھم السلام"

آپ کا سالِ ولادت حسب تورات ۱۵۲۰ ق م ہے اور سالِ وفات ۱۴۰۰ ق م ہے اس حساب سے آپ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ آپ کا مولد مصر ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان سے تشریف آوری کے بعد مستقلاً یہاں بس گئے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں خوب بڑھی اور اس کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، عمران کے والد قاہث کنعان سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"عمران کی عمر تہتر سال تھی جب ہارون (علیہ السلام) پیدا ہوئے اور اسی سال کی عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی صلب سے پیدا ہوئے۔

توریت میں مذکور ہے فراعنہ مصر سے ایک فرعون، حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بعد تخت نشین ہوا وہ بنی اسرائیل کی قدر و منزلت سے ناواقف تھا اور نہ ان کے آباؤ اجداد سے آگاہ تھا اس نے بنی اسرائیل کا خون مباح کر دیا اور ان سے نہایت ذلت آمیز کام لینے لگا۔ کاہنوں نے اس سے کہا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے جو تمہارے ملک کا مالک اور تمہاری بربادی کا باعث ہوگا......

فرعون نے بنی اسرائیل کی نسل ختم کرنے کے لئے ان کے مردوں کو عورتوں

سے علیحدہ کر دیا اور لڑکوں کو قتل کرنے لگا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمران کے یہاں پیدا ہوئے۔''

------------(ابن خلدون تاریخ الانبیاء)

فرعون کے اس غرور اور ظالمانہ عمل کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح خبر دی ہے۔

طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝ (سورۃ القصص:۱تا۶)

ترجمہ: ''طسم! یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں، ہم تم کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک سناتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے سرزمین (مصر) میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کا زور گھٹا رکھا تھا۔ اس (گروہ) کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا واقعی وہ بڑا مفسد تھا (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور زمین (مصر) میں گھٹ گیا ہے ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بناویں اور دنیا میں ان کو مالک بنائیں اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون و ہامان کو اور ان کے متبعین کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔''

ان ابتدائی آیات میں قرآن حکیم نے کمال اعجاز و ایجاز کے ساتھ فرعون کے کرتوت بنی اسرائیل پر اس کے مظالم اور بنی اسرائیل کے ضعف کو سطوت و دبدبے سے بدل ڈالنے اور ان کو عطائے ملک و مال اور اُمت کی پیشوائی پر فائز کرنے ......اور فرعون اور ہامان اور ان کے متبعین کو اس فساد کی سزا کی وعید بیان فرمادی ہے۔

فرعون کے اس ظلم و ستم اور تعدی کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ جناب عمران کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، جب حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تو بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کا ظالمانہ دستور جاری و ساری نہیں تھا۔ اس لئے ان کی پرورش بغیر کسی بیرونی خطرے کے ہوئی لیکن موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت صورتحال دوسری تھی چنانچہ آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی والدہ سخت پریشان تھیں پس ان کو باری تعالیٰ کی جناب سے الہام ہوا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (سورۃ القصص: ۷)

ترجمہ: ”ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ اس (بچے) کو دودھ پلا، پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف و غم نہ کر، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے کر آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ بچے کی پیدائش اب زیادہ مخفی نہیں رہ سکتی، ہر طرف جاسوس لگے ہوئے تھے تو ارشاد خداوندی پر بھرپور بھروسہ کرتے ہوئے آپ کو ایک تابوت میں رکھ کر آپ کی والدہ نے دریائے نیل میں ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق دشمنوں ہی کے ہاتھ سے آپ کو دریائے نیل سے نجات بخشی۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ ا (سورۃ القصص:۸)

ترجمہ: ''آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے دریا سے نکال لیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے موجب رنج وغم بنے (یہ بات ان پر ظاہر نہیں تھی)''

فرعون نے جب اس بچے کو دیکھا تو چاہا کہ قتل کر دے، لیکن اس کی بیوی مانع ہوئی اور قتل سے روکا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (سورۃ القصص:۹)

ترجمہ: ''فرعون کی بیوی نے اس سے کہا کہ یہ میرے لئے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کر، کیا عجب کہ یہ ہمارے لئے نفع بخش ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے۔''

کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر میں اپنے ایک شخص کی پرورش کریں گے اور وہی ان کے لئے بربادی کا سامان کرے گا! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے یہ فرمایا تھا کہ ''انا رادوہ الیک'' اس وعدہ کے لئے اسباب یہ فراہم کئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب دایہ کو دودھ پلانے کے لئے دیا گیا تو آپ نے دودھ نہیں پیا، یکے بعد دیگرے بہت سی دودھ پلانے والی عورتیں آئیں لیکن آپ نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی امر کی خبر دیتا ہے۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (سورۃ القصص:۱۲)

ترجمہ: ''اور ہم نے پہلے ہی بچے پر دودھ پلانے والیوں (کی چھاتیوں) کو حرام کر رکھا تھا۔ بچے کی جدائی میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا برا حال تھا۔''

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ

رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ز فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(سورۃ القصص: ۱۰ تا ۱۳)

ترجمہ: ''اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دے اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا، تا کہ وہ اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی بنی رہے، مادرِ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے پس وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے اور ہم نے حرام کر دیں اس پر دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے ہی تو موسیٰ کی بہن نے کہا کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ دوں جو تمہاری خاطر اس کی پرورش کریں اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔'' چنانچہ آپ کی والدہ آپ کو دودھ پلانے پر مقرر ہو گئیں۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دید سے ان کا دل ٹھنڈا ہوا، اور وہ ان کے دودھ پر پرورش پاتے رہے، اس کے بعد فرعون کے محل میں ان کی پرورش ہوتی رہی، فرعون اور اس کے گھر والوں نے آپ کا نام موسیٰ رکھا، چونکہ تمام قبطیوں (اہل مصر) کو معلوم تھا کہ فرعون کی ملکہ نے آپ کو گود لیا ہے اس لئے شہر میں آپ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، جب آپ جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و دانائی سے بہرۂ وافر عطا فرما دیا۔''

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط وَكَذٰلِكَ

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝ (سورۃ القصص:۱۴)

ترجمہ: ''جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کی نشو ونما مکمل ہوگئی تو ہم نے اس کو حکمت اور علم عطا کیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شاہی محل سے شہر میں آنا جانا تھا چنانچہ ایک دن

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ز هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ج فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ لا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ز قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ۝ (سورۃ القصص:۱۵)

ترجمہ: ''(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ شہر والے غفلت میں تھے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں (جدال وقتال میں مصروف ہیں) ان میں سے ایک اس کی اپنی قوم کا آدمی تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم کا، اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم کے آدمی کے خلاف اس کو اپنی مدد کے لئے پکارا، موسیٰ نے اس کے ایک مکا (گھونسا) مارا اور وہ مر گیا، موسیٰ نے کہا کہ یہ شیطانی عمل ہے۔ بیشک شیطان سخت دشمن اور کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی حمایت میں گھونسا یا مکا اس ارادے سے نہیں مارا تھا کہ وہ مر جائے اتفاق سے ایسا ہوا۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ہی وجہ سے شیطانی کارروائی قرار دیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝ (سورۃ القصص:۱۶)

ترجمہ: ''اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا میری مغفرت فرما دے۔''

چنانچہ ان کی اس نادانستہ خطا کو معاف فرما دیا گیا۔ فغفرلہ (چنانچہ اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی) جب دوسرا روز ہوا تو پھر ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ○ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○

(سورۃ القصص آیات ۱۸ تا ۲۱)

ترجمہ: ''پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور دہشت کی حالت میں کہ (اچانک کیا دیکھتے ہیں) وہی شخص جس نے کل (گزشتہ) ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر ان کو مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ بیشک تو صریح بدراہ (شخص) ہے سو جب موسیٰ نے اس پر (مدد کے لئے) ہاتھ بڑھایا جو ان دونوں کا مخالف تھا تو وہ کہنے لگا، اے موسیٰ (کیا آج تو مجھے (بھی) اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جیسا کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے (معلوم ہو رہا ہے کہ) پس تو دنیا میں اپنا زور پھیلانا چاہتا ہے اور صلح وملاپ کروانا نہیں چاہتا اور اس کے بعد ایک شخص شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا! موسیٰ! سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں، یہاں سے (جلد) نکل جا، میں تیرا خیر خواہ ہوں یہ خبر سنتے ہی موسیٰ ڈرتا سہا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں سے

بچا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خبر سے مطلع ہو کر ارض مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا! اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی جب آپ مدین میں داخل ہوئے تو وہاں دیکھا کہ ایک کنوئیں پر بہت سے لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو لڑکیاں الگ تھلگ کھڑی ہیں۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے گلہ کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا، اس کے بعد ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ان لڑکیوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی اس اعانت کا تذکرہ اپنے بوڑھے باپ سے کیا۔ ان کے بوڑھے باپ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ کی تمام سرگزشت سن کر کہا۔

قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝

ترجمہ: "مت ڈرو، تم کو ظالم قوم سے نجات مل گئی۔"

پھر ان بزرگ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں، اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ پیر مرد حضرت شعیب بن نوفل بن عیقا بن مدین علیہ السلام ہی تھے، علامہ طبری کہتے ہیں کہ جس پیر مرد نے اپنی لڑکی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا وہ رعویل تھے جو مدین کے عظیم کاہنوں میں سے تھے۔

صاحب البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر) بھی اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکے وہ کہتے ہیں:۔

"وصرح طائفة بان شعيبا عليه السلام عاش عمرا طويلا بعد هلاك قومه حتى ادركه موسىٰ عليه السلام و تزوّج بابنتيه"

ترجمہ: "مفسرین کی ایک جماعت نے یعنی چند مفسرین نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد بہت مدت تک

زندہ رہے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی اور
انہوں نے اپنی ایک بیٹی آپ کی زوجیت میں دے دی۔"

میں اس سلسلہ میں مزید بحث نہیں کروں گا صرف اتنا عرض کروں گا کہ ہمارے مفسرین کی کثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ مرد بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور جن صاحبزادی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجیت میں دیا وہ جناب صفورہ تھیں۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معاہدے کے تحت جو صفورہ سے شادی کے سلسلے میں قرار پایا تھا دس سال تک ان مرد بزرگوار کے پاس مدین میں مقیم رہے۔ اس اثناء میں آپ کے ایک فرزند بھی پیدا ہوا۔ گیارہویں سال موسم سرما میں آپ مدین سے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے اثنائے سفر میں آپ راستہ بھول گئے۔ یہ مقام وادی سینا تھا، مجبوراً اندھیرے کی وجہ سے آپ کو یہاں رکنا پڑا۔ سردی کے باعث آگ کی ضرورت شدت سے محسوس کی لیکن ان کو کہیں سے آگ حاصل نہ ہو سکی۔ کچھ رات گزرنے کے بعد آپ نے دیکھا کہ طور سینا پر آگ جل رہی ہے اور اس کی روشنی اطراف میں پھیل رہی ہے۔ آپ نے گھر والوں سے کہا کہ تم یہی رہو۔ میں اس طرف جاتا ہوں۔ شاید وہاں سے آگ لے آؤں یا راستے کا پتہ مل جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جس قدر آگ کی طرف بڑھتے تھے اتنی ہی وہ آگ دور ہو جاتی تھی۔ آخر کار آپ اس درخت کے قریب پہنچے جس پر وہ روشنی تھی، اس آگ میں درخت سرسبز اور ہرا بھرا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں سے پلٹنا چاہا تو درخت سے آواز آئی۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ
مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝

(سورۃ القصص: ۳۰)

ترجمہ: "سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو آپ کو اس میدان کی داہنی
جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ!

میں اللہ رب العلمین ہوں۔''
حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آواز کو سن کر حیران و ششدر رہ گئے جب کچھ دیر بعد آپ سے وہ حیرت دور ہوئی تو پھر خطاب ہوا۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ط فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ○ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ز وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ز اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ج بِاٰيٰتِنَآ ج اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ○

(سورۃ القصص: ۳۱ تا ۳۵)

ترجمہ: ''اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو، سو انہوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ ہوتا ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں تم (ہر طرح) امن میں ہو، تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بغیر کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا وہ ہاتھ (پھر) اپنے (گریبان اور بغل) سے بدستور سابق ملا لینا، سو یہ تمہاری نبوت کی دو سندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے رعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے، کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔''

انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر

دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ رسالت دے دیجئے کہ وہ میری تائید و تصدیق کریں گے کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔

ارشاد ہوا کہ ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت اور ہیبت عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی۔ ہمارے معجزے لے کر تم جاؤ، تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے۔"

حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام کے ساتھ مصر میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) مصر کی طرف آرہے ہیں اور تم ان کے ہمراہ ادائے رسالت کے لئے جانا، حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشوائی کے لئے مصر سے باہر نکلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون (علیہ السلام) کی معیت میں مصر میں داخل ہوئے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام فرعون تک کسی نہ کسی طرح جا پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (سورۃ الشعراء:۱۶، ۱۷)

ترجمہ: "ہم تمام عالموں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں (اور ہمارا پیام یہ ہے کہ) ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔"

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی زبان کی لکنت کے باعث پہچان لیا اور نہایت حقارت کے لہجہ میں آپ سے سوال کیا۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَفَعَلْتَ

فَعَلْتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ○ (سورۃ الشعراء:۱۸،۱۹)

ترجمہ: ”اور کیا تو چند سال ہمارے یہاں نہیں رہا (پرورش پاتا رہا) اور کیا تو نے وہ کام نہیں کیا، جو کیا (قبطی کا قتل) اور اب اس (کام) کے انکار کرنے والوں میں سے ہے۔“

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ○ (الشعراء: آیت ۲۰)

ترجمہ: ”میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں نادانوں میں سے تھا۔“

اور یہی سبب تھا کہ میں یہاں سے تم لوگوں کے خوف سے بھاگ گیا، اگر مجھے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا ہوا ہوتا تو ایک نبی کے شایاں نہیں کہ وہ دشمنوں سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کرے اور اب جبکہ میں تیرے پاس آیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے منصب نبوت عطا فرمایا ہے اور تیری اور تیری قوم کی اصلاح پر مامور فرمایا ہے۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ○ (سورۃ الشعراء:۲۱)

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استفسار کیا۔

ما رب العٰلمين، یہ رب العالمین کیا ہے۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذاتِ الٰہی اور اس کی توحید کے ایسے دلائل پیش کئے جن کا رد فرعون نہیں کر سکا۔ بس غصے سے تلملا کر رہ گیا اور طیش میں آ کر کہا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ○

(سورۃ الشعراء:۲۹)

ترجمہ: ”اگر تو میرے سوا کسی اور کو خدا بنائے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر میں اپنی رسالت کے ثبوت میں

معجزے پیش کروں تب تو مانے گا۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو دکھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینک دیا اور وہ اسی دم سانپ بن گیا پھر آپ نے ''ید بیضا'' کا معجزہ دکھایا، لیکن فرعون نے اپنے اُمرا سے کہا

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ○ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ○ (سورۃ الشعراء: ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: ''فرعون نے اُمرائے دربار سے جو اس کے اردگرد بیٹھے تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے، اس کا اصل مدعا یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے، سو (اب) تم کیا مشورہ دیتے ہو۔''

اُمراء کے مشورے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے سلطنت کے تمام شہروں سے جادوگر بلوائے گئے ان کو غالب آنے کی صورت میں انعام واکرام سے نوازنے اور اپنا مقرب بنانے کا وعدہ کیا گیا، ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی رسیاں پھینکیں جو نظر بندی کے باعث سانپ نظر آنے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر ان تمام سانپوں کو نگل گیا جادوگروں نے یقین کرلیا کہ یہ ساحری نہیں ہے بلکہ نشانِ نبوت اور معجزہ ہے چنانچہ وہ سب کے سب ایمان لے آئے۔ اسی سورۃ الشعراء میں یہ تمام واقعات بکمال ایجاز و اعجاز بیان فرمائے گئے ہیں۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ○ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ○ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ○ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ قَالَ

لَهُم مُّوسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ○ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ○ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ الشعراء: ۳۰ تا ۵۱)

ترجمہ: ”(درباریوں نے) کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو روک لیجئے اور (اپنی مملکت کے) شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس حاضر کریں، غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت میں جمع کئے گئے اور فرعون کی طرف سے لوگوں میں یہ اشتہار کیا، تم سب جمع ہو گے (یعنی جمع ہو جاؤ) شاید کہ ہم جادوگروں کے دین پر رہ جائیں اگر وہ غالب رہے۔“

پس جب جادوگر میدان میں جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے، اس نے کہا ہاں اور تم تو اس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے جادوگروں سے کہا کہ پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے کہ فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے، پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا تو یکا یک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرنے لگا، اس پر تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اُٹھے کہ مان گئے ہم ”رب العالمین“ کو موسیٰ اور ہارون کے رب کو۔

فرعون نے کہا کہ تم موسیٰ کی بات مان گئے (اس کے رب پر ایمان لے آئے) قبل اس کے کہ میں تم کو اجازت دیتا، ضرور یہ جادو میں تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا، انہوں نے جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں، ہم اپنے مالک (حقیقی) کے پاس جا پہنچیں گے اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ ہم (اس موقع پر) سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔"

چنانچہ ان سب کو فرعون نے سولی پر لٹکا دیا اور یہ حضرات درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ بنی اسرائیل جن کی تعداد مصر کی مملکت میں لاکھوں سے متجاوز تھی اور خود فرعون کے دارالسلطنت میں ان کی تعداد قبطیوں سے کچھ کم نہ تھی لیکن فرعون کا رویہ ان کے ساتھ نہایت ہی سفاکانہ تھا، ان کے ذلیل کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا، فرعون کے دارالسلطنت میں وہ علی الاعلان معبود حقیقی کی عبادت نہیں کر سکتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان مومنین سے کہو کہ اپنے گھروں میں ایک مخصوص جگہ اپنی عبادت کے لئے مقرر کر لیں، مصر سے باہر بنی اسرائیل نے کچھ بستیاں تیار کر لی تھیں۔

فرعون کے جابرانہ اور خود پرستانہ رویہ کی بنا پر اور اس وعدہ الٰہی کو پورا کرنے کے لئے جو آل ابراہیم و آل یعقوب علیہما السلام سے کیا گیا تھا کہ تمہاری قوم کو "ارض موعود" میں ایک دن پہنچایا جائے گا فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بارہا یہی تقاضہ کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے میرے ساتھ نکل جانے دو، اب تک فرعون کی شکست خوردہ ذہنیت بنی اسرائیل پر ظلم ڈھا رہی تھی، شاہی عمارتیں تعمیر کی جاتیں تو ان سے گارا اور اینٹیں بنوائی جاتیں وہ مزدوروں کے کام میں لگائے جاتے، ان کی نسل کو ختم کرنے کی مختلف تدابیر کی جاتیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے دعویٰ خدائی پر کاری ضربیں لگائیں

اور اس کے طلب کردہ جادوگر بھی خدائے واحد و رب العالمین پر ایمان لے آئے تو فرعون نے اسرائیلیوں پر مظالم اور زیادہ کر دیئے، بنی اسرائیل نے پریشان ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ

(سورۃ الاعراف:۱۲۹)

ترجمہ: ''وہ کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی اور فرمایا

قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف:۱۲۹)

ترجمہ: ''موسیٰ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور ان کے بجائے تم کو اس زمین کا مالک بنا دے گا پھر وہ تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کی ہلاکت کے سامان اس طرح پیدا فرمائے کہ ان کو یکبارگی ہلاک اور برباد کرنے اور ان پر عذاب آخری سے پہلے طرح طرح کی صعوبات ارضی و سماوی میں ان کو مبتلا کیا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۝

(سورۃ الاعراف:۱۳۳)

ترجمہ: ''آخرکار ہم نے ان پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل چھوڑے، مچھر اور چھوٹی کلیاں چھوڑیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا یہ سب نشانیاں الگ الگ کر کے دکھائیں مگر وہ سرکشی کیے چلے گئے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔''

یہ تمام عذاب یکبارگی نازل نہیں ہوئے جیسا کہ آیت سابقہ میں فرمایا گیا ہے بلکہ وقفہ وقفہ سے ان میں سے ہر عذاب نازل ہوتا رہا اور یہ ان ہی تسع آیات میں شامل ہیں جن کے بارے میں خبر دے دی گئی تھی۔

ان بلاؤں میں سے جب کوئی عذاب نازل ہوتا تو عاجز و پریشان ہوتے تو فرعون اور قوم فرعون کہتی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) تم کو اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے۔اس کی بنا پر ہمارے لئے رب سے دعا کرو اگر اب کے یہ عذاب ہم سے ٹل گیا تو پھر ہم تمہاری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے مگر جب ایک وقت معینہ تک کے لئے ان سے یہ عذاب اٹھالیا جاتا تو فرعون اپنے وعدہ سے پلٹ جاتا، اس طرح یکے بعد دیگرے یہ تمام عذاب ان پر نازل ہوئے اور ہر بارہ وہ وعدہ خلافی ہی کرتے رہے اور فرعون اپنی فرعونیت سے باز نہ آیا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ○ (الاعراف:۱۳۶)

ترجمہ:''پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔''

اور پھر اس دنیاوی عذاب آخرین کے بعد قبطیوں پر زوال آ گیا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○ (سورۃ الاعراف:۱۳۷)

ترجمہ:''اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور تمہارے رب کا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا

ہو گیا اور ہم نے فرعون کو اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں اور جو
کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم و برہم کر دیا۔''
قرآن حکیم نے ان طوفانوں کی تفصیل بیان نہیں کی ہے، تورات میں ان متعدد طوفانوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے، تورات کی کتاب خروج میں اس کی تفصیل کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور تمام مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

فرعون اور اس کے لشکر کا انجام

فرعون کی وعدہ خلافی سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی، قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ یونس:۸۸،۸۹)

ترجمہ: ''اور موسیٰ نے عرض کیا (دعا میں) اے ہمارے رب بیشک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ تجمل اور طرح طرح کے مال، دینوی زندگی میں دے دیئے ہیں، کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے رب! ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا، تم دونوں کی دعا قبول کی گئی ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے طریقے پر ہرگز نہ چلو جو علم نہیں رکھتے۔''

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○

(سورۃ الشعراء:۵۲)

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو رات کے وقت لے کر نکلو، فرعونیوں کی طرف سے تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

اور یہ بشارت بھی آپ کو دیدی، فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا جائے گا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام راتوں رات تمام اسرائیلیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (سورۃ الدخان:۲۴)

ترجمہ: ''اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا۔''

فرعون کا دارالسلطنت اگرچہ رعمیس تھا، ممفس اس کے بعد سب سے عظیم شہر تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگروں نے اسی شہر میں مقابلہ ہوا تھا اور آپ اسی شہر سے بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تھے راستہ میں جگہ جگہ بنی اسرائیل اس قافلہ میں آ کر شامل ہوتے رہے! جب آپ دریا...... پر پہنچے تو آپ نے حسب الحکم الٰہی دریا پر عصا مارا دریا پھٹ گیا اور بنی اسرائیل کے عبور کے لئے راستہ بن گیا۔''

قدیم مورخین میں علامہ مسعودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو نہایت اختصار سے لکھا ہے اور فرعون کے لشکر کی بربادی کے سلسلہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اسے (یعنی فرعون کو) غرق کر دیا اور موسیٰ کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل کر ''البتہ'' جانے کا حکم دیا۔ (مروج الذہب جلد اوّل)

ابوحنیفہ دینوری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کو تحریر ہی نہیں کیا:

علامہ حافظ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ میں ''ضرب عصا'' کا ذکر کرتے ہیں، لیکن بحر کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے،...... (ذکر موسیٰ علیہ السلام البدایۃ والنہایۃ)

علامہ ابن خلدون تاریخ الانبیاء میں رقم طراز ہیں:۔

بنی اسرائیل کی تعداد اس وقت چھ لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ بیان کی جاتی ہے، دریا کے کنارے پہنچ گئے تھے کہ فرعون کو یہ خبر لگی فوراً مصر کے گردونواح

کے شہروں سے کچھ فوجیں جمع کرلیں اوران کے تعاقب میں روانہ ہوا، جس وقت بنی اسرائیل دریائے نیل کے کنارے کوہ طور کے سامنے پہنچے فرعون بھی اپنا لشکر لیئے ہوئے آ پہنچا، موسیٰ (علیہ السلام) نے بحکم خداوندی اپنا عصا دریا پر مارا، دریا پھٹ گیا اور سات راستے ظاہر ہو گئے، موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کے ساتھ اس میں سے پار گزر گئے اور فرعون مع اپنے لشکر کے ان کے تعاقب میں بڑھا نصف دریا ہی تک پہنچا تھا کہ موجوں کے تھپیڑوں نے اسے اس کی فوج کے ساتھ ہلاک کر دیا۔''

یہاں بھی یہ بات تشنہ رہی کہ کس دریا کو عبور کیا یا سمندر کو عبور کیا، اس سلسلہ میں کسی بحث کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے، صاحب تفہیم القرآن نے جلد دوم میں خروج بنی اسرائیل کا نقشہ پیش کیا ہے اور پاورق میں جو حواشی تحریر کیے ہیں وہ بڑے بصیرت افروز ہیں اور ان کے مطالعہ سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس پانی سے عبور کیا تھا۔

قرآن حکیم میں اس سلسلہ میں یہ ارشاد ہے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ (سورۃ الشعراء: ۶۰ تا ۶۶)

ترجمہ: ''غرض سورج نکلنے کے وقت (لشکر فرعون نے) ان کو پیچھے سے جالیا پھر جب دونوں جماعتیں (ایک دوسرے سے اتنی قریب ہوئیں کہ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) کہنے لگے (اے موسیٰ) بس ہم تو (ان کے) اب ہاتھ آ گئے، موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ میرا

رب میرے ساتھ ہے وہ مجھ کو (دریا سے نکلنے کا) ابھی راستہ بتلا دے گا پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا عصا دریا پر مارو، چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑا پہاڑ! اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع (جگہ) کے قریب پہنچا دیا اور ہم نے موسیٰ کو اور ان کے ساتھ والوں کو سب کو بچا لیا پھر دوسروں کو غرق کر دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو)۔''

ڈوبتے وقت فرعون نے زبان سے ایمان کا اقرار کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ نزول عذاب میں کسی کا اقرار ایمان قبول نہیں کیا جاتا! ڈوبتے وقت فرعون پکار اٹھا!

حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ (سورۃ یونس: ۹۰ تا ۹۲)

ترجمہ: ''حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا ''میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی اس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔ (سر اطاعت جھکاتا ہوں) جواب دیا گیا، کیا اب ایمان لاتا ہے تو (اس عذاب سے پہلے) سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا، آج ہم تیرے بدن کو (یعنی لاش کو) نجات دیں گے (وہ پانی میں تہ نشیں نہیں ہوگی) تاکہ تو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنے۔''

چنانچہ آج بھی منفتاح کی نعش جسے عصر حاضر کی تحقیق نے فرعونِ موسیٰ قرار دیا ہے۔ قاہرہ کے عجائب خانے میں دیکھنے والوں کے لئے درس عبرت ہے، بیسویں صدی کے اوائل میں جب منفتاح کی حنوط شدہ نعش سے کچھ پٹیاں کھولی گئیں تو جگہ جگہ نمک کی

تہ جمی ہوئی تھی جو اس امر کی شاہد تھی کہ یہ کھاری پانی میں غرق ہوا تھا۔ اس شہادت سے عصر حاضرین کے ان بعض محققین کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحیرۂ مردار یا میت کو عبور کیا تھا اور فرعون اسی بحر مردار میں اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا تھا۔"

عبور بحر کے بعد بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلقات کا نیا دور شروع ہوتا ہے جو ان کی نافرمانیوں کا ایک طویل قصہ ہے۔ یہ نافرمان انعامات الٰہی سے سرفراز ہوتے رہے اور نافرمانیاں کرتے رہے۔ آخرکار چالیس سال تک یہ دشت تیہ میں پھرتے رہے۔ میں ان واقعات کو بیان نہیں کروں گا کہ مجھے ان اقوام کا تذکرہ مقصود ہے جو غضب الٰہی سے ہلاک ہوئیں تمام مصلحین حضرات یعنی پیغمبران برحق ان کی اصلاح کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔

مصریوں کی مذہبی حالت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصریوں کی عام مذہبی حالت ان کے اسلاف کی مذہبی حالت سے کچھ الگ نہیں تھی وہی مظاہر پرستی اور صنم پرستی ان کا مذہب تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسان کو اپنا معبود بنا بیٹھے تھے۔ چنانچہ انسانی خدا جتنے مصر میں بنائے گئے، شاید ہی کسی مملکت میں بنائے گئے ہوں فراعنۂ مصر میں جن کا سلسلہ بہت طویل ہے ہر فرعون مصریوں کا معبود تھا۔

علامہ آزاد مرحوم ترجمان القرآن میں مصریوں کی صنم پرستی کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:۔

"مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے۔ جیسے نیفات، فتا اور مات اور بعض عالمگیر قوتوں کے الگ الگ مظاہر تھے جیسے اوزیرس عالم آخرت کا خدا، میدادرت، آسمان کا خدا، کینمو جسم بنانے والا، ایزیز، روح بخشنے والی

(دیوی) طوط عمر کی مقدار مقرر کرنے والا، ہوراس، درد وغم دور کرنے والا، عاثور (گائے) رزق بخشنے والا اوران سب سے برتر آمن راع یعنی سورج کا دیوتا۔

نیز مصریوں میں اُلوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشوونما پا چکا تھا اور تاجداران مصر نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر لی تھی، ان کا لقب فاراع اسی لئے ہوا کہ وہ سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے!

--------------------(ترجمان القرآن جلد دوم)

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے ہی سے الوہیت آمیز شاہی کے بجائے خدا کی دعویدار شاہی شروع ہو چکی تھی چنانچہ نمرود خدائی کا مدعی تھا۔ یہی حال ان فراعنہ مصر کا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ہمارے قدیم مؤرخین نے ولید بن مصعب بتایا ہے، لیکن انیسویں صدی کی اثری تحقیقات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس فرعون کے عہد میں پیدا ہوئے وہ رعمیسیس دوم تھا اور جس فرعون کو آپ نے دعوت توحید دی، اس کے سامنے معجزے پیش کئے اور بالآخر بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ہجرت فرمائی وہ اسی رعمیسیس دوم کا بیٹا منفتاح تھا یہ بھی اپنے باپ کی طرح خدائی کا مدعی تھا۔

قرآن پاک میں اس کا دعویٰ خدائی اس طرح مذکور ہے۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ○

(سورۃ الشعراء:۲۹)

ترجمہ: ''اس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو قید کر دوں گا۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عصر موسیٰ علیہ السلام کا فرعون بھی مدعی خدائی تھا۔

بنی اسرائیل فرعونی لشکر کی مع فرعون کے غرقابی اور دریا کو صحیح وسلامت عبور کرنے

کے بعد اپنی پے بہ پے نافرمانیوں کے باعث ارض موعودہ میں داخل نہ ہو سکے اور چالیس سال تک صحرائے سینا میں سرگرداں پھرتے رہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فلسطین میں داخل ہونے سے قبل وفات پائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت یوشع نے بحکم الٰہی بنی اسرائیل کی قیادت سنبھالی، اس طویل مدت میں عجیب وغریب واقعات سے بنی اسرائیل کو دوچار ہونا پڑا، ان کا بیان بہت تفصیل طلب ہے میرے موضوع سے راست اس کا تعلق نہیں ہے اس لئے میں نے ان چالیس سالہ واقعات کو بیان نہیں کیا ہے بلکہ ارض موعودہ میں بنی اسرائیل کے داخلے سے شروع کیا ہے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آپ کے مطالعہ سے گزرے گی۔

بنی اسرائیل ارضِ موعودہ میں داخلہ کے بعد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات (۱۴۰۰ ق م) کے بعد جب بنی اسرائیل ارض موعودہ میں داخل ہوئے تو ان کی آمد سے بہت قبل یہاں بہت سی قومیں آباد ہو چکی تھیں۔ یعنی حتی، اَموری، جرزی، کنعانی، حوی، یبوسی، ختی یہ تمام قومیں مشرک تھیں اور حد درجہ بدکار، ان مشرکوں کے بہت سے بت تھے جن میں سب سے بڑا بت اوران کا عظیم دیوتا ایل تھا جس کو یہ تمام قومیں مشترکہ طور پر اپنا معبود گردانتی تھیں۔ اسی وجہ سے اس کو وہ ابو الاصنام یا دیوتاؤں کا باپ کہتے تھے۔ انہوں نے اس کی بیوی کا بت بھی تراشا تھا اور اس کا نام عشیرہ رکھا تھا، وہ دوسرے چھوٹے بتوں کو جن کی تعداد ستر کے قریب تھی۔ اُیل کی اولاد مانتے تھے ایل کی اولاد میں سب سے بڑا بت بعل تھا، بعل کو یہ بارش اور زمین سے پیدا ہونے والی اجناس کا خدا تسلیم کرتے تھے۔ اس کی بھی انہوں نے بیوی بنا لی تھی جس کو اناث اور عستارات کہتے تھے۔ یہ دونوں دیویاں یونانی کیپوڈ کی طرح عشق و محبت اور افزائش نسل کی دیویاں تھیں جنہوں نے اس سرزمین میں بدکاریوں کو بڑا فروغ دیا تھا۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کے جو مجسمے آثار قدیمہ میں برآمد ہوئے ہیں۔ وہ ان کے ذلیل اور گھناؤنے صفات کی شہادت پیش کرتے ہیں، اسی بنا پر تورات میں بنی اسرائیل کو ہدایت کی گئی تھی کہ تم ان ناہنجار و بدکردار اور بت پرست قوموں کے قبضے سے اس سرزمین (فلسطین) کو نکال لینا اور ان کی بدکرداریوں سے بچنا لیکن جب بنی اسرائیل بعد از تباہی بسیار اس سرزمین پر قابض ہوئے تو خود ان کے رنگ میں رنگ گئے،
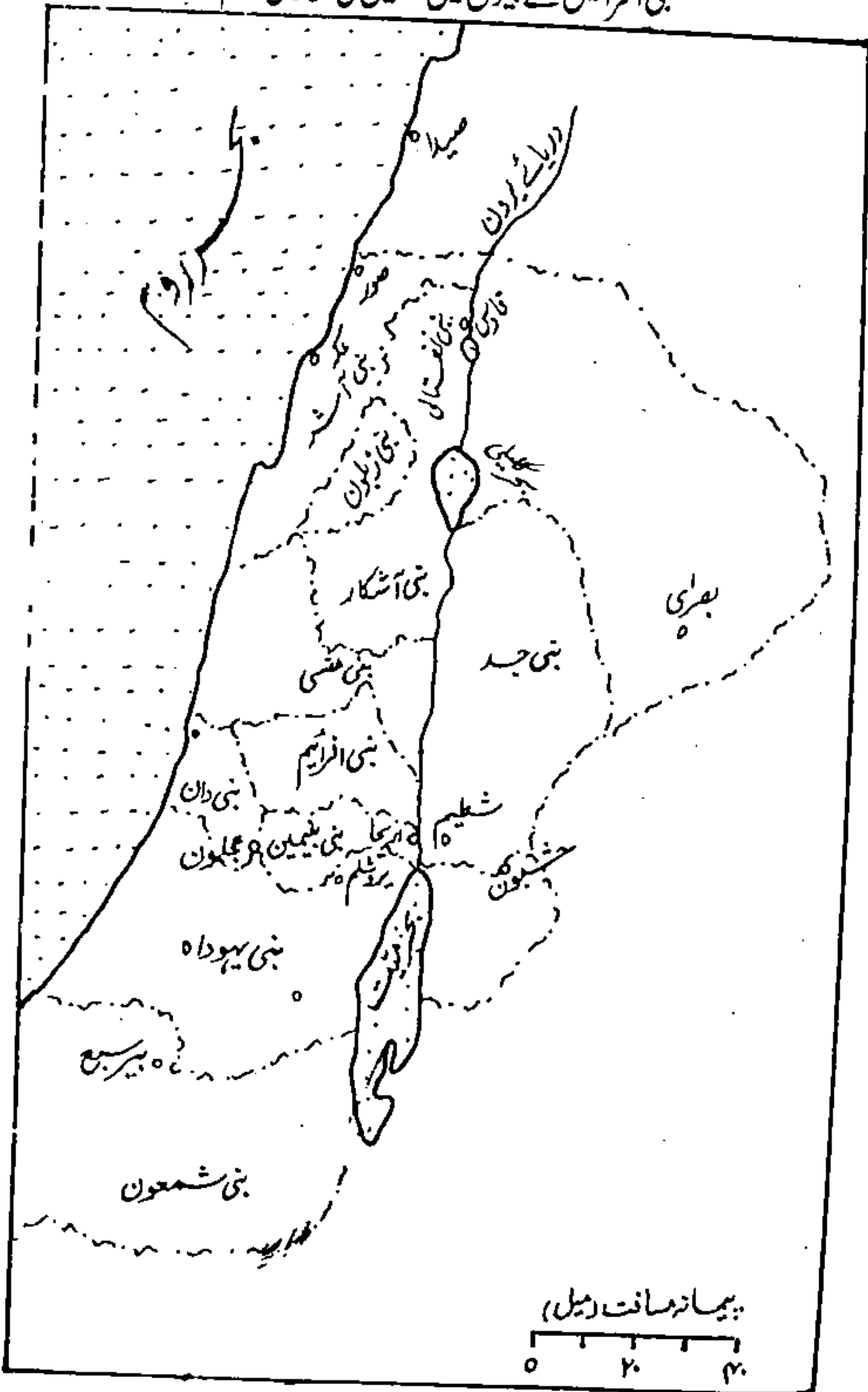
بجائے اس کے کہ اس مفتوحہ مملکت میں کوئی متحدہ سلطنت قائم کرتے۔ انہوں نے پوری مملکت کو چھوٹے چھوٹے علاقوں میں تقسیم کرلیا، ہرایک قبیلے نے اپنی پسند کا مفتوحہ علاقہ اپنے لئے مخصوص کرلیا اوران کو اپنی شہری ریاستیں قائم کرنے کی اجازت دیدی اور مدتوں تک یہ شہری ریاستیں قائم رہیں، ہروقت کے میل جول اور معاشرتی روابط نے آہستہ آہستہ ان کو بھی مشرک بنادیا اور دوسری بداخلاقیوں نے ان کے اندر جگہ پیدا کرلی۔ بنی اسرائیل عیش وعشرت کی زندگی گزارنے لگے رفتہ رفتہ یہ اپنی قومی برتری اور سطوت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اوران چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں نے ایک بار پھر سر اٹھایا اور فلسطیوں سے مل کر پے بہ پے ان منتشر اور پراگندہ ریاستوں پر حملے کرکے فلسطین کی مملکت کا ایک بڑا حصہ ان سے چھین لیا، یہاں تک کہ ان سے تابوت سکینہ (صندوق عہد) بھی چھین لیا۔ اس شکست نے ان میں اس شعور کو بیدار کیا کہ ایک متحدہ سلطنت کا قیام ضروری ہے ورنہ تمام مفتوحہ علاقے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اس متحدہ سلطنت کے قیام کے لئے ان کو ایک طاقتور بادشاہ کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ انہوں نے حضرت سموئیل نبی سے درخواست کی کہ ہمارے لئے ایک طاقتور فرد کو بطور بادشاہ منتخب کردیا جائے۔ ان کی اس درخواست پر حضرت سموئیل نبی نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنادیا جنہوں نے بنی اسرائیل کی ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک کرکے ایک متحدہ سلطنت قائم کردی۔

(بائبل کتاب سموئیل اوّل)

قرآن حکیم نے سورہ بقرہ میں ان کی اس خواہش اور خلف عہد کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَاؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلاً مِّنْهُمْ ؕ (سورۃ البقرہ: ۲۴۶)

ترجمہ: ''پھر تم نے اس (معاملہ) پر بھی غور کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو پیش آیا تھا! انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں، نبی نے کہا! کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو، وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہم کو اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بچے ہم سے جدا کر دیئے گئے ہیں مگر جب ان کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو چند لوگوں کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے۔''

اس وقت کے نبی نے جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے (توریت میں ان کا نام سموئیل نبی کہا گیا ہے) ان کی یہ درخواست بحکم الٰہی قبول کر لی اور طالوت کو ان کی بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ اہم واقعہ ۱۰۲۰ ق م کا ہے۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ

(سورۃ البقرہ: ۲۴۷)

ترجمہ: ''ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔''

ان کے نبی نے اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی ہمت بندھائی اور ان کو بتایا کہ تمہارا یہ بادشاہ اس تابوت سکینہ کو جو تم سے چھین لیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تمام متروکات بھی تم کو واپس مل جائیں گے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ: ۲۴۷)

ترجمہ: ''ان کے نبی نے ان کو بتایا کہ اس کے (اللہ کی طرف سے) بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا۔ جس میں تمہارے لئے تسکین وتبرک کی چیز ہے (تابوت سکینہ) تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی وہ چیزیں بھی ہیں جو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون (علیہما السلام) کی اولاد چھوڑ گئی ہے (ان کے چھوڑے ہوئے تبرکات) اور جس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں، اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو یعنی اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔''

متحدہ سلطنت کے تین فرمانروا

طالوت نے ۱۰۲۰ق م تا ۱۰۰۴ق م تک اس متحدہ سلطنت پر فرمانروائی کی، طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے بحیثیت پیغمبر مامور ہوئے اور کاروبار سلطنت بھی آپ کو تفویض ہوئے یعنی رسالت اور بادشاہی دونوں آپ کی ذات میں جمع کر دی گئیں، آپ کا عہد ۱۰۰۴ق م سے ۹۶۵ق م تک ہے، آپ کے بعد آپ کے نامور فرزند (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) اسرائیل کے فرمانروا ہوئے جن کا عہد سلطنت وفرمانروائی۔ ص ۹۶۵ق م تا ۹۲۶ق م ہے۔ ان تینوں فرمانرواؤں نے اس کام کی تکمیل کی جس کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے فاتحین کی قوت کو پاش پاش کر دیا اور ملک سے نکال دیا، صرف سواحلی علاقوں پر فلستیوں کی کچھ چھوٹی چھوٹی ریاستیں باقی رہ گئیں لیکن وہ سلطنت اسرائیل کی باجگزار بن گئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد پھر ان میں افتراق و انتشار پیدا ہوا، خانہ جنگیوں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ اور اس کا خاتمہ سلطنت اسرائیل کی تقسیم پر منتج ہوا یعنی یہ عظیم سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمالی فلسطین اور شرقی اُردن پر مشتمل علاقہ کو سلطنت اسرائیل کا نام دیا گیا اور سامریہ پایہ تخت قرار پایا، جنوبی فلسطین

اور اودم کا علاقہ سلطنت یہودیہ کے نام سے وجود میں آیا، اس کا دار السلطنت یروشلم قرار دیا گیا۔

اسرائیلی ریاست کے باشندے اپنی ہمسایہ ریاستوں کے مشرکانہ عقائد اور رذائل اخلاق سے سلطنت یہودیہ کے مقابلہ میں زیادہ متاثر ہوئے اور بت پرستی، زنا اور دوسرے فواحش بہت تیزی سے ان میں پھیل گئے۔ اور اس وقت اس صنم پرستی اور عیش کوشی میں اور بھی زیادہ فروغ ہوا، جب اسرائیلی ریاست کے فرمانروا ''اخی اب'' نے صیدا کی شہزادی ایزبلی سے شادی کر لی جس کا مذہب صنم پرستی تھا۔ اس ملکہ نے سلطنت اسرائیلیہ میں شرک کو خوب پھیلایا اور بت پرستی عام ہوگئی اور اسی کے ساتھ ساتھ بداخلاقیوں کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ حضرت الیاس اور حضرت الیسع علیہما السلام نے ان بدکاریوں اور شرک کے سیلاب کو روکنے کے لئے بھرپور کوششیں، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے! حضرت الیاس علیہ السلام کے سلسلے میں صاحب البدایہ والنہایہ رقم طراز ہیں:۔

قال علماء النسب هو الياس النشبي و يقال ابن ياسين بن فنحاص ابن العيزار بن هرون و قيل الياس بن العازر بن العيزار بن هرون بن عمران قالوا وكان ارسالة اهلى اهل بعلبك غربي دمشق فدعا هم الى الله عزوجل وان يتركو اعبادة صنم لهم كانوا يسمونه بعلا وقيل كانت امراة اسمها بعل ...... (بدایہ و نہایہ، جلد اول ص ۳۳۷)

حضرت الیاس علیہ السلام غربی دمشق کے مشہور شہر بعلبک میں دعوت حق کے لئے مامور کیے گئے۔ جہاں علا کی پرستش کی جاتی تھی اور دیوی بعل کو بھی پوجتے تھے (جس کو وہ علا کی بیوی کہتے تھے) واضح رہے کہ دمشق دولت اسرائیلیہ کا مشہور شہر تھا، بہرحال اخی اب کی صیدا کی شاہزادی ازبیل یا ایزبل کے ساتھ شادی نے صنم پرستی کو بہت ہی فروغ دیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام نے بڑی کوشش کی کہ ان

کی قوم اس بت پرستی کو ترک کر دے لیکن حضرت الیاس علیہ السلام کی طرح وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ آخرکار جب ان کا تنزل اور قومی بگاڑ اپنی حد کو پہنچ گیا تو اشوریوں نے نویں صدی قبل مسیح میں دولت اسرائیلیہ پر حملے شروع کر دیئے۔ اس پرآشوب دور میں عاموس نبی نے پھر قوم کو جگانے کی کوشش کی اور اصلاح کی آواز بلند کی لیکن اس کی پاداش میں ان کو جلاوطن کر دیا گیا تاکہ کوئی اصلاحی آواز کانوں تک نہ پہنچے۔ آخرکار اس قوم پر اشور کے جابر اور طاقتور فرمانروا ساراگون کے زبردست حملے کی صورت میں عذاب الٰہی نازل ہوا اس نے سامریہ کو ۷۲۱ ق م میں فتح کر کے ہزاروں اسرائیلیوں کو تہ تیغ کر دیا اور جو بچ گئے جن کی تعداد ۲۷ ہزار کے لگ بھگ تھی، ان کو غلام بنا کر اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں منتشر اور پراگندہ کر دیا تاکہ پھر دوبارہ یکجا نہ ہو سکیں اور ان کا اتحاد سلطنت کے لئے دردسر نہ بنے۔ اس طرح ۷۲۰ ق م میں دولت اسرائیل کا خاتمہ ہو گیا۔ اب صرف سلطنت یہودیہ باقی تھی، اشوریوں نے دولت اسرائیلیہ کے خاتمہ کے بعد سلطنت یہودیہ کا رخ کیا۔ اشوریوں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد حکومت یہودیہ نے باجگزار بن کر اس عذاب کو اپنے سر سے ٹالا، لیکن ان کا فسق وفجور برقرار رہا۔ زبردست ٹھوکر کھا کر بھی انہیں ہوش نہ آیا۔ حضرت یسعیاہ نبی اور حضرت یرمیاہ نبی ان کو گناہوں کی دلدل سے نکالنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔ لیکن ان کو نہ سنبھلنا تھا اور نہ سنبھلے چنانچہ کچھ عرصے بعد ہی انہوں نے بابل پر لشکرکشی کر دی جس کا ان کو خمیازہ بھگتنا پڑا، اس کے جواب میں ۵۸۶ ق م میں بخت نصر نے ایک زبردست حملہ کر کے یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کو فتح کر لیا۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو بری طرح تاراج کیا۔ ہیکل سلیمانی کو بالکل تہس نہس کر دیا۔ بیش قیمت ظروف طلائی ونقرئی اور بے اندازہ دولت یہاں سے لوٹ کر بخت نصر واپس ہوا، لیکن اس طرح کہ یہاں کے باشندوں کو قریب کے ملکوں میں دھکیل دیا اور جنہوں نے اپنا ملک نہیں چھوڑا ان کو ہمسایہ قوموں نے بری طرح پامال کر دیا اور ''فساد فی الارض'' کی ان فسادیوں کو من حیث القوم

وہ سزا بھگتنا پڑی جس سے ان کو پہلے سے خبردار کر دیا گیا۔ یسعیاہ نبی ان کو خبردار کر چکے تھے جس کا ذکر حضرت یسعیاہ نبی اپنی رویا میں اس طرح کرتے ہیں۔

وفادار بستی کیسی بدکار ہوگئی، وہ تو انصاف سے معمور تھی اور راست بازی اس میں بستی تھی لیکن اب بدکار رہتے ہیں......

تیرے سردار گردن کش اور چوروں کے ساتھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک رشوت دوست اور انعام کا طالب ہے۔ وہ یتیموں کا انصاف نہیں کرتے اور بیواؤں کی فریاد ان تک نہیں پہنچتی۔

-------------(یسعیاہ نبی کی رویا، باب ۱، آیت ۲۱ تا ۲۳)

اور خداوند فرماتا ہے، چونکہ صیہون کی بیٹیاں (یعنی یروشلم کی رہنے والیاں) متکبر ہیں اور گردن کشی اور شوخ چشمی سے خراماں ہوتی ہیں اور اپنے پاؤں سے ناز رفتاری کرتی اور گھنگرو بجاتی ہیں۔ اس لئے خداوند صیہون کی بیٹیوں کے سر گنجے اور ان کے بدن بے پردہ کرے گا۔

یسعیاہ نبی کی رویا (صحیفہ) باب ۸ آیت ۷ بائبل میں اس نزول عذاب کی خبر اس طرح ہے۔

''اب دیکھو خداوند دریائے فرات کے شدید سیلاب (یعنی حکومت) اسور (اسیریا) اور اس کی ساری شوکت کو ان پر چڑھالائے گا اور وہ اپنے سب نالوں اور اپنے سب کناروں پر بہہ نکلے گا۔''

یسعیاہ نبی ان کی بدکاری پر اس طرح تاسف کرتے ہیں اور ان کے زوال اور بربادی کی خبر دیتے ہیں:۔

''آہ! اے بدکار گروہ! بدکرداری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل، ان کی مکار اولاد جنہوں نے خداوند کو ترک کیا، اسرائیل کے قدوس کو حقیر سمجھا اور گمراہ برگشتہ ہو گئے تم زیادہ لغاوت کر کے اور مار کھاؤ گے۔''

قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کو اس پہلے فساد کے سلسلے میں ان پر جو عذاب نازل ہونے والا ہے اس طرح خبردار کیا ہے:۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ط

(سورہ بنی اسرائیل:۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے اپنی کتاب (توریت کے صحیفے) میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے بس جب ان دو میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلہ میں اپنے ایسے بندے اٹھائے جو زبردست زور آور تھے اور وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔''

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا مذکورہ آیت کے بعد بتایا گیا کہ ہم نے ان کو دوبارہ مہلت عطا کی اور مال و متاع سے نوازا لیکن وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آئے اور پھر وہی انجام ہوا:۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ○ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ج وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا م وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ (سورہ بنی اسرائیل:۶ تا ۸)

ترجمہ: ''اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبہ کا موقع دے دیا اور تمہیں مال و اولاد سے مدد دی (نوازا) اور تمہاری تعداد پہلے سے زیادہ کر دی (دیکھو!)

تم نے بھلائی کی تو وہ اپنے لئے ہی بھلائی تھی اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لئے برائی ثابت ہوئی پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا، تاکہ وہ تمہارے چہرے (حلیے) بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح گھس پڑیں جس طرح (تمہارے) پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر ڈالیں۔"

بابل کی اسیری کے موقع پر نیکوکار لوگوں کا ایک طبقہ ایسا یہودیہ میں رہ گیا تھا جو یہودیہ کے بقیہ باشندوں کو احکام الٰہی بجالانے اور برائیوں سے بچنے کی برابر دعوت دیتا رہا اور ان لوگوں میں اصلاح کا کام کرتا رہا۔ آخر کار رحمت الٰہی جوش زن ہوئی اور بابل کی سلطنت کو زوال شروع ہوا اور ۵۳۱ ق م میں مشہور ایرانی فاتح سائرس (خورس یا خسرو) نے بابل پر زبردست حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور اس فتح کے بعد ہی اس نے یہ اعلان کر دیا کہ بنی اسرائیل کو اپنے وطن جانے اور وہاں آباد ہو جانے کی اجازت ہے۔ اس اعلان نے ان میں مسرت کی لہر دوڑادی اور جوق در جوق یہ لوگ وطن کو واپس ہونے لگے، کئی سال تک اس واپسی کا سلسلہ جاری رہا۔ سائرس نے دانیال نبی کو ہیکل سلیمانی سے بخت نصر کا لوٹا ہوا تمام قیمتی سامان واپس کر کے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دیدی، یہاں جو غیر اسرائیلی قومیں ان کی جلاوطنی کے وقت قریب کے ملکوں سے آکر آباد ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اسرائیلیوں سے کچھ مزاحمت ضرور کی لیکن وہ ان کی آمد کے سلسلہ کو نہ روک سکیں!

۵۲۲ ق م میں داریوش نے جو سائرس کا جانشین تھا یہودیہ کے شاہی خاندان کے ایک فرد کو یہودیہ کا گورنر مقرر کر دیا اور اس نے اپنی نگرانی میں ہیکل سلیمانی کو از سر نو تعمیر کیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک جلاوطن اسرائیلیوں کی جماعت کے ساتھ حضرت عزیز علیہ السلام (عزرا کا بن یہودیہ پہنچ گئے اور اردشیر بابکان نے ایک فرمان کی رو سے دین موسوی کی

تجدید کی اجازت دے دی، حضرت عزیز علیہ السلام نے یہودی قوم کے تمام اہل خیرو صلاح کو جمع کر کے ایک بار پھر شریعت موسوی کے اجراء کا نظام قائم کیا، ان کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ بائبل کی پانچوں کتابوں کو (مع تورات جمع کر کے) تمام ملک میں ان کی نقول پھیلائیں اور بنی اسرائیل سے خداوند تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا عہد لیا، لیکن شمالی فلسطین اور سامریہ کے یہودی ان کی اصلاح تحریک کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔

مسعودی کا بیان اس سے قدرے مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ

''جب بنی اسرائیل وطن واپس پہنچے تو وہاں ارز بابل حکومت کر رہا تھا اس نے بیت المقدس کو از سر نو تعمیر کیا اور شہر کی جو عمارتیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں ان کی مرمت کرائی، توریت کو کنویں سے اسی نے نکالا (جسے بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کی لوٹ مار کے وقت کنویں میں ڈال دیا تھا) اور بنی اسرائیل کو امن وامان اور استعانت سے دوبارہ ہمکنار کیا۔

بنی اسرائیل میں اس نے وہ شرعی عبادات از سر نو شروع کرائیں جو عہد اسیری میں ترک ہو گئی تھیں، اسامرہ کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس توریت کا جو نسخہ اس وقت (موجود) ہے وہ موسوی توریت نہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس سے انہیں ملی تھی بلکہ اس میں بہت کچھ ردّ و بدل (تحریف) کر دیا گیا ہے اور یہ سب کچھ بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا حکمرانوں نے کیا ہے۔''

------------------(مروج الذہب مسعودی جلد اوّل)

حضرت عزرا (عزیز علیہ السلام) کی یہ اصلاحی تحریک جاری تھی کہ ۴۴۵ ق م میں ایک اور جلاوطن یہودیوں کا گروہ یہودیہ میں واپس پہنچا، شاہ ایران نے اس گروہ کے قائد نحمیاہ کو یروشلم کا حاکم و ناظم (گورنر) مقرر کیا اور شہر پناہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جو بخت نصر نے برباد کر دی تھی اور ایک سو پچاس سال کے بعد بیت المقدس پھر دوبارہ آباد

و گیا اور یہودی تہذیب اور دین موسوی کا مرکز بن گیا لیکن شمالی فلسطین اور سامریہ کے ہودیوں نے بیت المقدس کے مقابلہ میں اپنا ایک الگ مذہبی مرکز کوہ جزریم پر تعمیر کر لیا ور کوشش کی کہ تمام یہودی قوم اس کو اپنا قبلہ تسلیم کر لے لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں وئی بلکہ دونوں سلطنتوں میں منافرت اور زیادہ ہوگئی۔

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ:

''سکندر بیت المقدس سے واپس ہوا اور اس کے اطراف و جوانب (کے شہروں) کو دیکھتا ہوا شہر نابلس کی طرف گزرا اور سنبلاط سامری سے ملا جسے اہل قدس نے نکال دیا تھا، سنبلاط نے سکندر کی دعوت کی اور تحفے و ہدایا پیش کیے اور جبل کریدم میں ہیکل بنانے کی اجازت چاہی، سکندر نے اس کو ہیکل بنانے کی اجازت دیدی چنانچہ سنبلاط نے ہیکل تیار کر کے اپنے داماد ''منشا'' کو اس کا کاہن مقرر کیا۔ یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ توریت میں خداوند کا یہ قول ''اجعل البرکۃ علی جبل کریدم'' (جزیدم) سے یہی ہیکل مراد ہے، یہودی اپنی عیدوں میں اس نئے ہیکل کی طرف جانے اور اس پر نذریں چڑھانے لگے، رفتہ رفتہ وہ عظیم الشان ہوگیا اور اہل بیت المقدس اس سے دب گئے یہاں تک کہ ہرمایوس بن شمعون اول بادشاہ حسمنانی نے اسے ویران کر دیا'' .... (تاریخ ابن خلدون حصہ اول)

یہ تھی مختصر روداد اس پہلے عذاب کی جس پر ان کو متنبہ کیا گیا تھا، اس پہلے عذاب نے ان کو تباہ و برباد کر ڈالا، قدرت الٰہی نے ان کو پھر سنبھالا دیا لیکن وہ راہ راست پر نہ آئے تو حسب وعدہ دوسرا سخت عذاب نازل ہوا۔

دوسرے فساد اور اس کی عبرتناک سزا کی تفصیل میں جانا دشوار ہے مختصراً تحریر کر رہا ہوں کہ پہلی بربادی اور تباہی نے یہودیوں کو فکری اور مذہبی طور پر بالکل مغلوب کر دیا تھا۔ بس چند خدا ترس لوگوں میں دین کی حرارت باقی تھی لہٰذا ان میں مذہبی تحریک نے

زور پکڑا جس کو ''حکابی'' تحریک کہا جاتا ہے اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ انہوں نے یونانیوں سے آزادی حاصل کر لی اور اپنی ایک آزاد دینی ریاست سلطنت یہودیہ میں قائم کر لی۔ یہ حکومت خالصتاً مذہبی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی اور ۶۷ ق م مسیح تک یہ قائم رہی اور رفتہ رفتہ اس کے حدود پوری ریاست یہودیہ اور ریاست اسرائیل تک پھیل گئے لیکن رفتہ رفتہ ان میں پھر فساد پھیل گیا اور جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ (سورۃ بنی اسرائیل:۸)

ترجمہ: ''ہوسکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے لیکن اگر تم پھر اپنی سابقہ روش پر چلے تو ہم بھی اپنی سزا کا اعادہ کریں گے اور ناشکرے لوگوں کے لئے ہم نے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان پر لطف و کرم فرمایا وہ سنبھلے اور سنبھل کر پھر بگڑ گئے۔ اندرونی خلفشار اس قدر برپا ہوا کہ انہوں نے خود رومی فاتح پومپی کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی محض اس لئے کہ ان کو مذہبی اقتدار کے تحت زندہ رہنا گوارا نہیں تھا چنانچہ پومپی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس کو فتح کر لیا، فاتح سالار پومپی نے اپنی سیاسی چال کے تحت اپنے زیر سایہ اور باجگزار دیسی ریاست قائم کر دی۔ یہی ریاست ۴۰ ق م میں ایک زیرک وفطین یہودی ہیرود کے زیر اقتدار آ گئی جس کو تاریخ نے ہیرود اعظم کے لقب سے مشہور کیا۔ ہیرود اعظم پورے فلسطین اور شرق اردن پر ۳۶ سال تک یعنی ۴۰ ق م سے ۴ ق م تک حکمرانی کرتا رہا۔ اس کے دور میں رومی تہذیب کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور یہودیوں کی سیاسی قوت کی طرح ان کی اخلاقی حالت بھی انتہائی پستی کی حدوں تک پہنچ گئی۔ ہیرود کے انتقال کے بعد اس کی وسیع قلمرو بھی تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ہیرود کا ایک بیٹا ارخلاؤس سامریہ، یہودیہ اور شمالی علاقوں کا حکمران تھا ۶ مسیح میں قیصر آگسٹس نے اس کو معزول کر کے اس پوری ریاست کو اپنے ایک گورنر کے تحت کر دیا اور یہ سیاسی انتظام ۴۱

سوی تک قائم رہا۔ یہی وہ دور ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی صلاح کے لئے اُٹھے۔

ہیرود کا دوسرا بیٹا ہیرودانٹی پاس شمالی فلسطین کے علاقہ گیل (گیلی) اور شرق اردن حکمرانی کرنے لگا۔ یہی وہ ظالم اور بدکار بادشاہ ہے جس نے اپنی ایک محبوبہ کی فرمائش پر حضرت یحیٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی خوشنودی کے لئے اس کو بطور نذر پیش کیا۔

بنی اسرائیل کی دوسری بار تباہی اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے قیصر روم فلیقوس انٹوکس) پر فلانوس کو ان پر مسلط کر دیا اگر چہ اس سے قبل بھی نمبروش (قیصر روم) کے مانے میں ان کے سپہ سالار عازار نے دمشق اور قیساریہ میں یہودیوں کے خون کی ریاں بہادی تھیں۔ اگر چہ یہودیوں نے مدافعت کی لیکن مغلوب رہے۔ یہ تو سلطنت سرائیل پر گزری ادھر سلطنت یہودیہ اس طرح تباہ ہوئی کہ اس سپہ سالار کو جو بلاد مغرب یس اندلس فتح کر کے واپس آ رہا تھا قیصر روم نے بلاد یہود پر حملہ کا حکم دیا اور ان کو کلیتہً یست و نابود کرنے اور ان کے قلعوں کو مسمار کر دینے پر مامور کیا۔

سپہ سالار اسپانوس نے انطاکیہ پہنچ کر حملے کی تیاریاں شروع کیں، اس حملے کی خبر یہودیوں کو بھی ہوگئی۔ انہوں نے مدافعانہ تیاریاں شروع کر دیں، کچھ مدت تک وہ مدافعت کرتے رہے لیکن سپہ سالار اسپانوس کے جری فرزند طیطوش نے ۷۰ء میں بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا:

محاصرے نے جب طول کھینچا تو قحط پڑ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہزاروں یہودی صرف بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ جانوروں کی کھالیں، درختوں کے پتے اور مردار کھانے لگے نہ صرف یہ بلکہ کمزور لوگوں کو ان سے طاقتور لوگ مار مار کر کھانے لگے۔ جب رحم کھا کر محاصرہ کچھ دن کے لئے اٹھالیا گیا اور شہر سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی تو بھوکے کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ بہت سے لوگوں نے اس قدر کھایا کہ حد سے فزوں کھانے کے باعث ہلاک ہو گئے۔ بہت سے یہودیوں نے شہر سے نکلتے وقت اپنا

سونا اور جواہر نگل لئے تھے، ان کے پیٹ باہر نکل آئے تھے۔ رومیوں نے چن چن کر ایسے لوگوں کو قتل کیا اور ان کے پیٹ چاک کر کے سونا اور جواہر نکال لئے!

طیطوش (ٹیٹس) نے شہر پناہ کے اس برج کو منہدم کر دیا جس میں بہت سے یہودی جمع تھے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہودیوں کی نجات کی بس ایک صورت باقی تھی کہ وہ قیصر روم کی اطاعت کا عہد کریں شہر پناہ منہدم کر دی گئی۔ ہیکل کی دیواریں ٹوٹ گئیں۔ ہیکل میں رومیو نے بتوں کو رکھ دیا اور دروازہ پر آگ روشن کی، بہت سے کاہن اپنے دین کو اس طرح برباد ہوتا دیکھ کر اس آگ میں کود پڑے اور جل کر راکھ ہو گئے۔ ان لاشوں کے علاوہ جو گڑھوں میں ڈال دی گئی تھیں یا قلعہ کے باہر پھینکوا دی گئی تھیں مہلوکین اور مقتولین کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ ایک لاکھ یہودی قیدی بنائے گئے۔ ان قیدیوں کی ایک کثیر تعداد کو مصری کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیا گیا اور بقیہ قیدیوں کو مختلف شہروں میں اس مقصد سے بھیجا گیا کہ وہ رومی تھیٹروں اور کلوسموں (کلبوں) میں لائے جائیں اور جنگلی جانوروں سے ان کو پھڑوایا جائے یا شمشیر زن اپنی تلواروں کے داؤ ان پر آزمائیں اور رقص بسمل کا تماشہ دیکھا جائے، تمام حسین لڑکیوں کو فاتحین کی آتش شہوت بجھانے کے لئے چن لیا گیا، اس کے بعد فلسطین سے یہودی اقتدار بالکل رخصت ہو گیا اور دو ہزار برس تک ان کو سر اٹھانے کا موقع نہیں مل سکا اور نہ پھر یہ ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کر سکے۔ ایک ہزار برس کے بعد قیصر روم نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا اور اس کا نام ''ایلیا'' رکھا، یہودیوں کو مدتوں تک اس میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اوّل) (تاریخ الانبیاء)

قوم سبا

قوم سبا جنوبی عرب کی ایک ایسی عظیم قوم تھی جس کی شہرت اور ثروت کے قصے تمام جزیرہ نمائے عرب اور آس پاس کی دوسری قوموں میں مشہور و معروف تھے۔ یہ چند بڑے بڑے قبائل پر مشتمل تھی اور اس میں عرب کے وہ مشہور قبائل شامل تھے جن کی نسل اور اولاد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں بھی موجود تھی۔

صاحب البدایہ والنہایہ علامہ ابن کثیر جلد اول میں لکھتے ہیں:۔

"وقال الامام احمد حدثنا ابو عبدالرحمن حدثنا ابن لهيعة عن عبدالله بن وعله سمعت عبدالله بن عباس يقول ان رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن سبا ماهو رجل امر امرأة، ام ارض، قال بل هو رجل ولد عشره فسكن اليمن منهم ستة وبالشام منهم اربعة، فاما ايمانيون فمدحج و كنده والارد والاشعريون، وانمار، وحمير، واما الشامية فلخم وجذام و عامله و غسان"۔ (رواہ امام احمد و ترمذی)

اس ارشادِ گرامی کے مطابق:

"سبا عرب کے ایک شخص کا نام تھا جس کی اولاد (نسل) سے عرب کے یہ دس قبیلے پیدا ہوئے ان میں سے چھ نے یمن میں سکونت اختیار کر لی، یمن میں سکونت اختیار کرنے والے یہ قبائل مدحج، کندہ، ارد، اشعریین، اور انمار (اس کی دو بڑی شاخیں ہیں ایک خثعم اور دوسری بجیلہ) اور حمیر اور شام کو جنہوں نے اپنا مسکن بنایا وہ لخم، جذام، عاملہ

اور غسان تھے۔

علمائے نسب کہتے ہیں کہ اس قوم سبا کے مورث اعلیٰ کا نام عبد شمس بن یشعب بن یعرب بن قحطان تھا، اس طرح یہ قوم قحطانی ہے۔

جیسا کہ صاحب البدایۃ والنہایۃ کا قول ہے۔

قال علماء النسب منهم محمد بن اسحاق، اسم سبا عبد شمس بن يشعب بن يعرب بن قحطان قالو او كان اوّل من سبى من العرب فسمى لذلك و كان يقال له الرائيش لانه كان يعطى الناس الاموال من متاعه

قوم سبا کا مسکن جزیرہ نمائے عرب کا جنوبی مغربی کونہ تھا جو آج بھی یمن کے نام سے مشہور ہے (آج یہ سلطنت دو مملکتوں یعنی جنوبی جمہوریہ یمن اور شمالی یمن) میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اس قوم کا ذکر اگرچہ ۲۵۰۰ ق م مسیح بھی ملتا ہے۔ بائبل میں اس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے لیکن اس کے عروج کا زمانہ ۱۱۰۰ ق م مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں یہ ایک عظیم دولت مند قوم کی حیثیت سے تمام دنیا میں مشہور تھی، اس قوم کی ملکہ نے (جس کو قصص الانبیاء میں بلقیس کہا جاتا ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ کر ایمان قبول کر لیا تھا، اغلب ہے کہ اس کے بعد غالب اکثریت نے ایمان قبول کر لیا ہو (حضرت سلیمان اور اس ملکہ سبا کا واقعہ قرآن حکیم کی سورۃ النمل میں از آیت ۳۰ تا ۴۴ مذکور ہے) اس کے بعد پھر یہ قوم شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہوگئی، اسی شرک اور بت پرست قوم پر عذاب کی خبر قرآن حکیم میں دی گئی اور اسی ضمن میں ان کی عیش وعشرت کی زندگی، ان کے ملک کی شادابی اور تجارتی فروغ کو بھی بیان فرمایا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَىۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَ هَلۡ نُجٰزِىۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ۝ وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَ بَيۡنَ الۡقُرَى الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرۡنَا فِيۡهَا السَّيۡرَ ؕ سِيۡرُوۡا فِيۡهَا لَيَالِىَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيۡنَ ۝ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا وَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ وَ مَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۝ (سورۃ سبا: ۱۵تا۱۹)

ترجمہ: ''سبا کے لوگوں کے لئے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی باغ کی دو قطاریں تھیں دائیں بائیں (باغ کی دورویہ قطاریں تھیں) اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، شہر عمدہ اور پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش والا، سوانہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیئے جن میں کڑوے، کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیریاں، ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناشکری کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے ان کے لئے برکت رکھی تھی، بہت سی نمایاں بستیاں بسا دی تھیں، چلو پھر وان راستوں میں رات اور دن پورے امن کے ساتھ، مگر انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کردے، انہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا آخر کار ہم نے ان کو افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بالکل تتر بتر کر ڈالا، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو بڑا صابر و شاکر ہو۔''

سبا والوں میں بت پرستی کا جب پھر دور شروع ہوا (جس کا زمانہ متعین کرنا دشوار ہے) تو انہوں نے سورج دیوتا کی پرستش پھر شروع کر دی جو ملکہ سبا کے زمانے میں

جاری وساری تھی اور ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا۔

وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورۃ النمل:۲۴)

سورج دیوتا کی پرستش کے علاوہ المقہ (چاند دیوتا) عشتار (زہرہ دیوی) ذات حمیم اور ہولین اور ایسے بہت سے دیوتا اور دیویاں گھڑ رکھی تھیں، شمس اور المقہ ان کے سب سے بڑے دیوتا تھے، ماہرین آثار قدیمہ نے یمن سے ایسے آثار برآمد کیے ہیں جن سے ان کی صنم پرستی کی تائید ہوتی ہے۔ سارا ملک ان کے مندروں اور ان دیوتاؤں سے بھرا ہوا تھا اور اسی شرک وصنم پرستی نے ان پر تباہ کن سیلاب نازل کیا۔

جدید اثری تحقیقات کے ذریعہ برآمد ہونے والے کتبات، عربی روایات اور یونانی ورومی تواریخ سے فراہم کردہ معلومات سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ سبا کی تاریخ کے چار اہم دور ہیں۔

پہلا دور ۶۵۰ ق م سے قبل کا دور ہے۔ اس زمانے میں ملوک سبا کو مکرب سبا کہا جاتا تھا۔ اس دور اولیں میں ان کا پایہ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر مارب (یمن) سے مغرب کی جانب کچھ فاصلے پر پائے جاتے ہیں، یہی وہ زمانہ ہے جس میں مارب کے مشہور بند ''سد مآرب'' کی بنیاد رکھی گئی۔

دوسرا دور ۶۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک ہے اس دور میں اس قوم کے سلاطین مکرب کے بجائے خود کو ملوک کہلانے لگے اور صرواح کے بجائے مآرب کو اپنا دار السلطنت بنالیا، مآرب چار ہزار فٹ کے قریب سطح سمندر سے بلند ہے اور موجودہ شہر صنعا سے ۶۰ میل کے فاصلے پر جانب شرق واقع تھا۔ آج اس کے کھنڈروں کے مشاہدہ سے اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک متمدن اور بہت ہی مالدار قوم تھی۔

تیسرا دور ۱۱۵ ق م سے ۳۰۰ عیسوی تک ممتد ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں سبا کا ایک مشہور اور طاقتور قبیلہ حمیر پوری سلطنت پر چھا گیا۔ یہ قبیلہ اپنی نفری کے اعتبار سے دوسرے تمام قبیلوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنے پیشروؤں کی طرح دار السلطنت کو

پھر تبدیل کر دیا اور مآرب کے بجائے جس کو انہوں نے محض جدید سلطنت کی خاطر اجاڑ ڈالا تھا ریدان کو دارالسلطنت بنایا یمن میں آج بھی اس شہر کے کھنڈر موجود ہیں۔ ان کے حدود سلطنت جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی مغربی کونے عیسر سے عدن تک اور آبنائے باب المندب سے حضر موت تک پھیلے ہوئے تھے۔

چوتھا دور ۳۰۰ عیسوی سے آغاز اسلام تک کا دور ہے اور یہی دور اس قوم کے زوال اور اس کی تباہی کا دور ہے۔ اس طویل مدت میں اس قوم میں خانہ جنگیوں کا آغاز ہوا، بیرونی حکومتوں نے ان کے ملک پر حملے شروع کر دیئے اور سب سے زیادہ تباہی ان کی تجارت پر آئی، تجارت اور زراعت سے ان کو جو مالی فروغ حاصل تھا اور ان کے پاس دولت کی جو فراوانی تھی۔ اس سلسلے میں سبا کا ہم عصر ایک مورخ لکھتا ہے۔

''سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند لوگ ہیں، چاندی اور سونا بکثرت پایا جاتا ہے، بعد کے سبب سے پہلے کسی نے ان کو فتح نہیں کیا۔ اس لئے خصوصاً ان کے پایۂ تخت میں طلائی و نقرئی ظروف، تخت اور دہلیزیں ہیں جن کے پائے زرنگار اور نقرئی و طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ پیش گاہ اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں اور اس قسم کی زیب و زینت پر وہ نہایت ہنر مندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔''

---------------- (ارض القرآن جلد اوّل)

تجارت اور زراعت کی تباہی نے ان کی کمر توڑ دی اور پھر ان کی آزادی بھی سلب ہوگئی۔ ریدانیوں، حمیریوں اور مداینوں نے قومی یکجہتی کا رشتہ توڑ دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ عیسوی تک یمن پر حبشیلوں کا قبضہ رہا، پھر ان کی مدافعت نے اپنی چھنی ہوئی آزادی واپس لے لی، لیکن ان کی زرعی خوشحالی اور ملک کی سرسبزی اور رونق کا جس بند پر دارومدار تھا، اس میں جگہ جگہ شگاف پڑنے شروع ہوئے اور آخر کار ۴۵۱ عیسوی میں بند کے ٹوٹنے سے وہ عظیم سیلاب آیا کہ تمام ملک اُجڑ گیا جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

سیلاب کی تباہی نے تمام آبادی کو تتر بتر کر دیا، اگرچہ بند کی مرمت کی بہت کوششیں کی گئیں، لیکن زراعت و آبپاشی کا جو نظام درہم و برہم ہو گیا تھا وہ پھر قائم نہ ہو سکا۔

قوم سبا کا زراعتی نظام

یمن کی سرزمین میں کوئی قدرتی دریا نہیں بارش کا پانی پہاڑوں سے بہہ کر ریگزار میں خشک ہو جاتا تھا اور اس پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا، انہوں نے غور و فکر کے بعد زراعتی نظام کے لئے ایسے بہت سے نالوں پر جہاں سے بارش کا پانی گزرتا تھا جگہ جگہ بند باندھ کر تالاب بنائے تھے اور ان تالابوں سے نہریں نکال کر خشک زمین کو قابل زراعت بناتے تھے۔ سب سے بڑا بند ''سد مآرب'' تھا۔ ان بندوں نے سبا کی تمام مملکت کو گل و گلزار بنا دیا تھا۔ ہر طرف باغ ہی باغ تھے۔ آغاز کلام میں جو آیات قرآنی میں نے پیش کی ہیں وہ اس شادابی زراعت و فلاحت میں ان کی کامیابی پر شاہد ہیں۔

تجارت کی کامیابی میں اس کے محل وقوع بڑا ممد و مددگار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تجارت کے لئے بہترین طبعی مقام عطا فرمایا تھا۔ ایک ہزار برس تک اسی قوم کے واسطے یعنی اسی ملک کے ذریعہ مشرق و مغرب کی تجارت ہوتی تھی، چین، انڈونیشیا، ہندوستان خصوصاً مشرقی افریقہ وغیرہ ممالک سے مختلف سامان (مصالحے، ریشمی کپڑے، خوشبودار مصالحے، تلواریں اور غلام ان ملکوں سے ان کی منڈیوں میں آتے تھے اور مصر و شام کی منڈیوں میں ان کے ذریعہ سے پہنچتے تھے، ان کے باغات اور باڑیوں میں لوبان، عود، قرفہ، قصب الزیرہ اور دوسری خوشبودار چیزیں پیدا ہوتی تھیں جنہیں مصر و شام اور روم و یونان والوں کو مندروں اور بتکدوں میں صرف کرنے کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔ ان کی یہ عظیم الشان تجارت بحری اور بری راستوں سے ہوتی تھی۔ بحر احمر کی زیر آب چٹانوں، موسمی ہواؤں اور لنگر اندازی کے مقامات سے یہ اس قدر واقف تھے کہ اس بحری تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی، بری تجارت کا راستہ عدن اور حضر موت سے گزرتا ہوا

مآرب پر جا کر مل جاتا تھا۔ یہاں سے تجارتی شاہراہیں دو ہو جاتی تھیں۔ایک شاہراہ مصر کو جاتی تھی اور دوسری شام کو اس بری راستہ پر یمن سے شام تک سبا والوں کی نو آبادیوں کا ایک سلسلہ تھا۔جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝ (سورۃ سبا:۱۸)

مشرق اوسط میں جب پہلی صدی عیسوی میں یونانیوں اور رومیوں کی طاقتور سلطنتیں قائم ہوگئیں تو سبائیوں کی تجارتی اجارہ داری ختم کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں تا آنکہ جب مصر پر روم کا قبضہ ہو گیا تو رومیوں نے بحر احمر کے ساحل پر جگہ جگہ اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر کے سبائیوں کے بحری تجارتی تفوق کو ختم کر دیا اور پھر سبائیوں کے سیاسی زوال نے ان کی بری تجارت کو بھی تباہ کر دیا۔سبائیوں کے باہمی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر رومی اور حبشی سلطنتوں کی متحدہ کوشش نے سبائیوں کی تجارت کو بالکل تباہ کر دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو انتہائی بلندیوں پر پہنچا کر ان کی نافرمانیوں کی سزا میں ان کو پستی کی آخری حد تک پہنچا دیا اور پھر یہاں سے وہ قوم اپنا سر نہیں اٹھا سکی اور اس طرح سبا کا نام و نشان مٹ گیا۔

عذابِ الٰہی یعنی بد مآرب کی تباہی اور اس کے بعد ان کے دور زوال میں کن پیغمبروں نے اصلاح کی دعوت دی۔اس سلسلے میں تاریخ کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔

علامہ ابن کثیر اپنی تاریخ (البدایہ والنہایہ جلد اوّل) میں کہتے ہیں۔

قال محمد بن اسحاق عن وهب بن منبه ارسل الله اليهم ثلاثة عشر نبيا و زعم سدى انه ارسل اليهم اثنى عشر الف نبى، فالله اعلم والمقصود لما عد لواعن الهدى الى الضلال و سجد واللشمس من دون الله و كان ذلك فى زمان بلقيس و

قبلها ایضاً و استمر ذلك فيهم حتى ارسل الله عليهم سيل العرم كما قال تعالیٰ ۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

قدیم مورخین کی یہ محض قیاس آرائیاں ہیں کہ کوئی تو ان کی تعداد دہائیوں تک محدود کرتا ہے اور کوئی ''اثنی عشر الف'' کہہ کر ہزاروں سے بھی بڑھا دیتا ہے۔ بہر حال ان کی اصلاح کے لئے انبیاء علیہم السلام ضرور مبعوث ہوئے لیکن ان کے تعین اور ناموں سے تاریخ خاموش ہے۔ البتہ بائبل میں حزقی ایل، دانیال، یسعیاہ، ہوسعیاہ اور حبقوق انبیائے بنی اسرائیل کی تاریخ میں مذکور ہیں۔

تبع اور اصحاب الاخدود

تبع جو بصورت جمع تبابعہ مستعمل ہے سلسلہ ملوک سبا ہی کی ایک کڑی ہے۔ یہ ملوک سبا کا دوسرا طبقہ ہے یہ وہ سلاطین یا ملوک ہیں جن کو ملوک سبا، ملوک ریدان و حضر موت کہا جاتا ہے۔ سبا کی سلطنت جب ''سیل عرم'' تباہ و برباد ہوئی تو اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے پھر سنبھالا لیا اور قبیلہ حمیر تمام سبا پر حکمرانی کرنے لگا اور حضر موت اور دوسرے ساحلی مقامات پر بھی یہ قابض ہو گئے۔ ملوک حمیر میں حارث الرائش پہلا بادشاہ ہے جو تمام یمن اور حضر موت پر حکمران ہوا، اور اس نے اپنا لقب تبع رکھا جس کے معنی سلطان کے ہیں۔ ۱۱۵ ق م میں ان کو مملکت سبا پر غلبہ حاصل ہوا اور ۳۰۰ عیسوی تک یہ حکمرانی کرتے رہے۔ انہوں نے ریدان کو اپنا پایہ تخت بنایا بعد میں یہی شہر ریدان شہر ظفر کے نام سے مشہور ہوا جس کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں۔

۳۰۰ھ سے آغاز اسلام تک کا زمانہ مملکت سبا کی تباہی اور بربادی کا دور ہے۔ پہلی تباہی تو سد مآرب کے ٹوٹنے اور رومیوں اور یونانیوں کی بحری راستوں پر اقتدار کے باعث ان کی تجارت کی بربادی اور کساد بازاری ہے۔ اس کے بعد تبابعہ کے دور میں رومیوں اور حبشیوں کے پے بہ پے حملوں نے ان کی مضبوط سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں۔ رومیوں کو شمال مغرب میں ایران سے محاربہ درپیش تھا۔ اس لئے انہوں نے چاہا کہ کم از کم حمیریوں کی طرف سے یکسوئی حاصل ہو جائے چنانچہ قیصر روم جسٹنین (قسطنین) نے اس وقت کے فرمانروا (تبع) ذونواس کے پاس پیغام صلح بھیجا وہ اس وقت یہودی مذہب اختیار کر چکا تھا، لیکن رومی تاجروں کے ذریعہ عیسائیت بھی اس سرزمین میں پنپ رہی تھی

اور رفتہ رفتہ نجران جو یمن کا مشہور شہر ہے عیسائیت کا مرکز بن گیا۔

تابعہ کا مذہب

سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ان کا سب سے بڑا دیوتا شمس اور المقہ تھا، چوتھی صدی عیسوی میں افریقی سواحل پر رومیوں کی نو آبادیوں کی وجہ سے عیسائیت کو فروغ حاصل ہوا۔ شام کے رومیوں کے اثر سے یمن کے اطراف میں عیسائیت پھولنے پھلنے لگی۔ چنانچہ نجران کے باشندوں نے جو اب تک مشرک تھے عیسائیت کو قبول کر لیا۔ ان کے گرد و پیش میں حکمرانی کرنے والے تابع بھی اس عیسائیت کے فروغ سے متاثر ہوئے لیکن وہ یہودیت کو عیسائیت پر ترجیح دیتے تھے۔ حرث الرائش (حارث الرائش) ہی ایک ایسا تبع حمیر ہے جس نے عیسوی مذہب قبول کر لیا تھا۔ باقی تمام تابع یا تو ستارہ پرست تھے یا یہودی لیکن ان کی یہودیت خالص یہودیت نہیں تھی بلکہ اس میں بھی صنم پرستی کے عناصر شامل تھے۔

علامہ ابن خلدون تاریخ الانبیاء (جلد اول) میں لکھتے ہیں۔

''باتفاق مورخین ملوک تابع میں سب سے پہلے حرث رالشن (حارث الرائش) نے حکومت وسلطنت کی ...... یہ حرث رالشق، ہمسیع بن حمیر کی اولاد سے ہے۔''

حارث الرایش کے بعد اس کا بیٹا ابرہہ ذو النار بادشاہ ہوا، اس کے بعد افریقیش بن ابرہہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس کی حکومت کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ اس نے افریقہ پر حملہ کیا، افریقیش کے مرنے کے بعد اس کا بھائی عبد بن ابرہہ تخت نشین ہوا، پھر شمر مرعش اس کے بعد بتان بن اسعد (حسان بن تبع) علمائے تاریخ کہتے ہیں یہی وہ بادشاہ ہے جس نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور بنی جرہم کو کعبہ کا متولی بنایا اور خانہ کعبہ میں دروازہ نصب کیا۔

وعمر البيت الحرام و كساه

ترجمہ: ''بیت الحرام کا طواف کیا اور اس پر غلاف چڑھایا۔''

بعض مؤرخین قدیم اور مفسرین کا خیال ہے کہ تبع صرف تین گزرے ہیں۔

۱- تبع اکبر حارث الرائش

۲- تبع اوسط سعد ابوکرب

۳- تبع اصغر تبع بن حسان

جبکہ ابن خلدون نے ان کی تعداد دس سے کہیں زیادہ بتائی ہے، ابن خلدون کی تحقیق کی رو سے تبابع کا سلسلہ اس طرح ہے۔

۱- حرث یا حارث الرائش

۲- ابرہہ ذوالمنار

۳- افریقیش بن ابرہہ

۴- عبد بن ابرہہ (افریقیش کا بھائی)

عصر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کچھ قبل سریر آرائے سلطنت تھا۔

۵- ذوالانمار

۶- بدہار (ذوالصرح)

۷- بلقیس بنت بدہار (جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائی)

۸- ناشر بن عمرو بن یعفر

۹- شمر یرعش

۱۰- تبان بن اسعد (تبع اقران یا سعد ابوکرب)

۱۱- کلکرب یا کلکریب

۱۲- حسان بن تبان

۱۳- عمرو بن تبان

۱۴- زرعہ تبع بن تبان (ذونواس لقب)

۱۵- مدثر بن عبد کلال

۱۶- ولیعہ بن مدثر

۱۷- ذوشناتر

تاریخ ارض القرآن میں ملوک تبع کے سلسلے میں آخری بادشاہوں کی ترتیب میں فرق ہے، ارض القرآن کی ترتیب میں زرعہ تبع بن تبان کو ولیعہ بن مرشد ذوشناتر کے بعد جگہ دی گئی ہے اور اس کو اس سلسلہ کا آخری بادشاہ قرار دیا گیا ہے اور یہی درست ہے۔ وہ زرعہ تبع بن تبان (ذونواس) ہی تھا جس نے خندقوں میں آگ بھروا کر نجران کے ہزاروں عیسائیوں کو ہلاک کر ڈالا، اسی کو اور اس کے مشیروں اور اُمرا یا اہل خاندان کو ''اصحاب الاخدود'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جن مؤرخین نے صرف تین تبع (تبابعہ) بیان کئے ہیں ان کا قول اس طرح صحیح ہے کہ یہی تین ملوک یمن یا تبابعہ تاریخ میں مشہور ہیں۔ ثمر یرعش تک جتنے بادشاہ گزرے ہیں یہ ملوک سبا اور ملوک حمیر کے نام سے مشہور تھے بعد کو تبع کا لقب اختیار کیا۔

تبابعہ جن کا دور حکمرانی ۲۷۹ھ سے شروع ہو کر ۵۲۵ء پر ختم ہوتا ہے اس (تقریباً) دو سو چھیالیس سال کی مدت میں ان ملوک سبا و تبع نے بڑے مظالم کئے۔ انہوں نے بہت سے حملے اور یورشیں کیں، اور ان لڑائیوں میں لاکھوں بندگانِ خدا کو قتل و غارت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں پیغمبروں کو بھیجا، لیکن انہوں نے ان مصلحین کی آواز پر کان نہیں دھرے۔ ان کے ظلم و تعدی کی خبر قرآن حکیم نے اس طرح دی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ: ''یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔''

مصلحین اور پیغمبران کی اصلاح کے لئے آئے لیکن انہوں نے اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ حضرت زکریا علیہ السلام کو بنایا ان کو آرے سے چیر ڈالا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے ایک داشتہ رقاصہ کے سامنے اس کی خوشنودی طبع کے لئے پیش کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے لئے راضی ہو گئے اور آپ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے مقابلہ میں بابراڈاکو کو رہا کرانا پسند کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جابر و ظالم قوتوں میں تبع (ملوک تبع) کو بھی شامل کیا ہے اور ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ (سورۃ ق: ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: ”اس سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس، ثمود و عاد اور فرعون، قوم لوط، اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں ہر ایک (قوم) نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور آخر کار میری وعید ان پر محقق ہو گئی۔“

اس سے قبل قوم نوح علیہ السلام، اصحاب الرس عاد و ثمود و فرعون، اصحاب الایکہ پر عذاب الٰہی نازل ہوئے اور ان کی تباہی اور بربادی کے واقعات مختصراً آپ کے مطالعہ سے گزر چکے ہیں۔ قوم تبع بھی اپنے اس جور و ستم کے باعث عذاب سے محفوظ نہ رہ سکی۔ میں یہاں مختصراً اس سلسلہ میں آخری تبع ذونواس کے سلسلے میں کچھ عرض کر رہا ہوں جس نے بیس ہزار راست باز اور باایمان افراد کو ہلاک کر دیا (خیال رہے کہ اس وقت نصرانیت بعد میں پیدا ہونے والے مشرکانہ خیالات سے پاک تھی) اقانیم ثلاثہ کا عقیدہ بہت بعد میں عیسائیت میں پروان چڑھا، چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر پورے طور پر عمل پیرا تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حق پرستی اور عقیدے کی درستی کی بنا پر ”صاحبان ایمان“ سے تعبیر کیا ہے۔ ان بیس ہزار مومنین پر ظلم کی روئیداد یہ ہے کہ

تبان بن اسعد کعبہ کے طواف اور اس پر غلاف چڑھانے کے بعد یمن کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی تمام قوم بت پرست تھی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ ان کا بادشاہ یہودی ہو گیا تو ان میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی لیکن اس نے بزور شمشیر اس بغاوت کو دبا دیا۔ لیکن تبابعہ کی حکمرانی کے دور میں امن وسکون ناپید تھا یا تو یمن کی قلمرو میں فساد برپا ہوتے رہتے تھے یا ملوک تبع خود دوسرے ملکوں پر یلغار کیا کرتے تھے۔ جنگوں کا یہ سلسلہ جاری رہا، تبان بن اسعد نے یثرب پر بھی حملہ کیا تھا اور شہر یثرب کو محصور ہونا پڑا تھا لیکن بنی قریضہ کے دو یہودی عالموں کی درخواست پر وہ اس سے باز رہا تھا۔

ابن خلدون نے ان جنگوں کے حالات تحریر کئے ہیں۔

اصحاب الاخدود

میں اس سے قبل تحریر کر چکا ہوں کہ زرعہ تبع (ذونواس) نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، اس نے یمن کے اکثر قبیلوں کو یہودی بنا لیا تھا جبکہ اہل نجران کی اکثریت نصرانی مذہب کی پیرو تھی۔ اس طرح یمن میں عیسائیت اور یہودیت کے ٹکراؤ کی شکل پیدا ہو گئی۔ اُدھر شمالی عرب میں ایران وروم باہم برسر پیکار تھے۔ قیصر روم جیٹنن (قسطین) نے ملوک تبع کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور کم از کم ایرانیوں کو مدد پہنچانے سے باز رکھنے کے لئے اپنا سفیر تبع یمن کے دربار میں بھیجا۔ یہ ذونواس کا دور حکومت تھا، قیصر نے اس امر کی خواہش کی تھی کہ ملک یمن کے اطراف میں ایرانیوں کو آنے کی اجازت نہ دی جائے اور ان کا زور کسی طرح نہ بڑھنے دیا جائے، زرعہ تبع نے قیصر کی اس خواہش کا احترام کیا اور سفیر سے وعدہ کر کے اس کو واپس کر دیا لیکن رومی سوداگر تاجرانہ کاروبار کے لئے سواحل یمن تک پہنچتے تھے اور وہ تجارت کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی بھی اشاعت کرتے رہے۔ ذونواس کو ان کی یہ حرکتیں ناگوار تھیں۔

نجران میں ایک راہب اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے مقیم تھا جب نوجوان اس کی راہ سے گزرتے تو وہ ان کو روک کر عیسائیت کی تعلیم دیتا تھا۔ جب دارالسلطنت کے لوگوں کو

اس کا علم ہوا کہ ہمارے بچوں کے ذہنوں کو عیسائیت کی طرف مائل کیا جا رہا ہے تو انہوں نے ذونواس تک یہ بات پہنچائی۔ ذونواس جو نجران پر حملہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈ ہی رہا تھا اس نے یکبارگی ایک عظیم لشکر کے ساتھ نجران پر حملہ کر دیا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ۝ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝ (سورۃ البروج:۴تا۸)

ترجمہ: ''کھائی والوں پر لعنت ہو، اس بھڑکتی آگ والے جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے اور انہیں اہل ایمان کا کیا برا لگا یہی نہ کہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے، سب خوبیوں والے پر۔''

جب نجران پر یہ حملہ کیا گیا، اس وقت عبداللہ نجران کا حاکم تھا۔ اس کے عیسائی ہونے کے باعث تمام اہل نجران عیسائی ہو گئے تھے۔ تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے کہ عبداللہ حاکم نجران کا کیا حشر ہوا۔ بہرحال جب ان کے سامنے یہ دو باتیں رکھی گئیں کہ یا تو یہودیت اختیار کریں یا قتل کئے جانے پر تیار ہو جائیں تو ان پاکباز مومنوں نے یہودیت قبول کرنے کے بجائے قتل ہونا قبول کر لیا چنانچہ ان کا قتل عام کیا گیا۔ قتل ہونے والوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ قرآن حکیم نے جو پیش گوئی کی تھی کہ ہلاک ہوں خندقوں والے اور وہ بہت جلد پوری ہو گئی۔ نجران کی تباہی کے بعد ذونواس یمن واپس آیا ہی تھا کہ نجران کا ایک شخص دوس بن ثعبان جو کسی نہ کسی طرح اس غارت گری سے بچ گیا تھا۔ قیصر روم کے دربار میں پہنچا۔ ذونواس کے مظالم کی درد بھری داستان سن کر قیصر روم بہت متاثر ہوا۔ اور اس وقت نجاشی شاہِ حبش کو حکم دیا کہ ذونواس سے اس ظلم کا بدلہ لیا جائے۔

قوم سبا کا سلسلہ حبش

اور

اصحاب فیل

سبائے حمیر کے سلسلے میں آپ کے مطالعہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ قدیم قوم سبا تین عظیم خطوں میں آباد تھی یعنی شمالی عرب، یمن اور سرزمین حبش۔
یہ قوم تجارتی اغراض کی بنا پر شمالی عرب میں بھی پہنچ گئی تھی اور وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ سد مآرب کے تباہ ہونے کے بعد مزید آبادی نے شمالی عرب کو اپنا مامن بنالیا تھا۔ یمن تو ان کا مرکز اصلی تھا ہی اور تیسرا خطہ حبش تھا۔ جہاں یمن کے مقابل افریقی ساحل پر انہوں نے اپنی نو آبادیاں تجارتی منڈیوں کی شکل میں قائم کر لی تھیں۔ یہ نو آبادیاں خشکی کی راہ سے مصر و سوڈان سے ملی ہوئی تھیں۔ ان یمنی نو آبادیوں نے ان ساحلی علاقوں کو بھی تجارت کے گر سکھائے تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ ان سبائی عربوں اور حامی النسل افریقی قبائل نے ایک نئی قومیت پیدا کی جو عربی میں حبش کہلائی اور اسی قوم نے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جو اکسوم کہلاتا تھا۔ شاہانِ حبش نجاشی کہلاتے تھے (آپ کو عہد اسلامی میں بھی یہ نجاشی لفظ بادشاہ حبش کے لئے مستعمل ملے گا) اگرچہ حبش و یمن میں جنگ و جدال کا سلسلہ چوتھی صدی عیسوی ہی سے شروع ہو گیا تھا لیکن یمن کی حمیری سلطنت پر آخری ضرب اس وقت لگی جب ذونواس نے ہزاروں عیسائیوں کو آگ سے دھکی ہوئی خندقوں میں دھکیل کر راکھ کا ڈھیر بنادیا۔ واقعہ اصحاب فیل کے سلسلے کا آغاز ''اصحاب الاخدود'' سے ہوتا ہے اہل نجران پر جب ذونواس نے لشکر کشی کی تو ایک امیر

دوس بن ثعبان کسی طرح ذونواس کے لشکریوں سے جان بچانے میں کامیاب ہوگیا وہ افتاں وخیزاں قیصر روم کے دربار میں پہنچا اور ذونواس یہودی کے ہاتھوں عیسائیوں پر جو مظالم ہوئے تھے ان کی دردناک داستان قیصر روم کو سنائی اور انجیل مقدس کے پھٹے اور جلے ہوئے اوراق قیصر کو دکھائے، قیصر، ذونواس کی اس زیادتی پر بہت برافروختہ ہوا اور اس نے اسی وقت نجاشی والی حبشہ کو لکھا کہ ذونواس کو اس کے مظالم کی سزا دی جائے (نجاشی والی حبشہ، قیصر روم کا اطاعت گزار تھا) قیصر کا حکم ملتے ہی ۵۲۵ء میں یمن پر ایک لشکر جرار کے ساتھ حملہ کیا اور تمام یمن فتح کرلیا جس کی مختصر روئیداد یہ ہے۔

نجاشی کا یمن پر حملہ

نجاشی والی حبشہ نے ستر ہزار حبشیوں کا جرار لشکر اپنے سپہ سالار ریاط کی ماتحتی میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ حبشیوں کا ایک مشہور جنرل ابرہہ بھی اریاط کی مدد کے لئے اس کے ساتھ تھا۔ یہ تمام فوج جنگی جہازوں اور کشتیوں کے ذریعہ ساحل یمن پر بہت جلد پہنچ گئی۔ ذونواس کو نجاشی کی اس انتقامی کارروائی یعنی حبشی لشکر کے حملہ آور ہونے کے لئے ساحل یمن پر اترنے کی خبر بروقت نہ پہنچ سکی۔ جب دشمن سر پر پہنچ گیا تو ذونواس نے بھی یمنی قبائل کو مقابلہ کے لئے تیار کیا لیکن تمام یمنی قبائل نے اس کا ساتھ نہیں دیا جس قدر نفری بھی ممکن ہوسکی ساتھ لے کر حبشی لشکر کا مقابلہ کیا۔ یہ مقابلہ یمن کے کس مقام پر ہوا۔ اس کی تصریح کہیں نہیں ہے۔ چند پہر کے مقابلے کے بعد جب اس نے اپنے ساتھیوں میں پسپائی کے آثار دیکھے تو اس نے گرفتاری اور خواری کی موت سے بچنے کے لئے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور چند لمحوں کے بعد بنی حمیر کا یہ آخری ظالم بادشاہ سمندر کی گہرائی میں پہنچ کر صفحہ ہستی سے نابود ہوگیا۔

اب اہل حبش تنہا یمن کے مالک بن گئے۔ ذونواس کے بعد اس کے جانشین ذوجدن اور ذویزن بھی حبشیوں سے پھر یہ سلطنت واپس نہ لے سکے۔ اریاط نے فتح کے بعد یہودیوں پر بے پناہ مظالم کیے اور ان سے ان عیسائیوں کے قتل کا بدلہ لے لیا جن کو

آگ سے بھری ہوئی خندقوں میں جلایا گیا تھا۔

ارياط کا قتل

یمن کی فتح ارياط کے ہاتھوں سے ہوئی لیکن ابرہہ کا بھی اس میں کچھ حصہ تھا جو ارياط کا معاون سالار تھا۔ فتح یمن کے بعد دونوں سپہ سالاروں میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ تلوار یں میان سے نکل آئیں۔ دونوں سپہ سالاروں کے طرف داروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ ارياط اس لڑائی میں مارا گیا۔ نجاشی ابرہہ پر سخت برافروختہ ہوا لیکن کسی حیلے سے اس نے نجاشی کو راضی کر لیا۔

اس سلسلہ میں عرب مؤرخین کا بیان یہ ہے کہ ارياط نے ۵۲۵ء سے ۵۴۲ء تک یمن پر حکومت کی (یعنی ۱۷ سال) ۵۴۳ء میں حبشی فوج نے ارياط کے خلاف بغاوت کی اور ابرہہ نے جو ارياط سے کینہ رکھتا تھا۔ ان باغیوں کی قیادت کی اور ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں ارباط مارا گیا۔ اب ابرہہ حاکم یمن کی حیثیت سے برسر اقتدار آ گیا۔ اس نے حمیریوں اور یمن کے یہودیوں پر ارياط سے زیادہ مظالم کئے ان کے امراٗ اور روساٗ کی اس درجہ تذلیل کی کہ ان کی بیویوں کو زبردستی چھین کر اپنے حرم میں ڈال لیا۔ تمام عیسائی اُمرائٗ نے بنی حمیر کی عورتوں کو اپنے لئے مباح کر رکھا تھا۔ ابرہہ اور اس کا غلام دونوں بدافعالیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ کوئی بدکاری ان سے بچی ہوئی نہیں تھی مختصر یہ کہ بنی حمیر جس قدر پہلے معزز اور صاحب اقتدار تھے اس سے بدرجہا زیادہ ابرہہ کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے۔ بنی حمیر کے مردوں سے غلامی کا کام لیا جاتا تھا اور معمولی معمولی قصور پر ان کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

ارياط جب تک یمن پر حکمران رہا دہ شاہ حبش کے گورنر کی حیثیت سے حکمرانی کرتا رہا جب ابرہہ (اشرم یعنی نکٹا) نے بغاوت کی قیادت سنبھال کر ارياط کو قتل کر دیا۔ اس وقت اس نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ حبش کا حکمران ایلہ اصحمہ (نجاشی) اس کو معزول نہ کر سکا۔ جب ابرہہ کو یمن کی حکومت مستقلاً حاصل ہو گئی تو اس نے صنعا کو اپنا پایہ تخت بنایا

جو اپنی سرسبزی و شادابی اور دلفریب مناظر اور خوشگوار آب و ہوا کی وجہ سے تمام یمن میں بہترین مقام تھا اور آج بھی ہے۔

ابرہہ کی خودمختاری

ابرہہ نے خودمختاری کے حصول کے بعد تمام ملک میں اپنے معتبر سرداروں کو بحیثیت عامل مقرر کیا اور عیسائیت کی ترویج کے لئے یمن کے بڑے بڑے شہروں میں کینسہ تعمیر کرائے سب سے بڑا کینسہ صنعا میں تعمیر کرایا اور اس کا نام کعبہ رکھا تھا۔ اس کا مقصد اصلی یہ تھا کہ عرب بجائے اصلی کعبہ کے اس کینسہ کی عظمت و توقیر کا اظہار کریں چنانچہ اس نے نجاشی اور قیصر روم کو اپنے اس مقصد سے آگاہ کیا اور لکھا کہ اس کینسہ کی تعمیر سے میرا مقصود یہ ہے کہ عرب کو کعبہ کے حج سے روکوں اور اس کینسہ کے طواف کی طرف مائل کروں۔ اس نے اپنے کینسہ کے طواف کی دعوت کے لئے اطراف عرب میں اپنے داعی بھیجے۔ ابرہہ کا ایک داعی شہر مکہ میں داخل ہوا تو مکہ کے ایک امیر عرفہ بن عیاض سے آمنا سامنا ہو گیا۔ عرفہ کو جب اس کی دعوت کا پتہ چلا تو اس نے تیر سے چھید ڈالا اور اس نے دم توڑ دیا۔ اس کا دوسرا ساتھی وہاں سے فرار ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچا اور داعی کے مارے جانے کا حال سنایا۔ ابرہہ غضب سے بے قابو ہو گیا اور اسی وقت ایک جرار لشکر کے ساتھ جس میں ہاتھیوں کی کثیر تعداد بھی موجود تھی کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادے سے مکہ کی سمت روانہ ہو گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک عرب نے ایک رات چھپ کر صنعا کے اس عظیم کینسہ کو نجس کر دیا۔ کئی جگہ گندگی پھیلا دی تھی۔ ابرہہ اس توہین کا بدلہ لینے اور کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا (یہ روایت ابن اسحاق کی ہے، علامہ ابن کثیر نے ان دونوں روایتوں کو البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے)

ارض القرآن جلد اول میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے کہ

''ایک عرب نے رات کو چھپ کر اس کینسہ کو نجس کر دیا۔ ابرہہ اپنے مقدس

معبد کی بے حرمتی دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ فوج جرار اور چند ہاتھی لے کر کعبۂ ابراہیم کو ڈھانے نکلا۔"

ابرہہ کی مکہ پر فوج کشی

جب ابرہہ سرزمین یمن سے نکل کر حجاز پہنچا تو ایک حمیری سردار ذونفر دو ہزار عرب ساتھ لے کر اس کی فوج پر حملہ آور ہوا یا اس کی راہ روکنا چاہی لیکن ابرہہ کی بے شمار فوج کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور ابرہہ نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اسی طرح ابرہہ کی فوج کو روکنے کے لئے مختلف قبیلے بڑھے لیکن کامیاب نہ ہوئے اور ہزیمت اٹھانا پڑی۔

ابرہہ نے طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور اپنے سواروں کا ایک دستہ ایک سردار کی ماتحتی میں مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ بار برداری کے لئے کچھ اُونٹ پکڑ لائے چنانچہ سواروں کا یہ دستہ مکہ کی چراگاہ سے کئی سو اُونٹ پکڑ لایا، ان میں دو سو اُونٹ جناب عبدالمطلب کے بھی تھے۔ جناب عبدالمطلب ان دنوں قریش کے سردار اور مکہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ آپ کو ابرہہ کے ارادۂ بد کی خبر مل چکی تھی اُونٹوں کے جبراً ہنکا لے جانے پر آپ نے چاہا کہ ابرہہ سے مقابلہ کیا جائے لیکن جب ابرہہ کی فوج کی نفری اور فوجی ساز و سامان سے آپ کو آگاہی ہوئی تو آپ اس ارادے سے باز رہے، ابرہہ نے اُونٹوں کے ہتھیا لینے کے بعد دوسرے دن ایک حمیری سردار اُحناط کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ اس کے ناپاک ارادے سے اہل مکہ خصوصاً سردار مکہ (عبدالمطلب) کو خبردار کر دے اور بتا دے کہ اگر انہدام کعبہ میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو خون خرابہ ہوگا۔

جناب عبدالمطلب کا ابرہہ سے مطالبہ

جب جناب عبدالمطلب تک یہ پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا
''خدا کی قسم ہم اس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں کعبہ اللہ کا گھر ہے اگر اللہ اس کو روکے تو وہ اس کا گھر ہے اور اگر اس سے تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کر سکتے۔''

------------------(تاریخ الانبیاء ابن خلدون)

حناط نے یہ جواب سن کر عبدالمطلب اور دوسرے روساٗ قریش کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ابرہہ سے ملاقات کریں، چنانچہ جناب عبدالمطلب اور چند دوسرے روساٗ قریش حناط کے ساتھ ابرہہ کے پاس پہنچے ابرہہ نے سردار عبدالمطلب کا بڑے تپاک سے استقبال کیا اور تخت سے اُتر کران کے ساتھ فرش پر آبیٹھا۔ جناب عبدالمطلب نے حناط سے جو کچھ کہا تھا وہی ابرہہ سے کہا اور اپنے اُونٹوں کی واپسی کی سفارش کی۔ ابرہہ نے متعجب ہو کر کہا

''بہت تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارے میں تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا جو تمہارے آباؤ اجداد کا معبد ہے اور تم نے مجھ سے اپنے اونٹوں کی واپسی کا سوال کیا۔''

جناب عبدالمطلب نے ابرہہ سے کہا ''میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے اونٹوں کی واپسی چاہتا ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ غالباً تم کو اس سے روکے گا، ابرہہ یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر جناب عبدالمطلب کو ان کے اونٹ واپس کر

دیئے۔ جناب عبدالمطلب دوسرے سرداروں کے ساتھ ابرہہ کے دربار سے واپس آ گئے۔

علامہ ابن کثیر، ابن اسحاق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جب جناب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے تو آپ کے ساتھ یعمر بن نغاثہ (بقول طبری عمرو بن لعابہ) بن عدی بن الدیل سردار قبیلہ کنانہ اور خویلد ابن واثلہ قبیلہ ہذیل کے سردار بھی ساتھ تھے ان دونوں سرداروں نے کہا کہ ''تہامہ کی ثلث آمدنی ہم بطور خراج دینے پر آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ تم لوٹ جاؤ اور کعبہ کو منہدم نہ کرو لیکن ابرہہ نے یہ پیشکش قبول نہیں کی اور یہ لوگ واپس چلے آئے۔

جناب عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش اور تمام اہل مکہ کو ہدایت کی کہ مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں، خود روانگی کے وقت خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر بڑے خضوع و خشوع سے یہ دعا مانگی (اس وقت مکہ کے چند سردار بھی آپ کے ساتھ تھے)

ترجمہ اشعار دعائیہ

''الٰہی! بے شک بندہ اس کو روکتا ہے جو اس کے مکان میں داخل ہوتا ہے، پس تو بھی اس کو روک جو تیرے مکان میں آتا ہے۔
ہرگز ان کی صلیب اور ان کا غصہ تیرے غصہ اور غضب پر غالب نہیں آئے گا، اور آج اپنے اہل (کعبہ والوں کی) مدد فرما اہل صلیب اور اس کی پرستش کرنے والوں کے مقابل میں۔''

(یہ تین اشعار ہیں جو علامہ ابن کثیرؒ نے اس سلسلے میں پیش کیے ہیں لیکن ابن ہشام نے اس کی تردید کی ہے)

اس کے بعد عبدالمطلب اور دوسرے امرائے قریش اور تمام اہل مکہ پہاڑ پر چلے گئے اور ابرہہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے مکہ کی طرف بڑھا، اُدھر اللہ تعالیٰ کا غضب ابرہہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○ (سورۃ الفیل)

ترجمہ: ''اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا، کیا ان کا داؤ تباہی میں نہ ڈالا، اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے، تو انہیں کر ڈالا جیسے کھایا ہوا بھس۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ غضب چڑیوں کے جھنڈ کی شکل میں نمودار ہوا، جن کی منقاروں اور پنجوں میں سنگریزے تھے۔ لشکر پر ان ہی سنگریزوں (حجارۃ من سجیل) کی بے پناہ سنگ باری نے ابرہہ کے لشکر کو غارت کر ڈالا جس کے جسم پر یہ سنگریزہ لگتا جسم کا وہ حصہ آناً فاناً گلنے لگ جاتا، لشکریوں کا جب یہ حال ہوا تو ہاتھیوں کو آگے بڑھایا لیکن جس ہاتھی کو آگے بڑھایا جاتا تھا وہ آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹتا اور اپنی ہی سپاہ کو روند ڈالتا، ہاتھیوں پر بھی جب سنگ باری ہوئی تو ان کا بھی وہی حال ہوا چیچک جیسے دانے نکل آئے اور ان کے اعضا کٹنے لگے اور فوج کے جس قدر ہاتھی تھے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد ایک سیل آیا جو ان سب کو بہا کر لے گیا۔ (سیل آنے کا قول علامہ ابن خلدون کا ہے)

علامہ ابن کثیر اس مقام پر لکھتے ہیں:

''وارسل اللّٰہ علیھم طیرًا من البحر امثال الخطاطیف والبلسان مع کل طائر منھا ثلاثۃ احجار یحملھا حجرا فی منقارہ و حجران فی رجلہ امثال الحمص و العدس لا تصیب منھم احد الا ھلک لیس کلھم اضابت و خرجوا ھار بین یبتدرون الطریق التی منھا جاء وا۔''

سیلاب کے سلسلے میں علامہ ابن کثیر نے ایک مفسر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"وذکر نقاش فی تفسیرہ ان السیل احتمل جثتھم فالقاھا فی البحر"

اور سیلاب نے ان کے جسموں کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا۔ (سیلاب ان کی لاشوں کو بہا کر لے گیا)

یہ چڑیاں کون سی تھیں اس سلسلے میں مورخین نے متضاد باتیں کہی ہیں جن کا یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ ابرہہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ واپس ہوا اور اس کا حال یہ تھا کہ اس کے اعضا گل گل کر گر رہے تھے۔ یہاں تک کہ یمن پہنچتے پہنچتے وہ مر گیا۔

قصہ اصحابِ فیل کا سال وقوع

علامہ سہیلی لکھتے ہیں:

"کانت قصة الفیل اوّل محرم من سنة ست و ثمانین و ثمان مائة من تاریخ ذی القرنین"

(سال ۸۸۶ ذوالقرنین

یعنی قصہ الفیل سنہ ذوالقرنین کے سال ۸۸۶ء میں وقوع پذیر ہوا (۵۷۰ء) عربوں نے اس سال کو "عام الفیل" کہا ہے اور اس کو بطور تاریخ بعد میں عرصہ تک استعمال کرتے رہے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اسی سال میں ہوئی۔ تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے۔ صرف دنوں کا فرق ہے۔

صاحب ارض القرآن جلد اوّل میں لکھتے ہیں۔

"ابرہہ کے زمانے کا سب سے اہم عظیم الشان واقعہ ۵۷۰ء میں مکہ پر فوج کشی ہے۔ اس مہم میں چونکہ حبشی ہاتھی لے کر آئے تھے۔ اسی لئے عرب اس مہم کو واقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اسی سال میں اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی

تھی‘‘ ....(ارض القرآن)

یہ تھا ابرہہ اور اس کی فوج کا انجام، لیکن غضب الٰہی ابرہہ کی اس تباہی پر بس نہ ہوا، بلکہ حبشی قوم کو یمن سے نیست و نابود کر دیا۔ ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس نے بھی بنی حمیر اور قبائل عرب کی دل کھول کر تذلیل کی۔ مردوں کو بے دریغ قتل کیا اور ان کی بیویوں کو اپنی باندیاں بنایا، لڑکوں کو غلامی میں رکھا گیا۔ یکسوم کے مرنے پر اس کا بھائی مسروق تخت یمن پر متمکن ہوا اور اس نے یکسوم سے زیادہ مظالم حمیریوں پر کیے۔ حمیری شاہی خاندان کے ایک فرد معروف سیف بن ذی یزن کی بیوی کو جبراً یکسوم نے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ سیف کی غیرت نے اپنی عزت پر یہ حملہ گوارا نہ کیا اور وہ قیصر روم کے پاس پہنچ کر اس سے امداد کا طالب ہوا، لیکن حبشیوں کے ہم مذہب ہونے کے باعث اس نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ وہاں سے مایوس ہو کر شاہی خاندان کا ایک فرد ہونے کے حوالے سے کسریٰ شاہِ ایران سے امداد کا طالب ہوا اور امداد طلبی کے لئے نعمان بن منذر والی حیرہ کو واسطہ بنایا۔ نعمان کے توسط سے یہ کسریٰ کے دربار میں پہنچا۔ نعمان نے اس کی مدد کے لئے سفارش کی۔ آخر کار کسریٰ نے یہ خیال کر کے ایک سرسبز اور شاداب ملک مقبوضات میں اس بہانے سے شامل ہو جائے گا اپنے ایک امیر کی سرکردگی میں جس کا نام وہرز دیلمی تھا۔ ایک جرار لشکر جنگی جہازوں کے ذریعہ یمن روانہ کیا۔ یکسوم مر چکا تھا اور مسروق عیش و عشرت میں مست تخت سلطنت کا مالک تھا۔

ایرانی سپاہ دوسرے روز یمن کے ساحل پر اتری۔ مسروق حبشیوں کی ایک عظیم فوج لے کر بہ عجلت تمام مقابلہ میں آیا لیکن فارس کے تیراندازوں نے حبشی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ اثنائے جنگ وہرز نے سیف کی نشاندہی پر مسروق کو پہچانا اور ایک تیر اس کی پیشانی پر ایسا مارا کہ اس کا خود توڑ کر سر سے پار نکل گیا۔ مسروق زخمی ہو کر گرا۔ اس کے گرتے ہی حبشی فوج بھاگ نکلی۔ اس وقت ایک ایرانی سپاہی دس دس پندرہ پندرہ حبشیوں

کو قیدی بنا رہا تھا اور پھر ان کو ذبح کر ڈالتا تھا۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر یمن کی سرزمین ان حبشیوں سے پاک ہوگئی اور اپنی بدکرداریوں کے انجام میں پورے طور پر تباہ ہوگئی۔ وہرز دیلمی کی سفارش پر کسریٰ نے یمن کی حکومت سیف بن ذی یزن کے سپرد کر دی اور سیف نے سالانہ خراج ادا کرنا قبول کیا، وہرز بطور گورنر کسریٰ کی طرف سے مامور ہوا۔ اس غیبی امداد پر امراء عرب نے بھی سیف بن ذی یزن کو جا کر مبارکباد پیش کی، ابن خلدون کا قول ہے کہ اس گروہ امراؤ سرداران مکہ میں جناب عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ سیف نے ان حضرات کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

طبری کہتے ہیں کہ وہرز کے مرنے کے بعد کسریٰ نے اس کے فرزند مرزبان کو یمن کا گورنر بنایا، لیکن کچھ عرصہ بعد شاہی عتاب میں آکر اسیر ہوا۔ اور دربار شاہی میں بھیج دیا گیا، مرزبان کی جگہ کسریٰ نے باذان کو گورنر مقرر کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہی یمن کا گورنر تھا۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور باذان نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے مسلمان ہوتے ہی یمن میں بڑی تیزی سے اسلام پھیلا اور تمام یمن نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔

ابرہہ اشرم کے لشکر کی تباہی و ہلاکت

ابرہہ کے لشکر کو قدرتِ الٰہی نے جس طرح تہس نہس کر دیا اور ''عصیف ماکول'' بنا ڈالا یہ حقیقت میں سرور کونین تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و عظمت پر ایک عظیم دلالت ہے۔ علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی (م ۷۲۵ء) اپنی تفسیر لباب فی معالم التنزیل المعروف بہ تفسیر خازن میں اصحاب فیل کی بربادی اور ان کی شکست کو ارہاصات (علامات) نبوت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہوئے سورۃ الفیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

و فی قصة اصحاب الفیل دلالة عظیمة علی قدرة اللہ تعالیٰ و علمه و حکمه ذیستحیل عند العقل ان طیرا تاتی من قبل

البحر تحمل حجارة ترمی بھاناسا مخصوصین و فیھا دلالة عظیمة علی شرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذلک ان اللہ تعالی انما فعل ذلک لنصرة من ارتضاہ وھو محمد الداعی الی توحیدہ واھلک من سخط علیہ ولیس ذلک لنصرة قریش فانھم کانوا کفارا لا کتاب لھم والحبشة لھم کتاب فلا یخفی علی ان المراد بذلک نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکانہ تعالی قال انا الذی فعلت ما فعلتہ باصحاب الفیل تعظیما لک و تشریفا لقدرتک و ان قد نصرتک قبل قدومک فکیف توکل بعد ظھورک (تفسیر خازن)

یعنی:۔ اصحاب فیل کا قصہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم وحکمت پر دال ہے کیونکہ یہ ازروئے عقل محال ہے کہ سمندر کی طرف سے ایسی چڑیاں آئیں جو (پنجوں اور چونچ میں) سنگریزے لئے ہوئے ہوں اور وہ مخصوص لوگوں کو ہلاک کریں اور یہ بہت عظیم دلیل ہے (ہمارے نبی) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت وشرافت کی، اور یہ اللہ تعالیٰ نے محض ان کی مدد کے لئے کیا جن کو اس نے برگزیدہ کرلیا ہے اور وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو اس کی توحید کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں لشکر کی ہلاکت کی بھی یہی حجت ہے کہ اللہ کا غضب اس پر نازل ہوا۔ اس میں قریش کی نصرت وتائید نہیں تھی کیونکہ وہ اس وقت کافر تھے اور نہ ان کے پاس (کوئی الہامی) کتاب تھی اور حبش والے اہل کتاب (نصاریٰ) تھے پس ہر ذی شعور پر یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ اس سے مقصود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نصرت تھی، پس گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ہی کیا جو کچھ اصحاب فیل کے ساتھ کیا، تیری تعظیم اور تیری تشریف آوری کی غرض سے۔

پس جب میں نے تیرے آنے سے پہلے تیری مدد کی ہے تو اب تیرے ظہور کے بعد کیسے تجھے چھوڑ دوں گا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

چھوٹی چھوٹی چڑیوں کا سنگریزے گرا کر ابرہہ کے عظیم لشکر کو تباہ و برباد کر ڈالنا ایک آیت الٰہی تھی۔ عقلیات کے متوالوں نے اس واقعہ پر صدیاں گزر جانے کے بعد اس کو محال عقلی اور محالِ عادی کہا اور پھر اس کی مختلف تاویلیں کیں جن کو میں یہاں پیش نہیں کروں گا کہ محال عقلی اور عادی کا ظہور بھی تو قدرتِ الٰہی کا کرشمہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سما تک قدرت الٰہی سے سینکڑوں ایسے محال عقلی و عادی ظہور میں آئے اور ان کو معجزات کا نام دیا گیا اور یہ تمام معجزات قدرت الٰہی کا عطیہ تھے۔ اس موقع پر بھی قدرت الٰہی نے اپنی جلالت شان کی ایک نشانی بغیر کسی نبی یا پیغمبر کی وساطت کے ظاہر فرمائی پس یہ بھی آیات الٰہی میں سے ایک آیت تھی۔

تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت عام الفیل میں ہوئی۔ محققین تاریخ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت ابرہہ کی تباہ کن شکست کے چالیس دن کے بعد ہوئی اور ابرہہ اور اس کی فوج پر یہ عذاب دنیا میں نافرمان قوموں پر آخری عذاب تھا۔ نافرمان قوموں پر عذاب کا جو سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ ابرہہ اشرم کی تباہی پر ختم ہو گیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان قوموں کا سلسلہ باقی تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنا یہ وعدہ پورا کرنا تھا جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی شرف پر شاہد ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (سورۃ الانفال:۳۳)

ترجمہ: ''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔''

چنانچہ طل قدیمہ جیسا کوئی عذاب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ رسالت میں ان پر نہیں آیا۔ سوائے ان صورتوں کے کہ جب وہ ہجرت کے بعد مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو مسلمانوں کی جاں سپاری اور جان نثاری کو بارگاہ ایزدی میں شرف قبول حاصل ہوا اور تائید ایزدی نے ان کے ساتھ ہو کر ان کی زبردست فوجوں کو شکست فاش دی، غزوات کی تاریخ میں یہ تمام واقعات صراحت سے موجود ہیں۔

محسن انسانیت کا ظہورِ مسعود

صلی اللہ علیہ وسلم

حیات کی اس تیرہ شبی میں جبکہ ہر طرف طغیان و عصیان کا اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس کی فضائے تیرگی سے ایک ایسا خورشید عالم تاب طلوع ہوا جس کی ضیا باریوں سے تمام عالم منور ہو گیا۔ یہ وہی مہر جہاں تاب تھا جس کے ضوء کے لئے صدہا سال سے ظلمت شب ترس رہی تھی جس کی ضیاء پاشیوں کے لئے کائنات کا ذرّہ ذرّہ منتظر تھا۔ نظام زمانی کے دونوں رُخ یعنی صبح و شام اپنے غازۂ صلاح و فلاح کے لئے قرنوں سے عالم انتظار میں تھے، بہار و خزاں گلستانِ ہستی کے دو پہلو ہیں۔ جبر و تشدد کی خزاں نے صدیوں سے اس کی بہار لوٹ کر خزاں سے ہمکنار کر دیا تھا۔ مدتوں سے شادابی و بہار کو ترستا ہوا یہ گلستان ایسے باغبان کی آرزو کر رہا تھا جو ہر خزاں کو بہار اور پھر اس بہار کو سدا بہار بنا دے۔ معاشرے کی نکبت زدہ یتیمی ایسے والی اور سرپرست کو ترس رہی تھی جو اپنے دست مہر سے حقارت و فلاکت کی پستیوں سے نکال کر اُن کو اوجِ ثریا عطا کر دے اور محرومیت کا داغ اُن کے دامن سے مٹا دے، غلامی چہرہ انسانیت پر ایک بدنما داغ بن کر زندگی کی رعنائیوں اور عظمتوں سے محروم تھی۔ وہ ایک ایسے آقا کی جستجو میں سرگرداں تھی جس کی نگاہِ کرم سے زید بن حارثہ جیسی سربلندیوں کے میناروں پر وہ کمند عظمت ڈال سکے اور دنیائے علم و فضل کا ربیعہؒ، ابن سیرینؒ اور سعید بن جبیرؒ بنا کر مسلمانوں کے سروں کا دُرّۃ التاج بنا دے جن کے فضل و کمال کے سامنے علمی کمال کی بلندیاں پست نظر آتی ہیں۔ کردار کی پستیاں اپنی اصلاح کے لئے ایسے مصلح اعظم کی راہ تک رہی تھیں جو ان کو قعر

ذلت ونگونساری سے نکال کر انسانی اعمال کی بلندیوں تک پہنچا دے۔ آئینہ خانۂ ہستی کے آئینہ ساز کو آخر کار خوردہ انسانیت پر رحم آیا اور اپنے بے پایاں کرم سے درمانِ ہستی کے لئے اس چارہ ساز کو بھیجا جو وجودِ ہستی کے ہر درد کا درماں ساتھ لایا صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہی وہ چارہ ساز رہبر کامل اور مصلحِ اعظم ہے جس کا نام نامی اس کی شان کی طرح منفرد ہے جو ہمہ تن ستودہ، رحمت ورافت کا پیکر، فضائل اخلاق کا معلم، راہِ نجات کا راہبر سواء السبیل کا راہنما، صراط مستقیم کا ہادی، رشد وہدایت کا داعی، مروجِ انسانیت کا راعی محبت کی اساس، عظمت کا منارہ، رفعت انسانیت کا سفینہ، بحر نجات کا ساحل اس سراپا کرامت و پیکر عظمت کو مشیت الٰہی نے ''محمد'' کے نام نامی سے متعارف کرایا علیہ التحیۃ و الثناء۔

درماندہ انسانیت کو خالق ارض وسما نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پانچ سو سال سے زیادہ کا عرصہ خواب گراں سے بیداری کے لئے دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چند کاہنانِ بنی اسرائیل نے یہودیت ونصرانیت کو ہرزہ گردی اور غلط روی سے بچانے کی کوشش کی اور سیدھے راستہ پر ڈالنا چاہا لیکن انہوں نے ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اور غضب الٰہی کا شکار ہوئے۔

کعبہ کے خدمت گزاروں اور عدنانیوں، قحطانیوں اور دوسری اقوام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد ۳۹ سال تک سنبھلنے کا موقع دیا، اپنے ستودہ صفات حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اصلاح کے لئے مامور نہیں فرمایا۔ مشیت الٰہی اگر چاہتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی مہد میں اپنی رسالت کا اعلان فرما سکتے تھے یا عنفوان شباب میں مامور من اللہ ہونے کا سچا دعویٰ کر سکتے تھے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا۔ یہ ایک امر تکوینی ہے اس تک عقل انسانی کی رسائی محال ونا ممکن ہے۔

شاید مشیت الٰہی یہ چاہتی تھی کہ اے گرفتارانِ ظلمت وغفلت تم اس رہنمائے

انسانیت اور مصلح آدمیت کو اچھی طرح جانچ لو، اس کی زندگی کے ہر پہلو کا جائزہ لے لو۔ دیکھ لو کہ اس کا بچپن لایعنی کھیل کود میں تو نہیں گزر رہا ہے، کوچہ گردی میں تو شب و روز بسر نہیں ہو رہے ہیں۔ پھر اس کا عنفوانِ شباب دیکھو اور اپنی ابھرتی ہوئی جوانیوں سے اس کا مقابلہ کرو اور پرکھ کر دیکھو پھر بھرپور جوانی کا ہر رُخ سے مطالعہ کرو کہیں کوئی ایسا رُخ تو نظر نہیں آ رہا ہے جو دامن انسانیت اور شرافت پر داغ بن کر ابھرنے والا ہو۔ پھر اسی کی تجارت، اس کی امانت و دیانت اور اس کے اخلاق کو آزمائش کے معیار پر کس کر دیکھو، کہیں کوئی خامی یا خلاء تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ دوسروں کے ساتھ اس کا طرز معاشرت، احباب کے ساتھ مودّت، انسانیت کے ساتھ ہمدردی کے مواقع اور موارد پر نظر ڈالو، یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ اس کا حسن سلوک دیکھو، اس کو بحیثیت ایک شوہر کے، ایک باپ کے، ایک تاجر کے، ایک ہمدرد و غمگسار کے، ایک راست گفتار اور راست کردار انسان کی حیثیت سے اچھی طرح جانچ لو۔

چنانچہ ۳۹ سال تک آلِ عدنان و آلِ قحطان ہی پر منحصر نہیں بلکہ سرزمین عرب میں بسنے والی تمام قوموں نے جب ان کو موقع میسر آیا، اس برگزیدہ ہستی کا ہر رُخ سے جائزہ لیا ہر اعتبار سے پرکھا اور پھر یہ پکار اُٹھے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ امین و صادق ہیں، قرآنِ حکیم نے بعثت کے بعد خود ایک موقع پر آپ کی زبان وحی ترجمان سے اس کا اس طرح اظہار کرایا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ یونس:۱۶)

ترجمہ: ''اس سے پہلے بھی ایک بڑے حصہ عمر تک میں تم میں رہ چکا ہوں پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے۔''

کہ میں جو پیغام حق تم تک پہنچا رہا ہوں اس میں شائبہ کذب نہیں ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ (سورۃ یونس:۱۷)

ترجمہ: ''سو اس شخص سے بڑھ کر (زیادہ) ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیت کو جھٹلائے، یقیناً ایسے مجرموں کی اصلاً فلاح نہ ہو گی۔''

آپ نے جس ماحول میں چشم خدا بین کھولی وہ عرب جاہلیت کا ماحول تھا۔ ہر طرف برائیاں ہی برائیاں تھیں۔ انسانی شرافت کی پیشانی بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھی۔ حرم مکہ جس کا طواف قرنوں سے کیا جارہا تھا اور تمام عرب کی نظر میں اس سے زیادہ مقدس گھر کوئی اور نہیں تھا۔ اس کے در و دیوار پیغمبروں کی تصویروں سے پیراستہ اور بتوں کی مورتیوں سے معمور تھے، جس قبیلے کی طرف نکل جایئے اس کا ایک الگ بت، اپنے ہاتھوں اور اوزاروں سے تراشا ہوا ان کے صنم کدے میں موجود، اس کو اللہ وحدہ لاشریک کی خدائی میں شریک بنائے ہوئے تھے۔ اس کو راضی رکھنے کے لئے اس پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ اس سے دعا مانگتے اور اسی کو مشکل کشا اور نظام عالم میں کارفرما جانتے تھے۔ یوں تو ان بتوں کی تعداد ہزاروں سے سوا تھی لیکن بحیثیت مجموعی عرب ان بتوں کی خاص طور سے عبادت کرتے اور ان کو اپنا معبود گردانتے تھے (قرآنِ حکیم میں ان اہم بتوں کے نام لئے گئے ہیں ان کی بیچارگی اور بے بسی کا نہایت ہی موثر انداز میں اظہار کیا گیا ہے) اور ان معذور و مجبور پتھر کے ٹکڑوں (جنہیں انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا) کے سامنے سجدہ ریزی اور ان ہی سے اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کی سفاہت کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

قبائل عرب کے اصنام

قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۝ (سورۃ نوح ۲۳)

ترجمہ: ''اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ود اور

سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو۔"

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی○ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی○

ترجمہ: "بھلا تم نے لات وعزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا۔" (سورۃ النجم آیت: ۱۹، ۲۰)

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ○ اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ○ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ○ (سورۃ الصافات: ۱۲۳ تا ۱۲۵)

ترجمہ: "اور بے شک الیاس پیغمبروں سے ہے جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں، کیا بعل کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ کو۔"

اس طرح پیغمبروں (علیہم السلام) کے حوال یا دلائل دعوت کے سلسلے میں

وُدّ، سواع، یغوث، یعوق، ونسر، لات، عزیٰ، منات، اور بعل

کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا، یہ بڑے بڑے بت تھے۔ بعض کے شاندار معبد تھے۔ بعض بڑی بڑی چٹانیں تھیں جو میدان میں پڑی تھیں مذکورہ بالا بتوں کے علاوہ بھی کچھ اور بت تھے جن کی پرستش ہوتی تھی۔ مدان، ہبل، عیانس اور ذریح نامی بتوں کی بھی پرستش ہوتی تھی، ستارہ پرستی، آفتاب پرستی اور شجر پرستی بھی بہت سے قبائل کا مذہبی شعار تھا۔

یہاں میں چند مشہور بتوں کے معبد کے مقامات اور جو قبیلے اس کی پرستش کرتے تھے اس کی تصریح ضروری سمجھتا ہوں۔

۱- سواع:۔ ینبوع کے مقام رباط میں اس کا معبد تھا اور یہ بنو ہذیل بن مدرکہ کا بت تھا۔

۲- یغوث:۔ یغوث کا معبد جرش کے مقام پر تھا اور قبیلہ طے اور بنو مذحج اس کی پرستش کرتے تھے۔

۳-وَدّ:۔ دومتہ الجندل نامی مقام اس پر اس کا معبد تھا۔قبیلہ قضاء کا ایک بطن قبیلہ مکب بن وبرہ اس کے سامنے سربسجود ہوتا تھا۔ ہذیل بھی اس کی پرستش کرتے تھے۔

۴-یعوق:۔ یہ یمن میں ہمدان کے مقام پر نصب تھا۔قبیلہ ہمدان کے ایک بطن خیوان کا یہ معبود تھا۔

۵-نسر:۔ قبیلہ ذوالکلاع (قوم حمیر کا ایک قبیلہ) اس کی پرستش کرتا تھا۔

۶-بعل:۔ شام کے بت پرستوں میں اس کو بہت بلند مقام حاصل تھا تاہم شامی بت پرست اس کی پوجا کرتے تھے۔

۷-ھبل:۔ یہ ایک بہت بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ میں رکھا ہوا تھا۔ یہ قریش کا معبود اعظم تھا۔

۸-۹-لات ومنات:۔ یہ دونوں بت کسی خاص قبیلے کے معبود نہیں تھے بلکہ عرب کی تمام مشرک قومیں اس کی پرستش کرتی تھیں۔قریش ان دونوں کی قسم کھا کر اپنی بات کو معتبر بناتے تھے،لات طائف میں نصب تھا۔

۱۰-عزیٰ:۔ یہ قبیلہ بنی غطفان کا بت تھا، بنی غطفان اس کے آگے سربسجود ہوتے تھے۔ یہ مقام نخلہ میں نصب تھا اور اس کو بجائے دیوتا کے دیوی کہتے تھے۔

۱۱-دوّار:۔ اس کی پرستش نوجوان عورتوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ یہ جوان عورتیں پہلے اس کے گرد کئی چکر لگاتیں اس کے بعد اس کے آگے سر جھکاتیں۔

۱۲،۱۳- اساف ونائلہ:۔ یہ کوہ مروہ پر نصب تھے ان دونوں بتوں پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔سفر پر روانگی سے پہلے اور سفر سے واپسی پر ان کے آگے سر جھکاتے تھے اور بوسہ دیتے تھے،بعض مورخین نے چاہ

زمزم کے قریب ان کا نصب ہونا بتایا ہے۔

۱۴-عبعب :۔ ایک بڑی چٹان تھی جو میدان میں پڑی ہوئی تھی اس پر اونٹوں کی قربانیاں کی جاتی تھیں اور ذبیحہ کا خون اس پتھر پر اگر دور تک بہہ جاتا تو اس کو باعث شرف سمجھتے تھے۔

ان بتوں کے علاوہ چند مشہور قبائل کے اور بھی بت تھے۔

مقام سلمٰی واجا میں جو قبیلہ طے آباد تھا اس کا بت فلس تھا۔

بنوبکر اور بنو تغلب، اور چند قبائل، ذوالکعبات کی پرستش کرتے تھے، یہ موجودہ شہر کوفہ کے مضافات میں نصب تھا۔

عبدالمدان یمن کا مشہور قبیلہ مدان کی پرستش کرتا تھا اور اسی نسبت سے عبدالمدان کہلاتے تھے۔ حضر موت اور کندہ کے قبائل جلسد نامی بت کی پرستش کرتے تھے۔ بعض مورخین میں اس سلسلے میں کچھ اختلاف بھی ہے کہ کون سا بت کہاں نصب تھا لیکن عرب کے قبائل جن بتوں کی پرستش کرتے تھے ان کے نام تمام مورخین نے بیان کئے ہیں لیکن کہیں کہیں اختلاف بھی ہے۔

عرب جاہلیت کے معاشرتی رسوم
اور
ان کے عادات وخصائل

زمانہ جاہلیت کے عرب ایک بالکل سادہ زندگی کے عادی تھے۔ یہ سادگی خود اختیاری نہیں تھی بلکہ سامان تعیش کی نایابی اور معاشی زبوں حالی تھی، ان کی اس معاشی پستی ہی نے ان کی اس سادگی کو پروان چڑھایا تھا جبکہ ان کی ہمسایہ حکومتیں یعنی مصروشام وعراق، یونان اور روم بڑے طمطراق کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ خود ان کے ملک یعنی جزیرہ نمائے عرب میں یمن کی حکومت بڑی ہی باثروت اور دولت کی فراوانی سے خوشحال تھی۔

عرب کے طبعی حالات، پانی کی کمیابی، دریاؤں سے محرومی، ریگزار خطوں کی بہتات اور ذرائع مواصلات کی حددرجہ کمی نے ان کو اونٹوں اور بھیڑ بکریوں پر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی اُونٹ بھیڑیں اور بکریاں ان کی زندگی کا تمام تر سرمایہ تھیں۔

معیشت کی تنگی کے اس دائرے سے نکلنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ اور نہ اس کا ان کو ہوش تھا۔ اگر چہ ان کے اجداد نے سبائی دور کا شان وشکوہ دیکھا تھا اور کنعانی اور غسانی سلاطین کا طمطراق ان کی نظروں سے گزر چکا تھا۔ طبعًا تو یہ بھی اس عیش ونشاط اور طرب وانبساط کے خواہاں تھے، لیکن ان کی معیشت کی زبوں حالی نے ان کو اس سامانِ تن آسانی اور متاع طرب آگیں سے دور رکھا تھا۔ حضریت میں تجارت ضرور تھی۔

تجارتی منڈیاں بازاروں کی شکل میں ہوتیں، یہ بازار مہینے میں بس ایک بار آباد ہوتے تھے۔اس تجارت کی بدولت حضریت میں تن آسانی اور فراغ بالی کچھ نہ کچھ موجود تھی لیکن بدویت اور حضریت میں ایک حد فاصل تھی اور وہ اخوت و بھائی چارے کا فقدان تھا، حضروی کسی طرح اور کسی طور بھی ان بدویوں کو اپنی آسودہ حالی میں شریک کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ بدوی اس دولت کے حصول کے لئے تجارتی قافلوں کو کبھی کبھار لوٹ بھی لیا کرتے تھے لیکن بایں ہمہ وہ اپنے اس حال پر قانع تھے اور ترقی کی راہ پر قدم اٹھانا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ان کا قیام کسی ایک مرکز یا ایک مقام سے وابستہ نہیں تھا۔وہ پانی اور چارے کی تلاش میں اپنے اثاثے کے ساتھ ادھر سے اُدھر پھرتے رہتے تھے اور جہاں نخلستان (پانی اور سبزہ) نظر آجاتا تھا وہاں ڈیرے ڈال دیتے تھے۔

حضری بھی تجارت میں کوئی خاص مقام حاصل نہ کر سکے اگرچہ اُن کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ یہی تھا ان کے تجارتی قافلے تجارتی شاہراہوں پر رواں دواں رہتے تھے۔خصوصاً قریش اس میں بہت پیش پیش تھے۔

لیکن یہودی اور عیسائی قومیں مدتوں سے تجارت میں مصروف تھیں اور تجارت کی اجارہ داری ان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ اس لئے حضری عرب کبھی تجارتی منڈیاں یا کوٹھیاں قائم نہ کر سکے زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ ماہانہ بازار مختلف شہروں میں یکے بعد دیگرے ان کے اختیار و اہتمام کے تحت لگتے تھے۔اور اس طرح چندروز کے لئے وہاں تجارتی گرم بازاری اور چہل پہل خوب ہو جاتی تھی لیکن ان بازاروں میں ان کی اخلاقی گراوٹ اور ذہنی پستی کے مظاہروں کی وہ بہتات ہوتی کہ الامان والحفیظ۔شعر گوئی، نیزہ بازی، مے نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں جمتی تھیں، خوب ہی خوب دادِ عیش دیتے تھے اور یہی ان کا حاصل زندگی ہوتا تھا۔ان ہی بازاری اجتماع میں بسا اوقات معمولی سی خلاف مزاج بات ایک جنگ کا باعث بن جاتی تھی۔''ایام العرب فی الجاہلیۃ'' میں ایسے متعدد واقعات کو ضبط کیا گیا ہے۔

اسلام سے قبل عربوں کے مذاہب

چھٹی صدی عیسوی میں دنیائے عرب کا تمدن دوسری متمدن اقوام کے مقابل میں کسی نمایاں مقام کا حامل نہیں تھا۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو کوئی قابل ذکر سبقت یا ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی۔ نہ ان کا کوئی سیاسی نصب العین تھا۔ اخلاق کی دنیا میں وہ پستی کی آخری حدود کو چھو رہے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کی اخلاقی پستی اور ان کی معاشرتی زبوں حالی کی اصلاح کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ مذہب نام کی چیز یہودیت، عیسائیت اور صابیت کے نام سے موجود تھی لیکن ان کے خدوخال اس طرح مسخ ہو چکے تھے کہ شرک میں اور ان مذاہب میں کوئی مابہ الامتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ اصنام پرستی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے جن بتوں کی یہ پرستش کرتے تھے۔ ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح مسخ شدہ یہودیت، عیسائیت اور صابیت کے ساتھ ساتھ بت پرستی بھی عرب کا ایک مذہب تھا اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت عام اور مشہور تھا۔

اس چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ یہ صرف جزیرہ نمائے عرب ہی پر موقوف و منحصر نہیں۔ روم و یونان، مصر و شام اور ایران میں کوئی قوم ایسی نہیں تھی جس کو صالح قوم کہا جا سکے یا جس کے معاشرے کو صالح معاشرہ کہا جاتا اور نہ ان ملکوں میں کوئی ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت کو ساتھ لے کر قیادت کے فرائض انجام دیتی۔ انبیائے کرام (علیہم السلام) جس دین حنیف کو لے کر آتے رہے تھے۔ اب اس کا کہیں پرتو بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ان کی تعلیمات کو بالکل مسخ کر دیا گیا تھا یا بالکل بھلا دیا گیا تھا۔

اس پانچ سو سال سے زیادہ کے عرصہ میں جس کو ''عہد فترت'' کہتے ہیں، کچھ موحدین ضرور موجود تھے لیکن ان کی آواز میں نہ اتنا زور تھا اور نہ خود ان میں اتنا کس بل موجود تھا کہ وہ اصلاح کی آواز کو بلند کرتے اور توحید الٰہی کی دعوت دیتے۔ یہ حضرات اپنے اپنے گوشہ ہائے عزلت میں توحید الٰہی کے ذکر میں اس طرح مشغول رہتے کہ

دوسروں تک ان کی آواز پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے متعدد پیغمبرانِ کرام (علیہم السلام) مبعوث ہوئے۔ ان کی تمام تر تعلیمات اسی نافرمان قوم کی اصلاح کے لئے تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ میں مخاطب تو بنی اسرائیل ہی تھے لیکن ان میں عمومی صلاح کا بھی پہلو موجود تھا لیکن یہ قوم تو ان احکام عشرہ کو بھی یکسر بھلا بیٹھی تھی۔

عرب جو قدیم ادوار میں تجارت کے اعتبار سے دنیا کی ایک نامور قوم تھی۔ ان قرنوں یعنی دورِ فترت میں بھی تجارت کرتی تھی لیکن اب اس کی تجارت میں کھوٹ، نیت میں فتور اور بے ایمانی و بددیانتی کے عناصر شامل ہو گئے تھے۔ جس نے ان کی تجارتی ساکھ کو ایسا نقصان پہنچایا کہ ان کی تجارت گھٹ کر ایک معمولی سا تجارتی کاروبار بن کر رہ گئی۔ اب ان کے پاس شہ زوری اور شاعری (جو فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار تھی) سرمایۂ نازش و افتخار کے طور پر باقی رہ گئی تھی اور بس!

لیکن یہ بھی ان کے احساسات اور کردار کی گندگیوں سے ملوث ہو کر اوباشی و فحاشی کا ایک دفتر بن چکی تھی اور اس کا تمام تر سرمایہ عشق و عاشقی کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ اگرچہ عربی ادب اور تاریخ پر ان شعراء کا احسان ناقابل فراموش ہے لیکن اس کے ذریعہ اخلاقی برائیوں اور شرافت نفس کی بربادی کا ایسا سامان فراہم کر دیا تھا جو قوموں کے زوال کی اساس بنتا ہے۔

<u>دہریت</u>

مذہبی اعتبار سے اگر دیکھئے تو جیسا کہ آپ کے مطالعہ سے ابھی گزر چکا ہے یہودیت، عیسائیت اور صابئیت میں خدا پرستی موجود تھی۔ موجود کیا بلکہ ان مذاہب کی اساس ہی خدا پرستی تھی لیکن یہ قومیں اس سرمایۂ عظیم کو ہاتھوں سے کھو بیٹھی تھیں اور ان مذاہب کی صورت تحریف اور عقائد باطلہ کی آمیزش سے کچھ سے کچھ ہو گئی تھی!

سرزمین عرب میں مذکورہ مذاہب کے پیروؤں کے علاوہ کثیر تعداد میں ایسے لوگ

بھی موجود تھے جو نہ خالق کائنات کو تسلیم کرتے تھے۔ نہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کے قائل تھے۔ اسی طرح عالم آخرت کے بھی منکر تھے ان لوگوں کو منکرین خدا کہئے یا دہریہ کا نام دیجئے۔ ان کا عقیدہ یا مذہبی نصب العین بس یہ تھا کہ زمانہ ہی ہم کو پیدا کرتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ''آخیشجاں امہات وعلویاں آبائے من'' اربعہ عناصر اور سبعہ سیارگاں کی باہمی اثر پذیری اور اثر آفرینی سے ہماری تخلیق ہوتی ہے اور ان کے رشتہ ارتباط کے منقطع ہو جانے سے ہماری موت واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر جاہلی نے کہا ہے۔

حیـاۃ ثـم مـوت ثـم حشـر　　حدیث خرافة یا امر عمرو (معاذ اللہ)

زندگی پھر موت پھر دوبارہ جی اٹھنا　　اے اُم عمرو! بالکل پوچ اور لچر بات ہے

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس برصغیر ہندو پاک میں اس نظریہ کے پرستاروں کی بہت کثرت تھی اور نیچریوں کے نام سے مشہور تھے۔ یہی حال اور دوسرے ممالک کا بھی تھا۔ دہریئے خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات، انبیاء علیہم السلام، حشر ونشر کسی کے بھی قائل نہیں تھے۔ عرب جاہلیت میں یہ عقیدہ خوب پروان چڑھ چکا تھا۔ قرآن حکیم نے ان کے اس عقیدے کا کھل کر بطلان کیا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۝

(سورۃ الجاثیہ: ۲۴)

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں، صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔''

منکرین بعث ونشر

عرب جاہلیت میں بعض ایسے بھی تھے جو زندگی اور موت کو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سمجھتے تھے لیکن وہ دوبارہ جی اٹھنے کے قائل نہ تھے یعنی معاد اور بعث بعد الموت کے منکر

تھے۔قرآن حکیم نے ان کے اس منکرانہ عقیدے کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ (سورۃ الصفت:۱۶،۱۷)

ترجمہ: ''بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی جو پہلے ہو گزرے ہیں۔''

جب غافل اور نادان انسان خالق کائنات ہی کا منکر بن بیٹھا تو انبیائے کرام (علیہم السلام) کی برگزیدہ اور صالح شخصیتوں اور ان کے مامور من اللہ ہونے کو بھلا کیونکر تسلیم کرتا۔ چنانچہ ان غفلت شعاروں نے انبیائے کرام کا بھی اسی طرح انکار کیا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ط لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ (سورۃ الفرقان:۷)

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں کہ یہ کیا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ (لوگوں کو) ڈرانے کو رہتا۔''

کچھ ایسے تھے کہ فرشتوں پر ایمان رکھتے تھے لیکن (معاذ اللہ) ان کو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ○ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ○ وَلَدَ اللّٰهُ لا وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ (سورۃ الصفت:۱۴۹تا۱۵۲)

ترجمہ: ''ان سے پوچھو تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے، یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے۔ دیکھو یہ اپنی جھوٹ بنائی (بات) کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔''

ستارہ پرستی

قوم صابی خود کو قدیم مذہب کا پیرو کہتی تھی۔ حضرت شیث اور حضرت ادریس (علیہما السلام) کو اپنا نبی تسلیم کرتی تھی۔ قدیم زمانے میں یہ قوم ضرور خدا پرست تھی یہ خداوند تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے تھے اور ان کے یہاں سات وقت کی نمازیں تھیں لیکن رفتہ رفتہ ان میں ستارہ پرستی کا شیوع ہوا۔ سبعہ سیارگاں کو مظہر الوہیت سمجھنے لگے۔ انہوں نے ساتوں سیاروں یعنی شمس، قمر، زحل، عطارد، مریخ، زہرہ اور مشتری کے لئے ہیکل یا معبد بنائے تھے جو ہیکل جس سیارے کے نام سے موسوم تھا اس میں خاص طور پر اسی کی عبادت کرتے تھے۔ بعض ستارہ پرست غاروں میں عزلت گزینی بھی اختیار کرتے تھے۔ رہبانیت کی بنیاد انہوں نے ہی ڈالی۔ ستارہ شعریٰ کی پرستش کرنے لگے۔ قرآن حکیم نے ان عقائد کا بھی بطلان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان ستارہ پرستوں کے باطل عقائد کا اپنے کلام حمید میں اس طرح بطلان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ سورج اور چاند جن کو تم نے اپنا معبود ٹھہرایا ہے اور دوسرے ستارے جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ سب اللہ کے حکم کے پابند ہیں اور یہ سب اسی کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں اور وہی ان سب کا خالق ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ (سورۃ الانبیاء: ۳۳)

ترجمہ: ''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا یہ سب (سورج چاند، ستارے) آسمان میں (اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں۔''

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ

(سورۃ الحج: ۱۸)

ترجمہ: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بکثرت انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔''

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (سورۃ لقمان:۲۹)

ترجمہ: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو زیر فرمان کر رکھا ہے ہر ایک، ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے اور یہ کہ خدا سب اعمال سے خبردار ہے۔''

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ (سورۃ النجم:۴۹)

ترجمہ: ''اور یہ کہ وہی (ستارہ) شعریٰ کا مالک ہے۔''

اسی طرح ان کے ایک ایک عقیدۂ باطل کا رد کیا گیا اور توحید کی طرف بلایا گیا، ایمان وایقان کی دولت سے جو قلب منور و معمور ہوتے گئے قرآن حکیم ان کو ان کے نیک اعمال کی جزا کا مژدہ پہنچاتا رہا لیکن اصنام پرستی، ستارہ پرستی، سورج پرستی اور معبودانِ باطل کی پرستش نے مشرکوں کے قلوب کو اس قدر زنگ زدہ کر دیا تھا کہ محسن انسانیت کے شب و روز اور حیات طیبہ کے آنات ولحات صدق وراستی کا پیغام پہنچانے ہی میں بسر ہوتے تھے۔ مکی زندگی کے تیرہ سال اصلاح انسانیت کے لئے آپ کی مساعی جمیلہ کا ایک حیرت انگیز روزنامچہ ہے جس میں کافروں کی دشمنی، ایذا کوشی اور دراز دستیوں کے دل دہلانے دینے والے واقعات ایک طرف ہیں تو دوسری طرف رحمت و کرم کی بارش، رافت وتفقد کی ارزنی، دشمنوں کے ظلم وستم پر صبر وشکر اور ان کے لئے نیک تمنائیں اور ان

کے مستقبل کو سدھارنے والی دعائیں شامل ہیں۔

محفل ہائے نائے ونوش

بدویت اور حضریت کی آغوش میں پرورش پانے والے یکساں مزاج اور طبیعت کے تھے جو ان کے طبعی ماحول کا خاصہ تھا فرق صرف یہ تھا کہ حضریت کا متمول طبقہ اپنی شانِ امارت کے اظہار کے لئے محفل ہائے نائے ونوش اور مجالس شعروسخن جب چاہتے برپا کرتے جبکہ بدویت میں افلاس ونکبت کے باعث یہ ممکن نہیں تھا البتہ قومی میلوں اور ماہانہ لگنے والے بازاروں میں ان کی طرف سے یہ مجلسیں منعقد ہوتیں اور یکجا ہو کر عیش و طرب کا بازار گرم کرتے لیکن عموماً ایسے اجتماع خون خرابے پر منتج ہوتے ذرا ذرا سی بات پر تلواریں میان سے نکل آتی تھیں۔ مے نوشی، عیش کوشی اور شاعری ان میں جس طرح مشترکہ قدریں تھیں۔ اسی طرح مہمان نوازی بدویت میں شرافت کا طرۂ امتیاز تھی اور حضریت میں تو اس کو لازمۂ امارت ہی نہیں بلکہ لازمۂ شرافت سمجھا جاتا تھا۔ ہمسایوں کی خبر گیری ہمسایہ کی غیبت میں ان کے اموال کی حفاظت کو بھی یہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ جس طرح دشمن اور اس کے معاونین کو غلبہ پا کر قیدی بنا لینا شان شجاعت سمجھتے۔ اسی طرح قیدیوں کو ان کے ورثاء کی درخواست پر رہا کر دینا بھی ان کا معمول تھا۔ پاس وعدہ کو معیار شرافت سمجھتے تھے۔ عرب جاہلیت کے یہ اوصاف کسی کتاب میں جمع نہیں کئے گئے کہ اس باب میں وہ بالکل بے بہرہ اور کورے تھے۔ ان کی شاعری ان کے ان چند اوصاف کی ترجمان ہے وہ اپنی شاعری میں دل کھول کر ان اوصاف کو بیان کرتے تھے۔ ان کے ایسے قصائد "حماسہ" کہے جاتے تھے۔ ان کے حماسۂ ملی میں بھی یہ جھلکیاں موجود ہیں۔ عرب جاہلیت کی تاریخ کی طرح ان کے یہ اوصاف بھی ان کی شاعری ہی سے قدیم مورخین اسلام نے اخذ کئے ہیں۔ ان کے فضائل اخلاق کی دنیا ان چند محاسن ہی تک محدود تھی۔

عصرِ جاہلیت کی شاعری

وہ مئے نوشی اور عشق و عاشقی میں سرمست رہتے تھے اور اپنی تشبیب یا عشقیہ شاعری میں محبوبہ کا نام لینا شانِ جوانمردی یا شانِ عاشقی سمجھتے تھے اور بے غیرتی کا یہ عالم کہ محبوبہ کے افراد خاندان اس رسوائی کو برداشت کر لیتے تھے۔ ''ایام جاہلیہ'' یعنی عصر جاہلیت کی لڑائیوں میں کسی ایسی جنگ کا نشان نہیں ملتا جو اس بنا پر ہوئی ہو۔ خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے حکماً شعراء کو اس کا پابند بنا دیا تھا کہ وہ تشبیب میں کسی عورت کا نام نہ لیں، لیکن اموی دور میں پھر اس کی اجازت مل گئی یا یہ پابندی اٹھالی گئی۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں حماسہ پر بہت زور صرف کیا جاتا تھا یا ہجونگاری کو ان بدبختوں نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ یہاں تک کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی یہ گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ ان ہجونگاروں میں ایک مشہور شاعر کعب بن زہیر بھی تھے جو آخر ندامت بداماں ہو کر شاہ دین پناہ کی خدمت میں عفوو تقصیر کے خواہاں ہوئے اور اس پیکر حلم ورافت نے ان کی زباں درازیوں کو نہ صرف معاف فرما دیا بلکہ ان کے ایمان لانے پر اور ان کا مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' سماعت فرما کر اپنی ردائے پاک ان کو صلہ میں عطا فرمائی، ان ہجونگاروں کی ہجویہ شاعری کا جواب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نعتیہ شاعری سے دیا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرور ہو کر ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

مختصر یہ کہ شاعری ان کے مزاج میں رچی بسی تھی۔ عشقیہ شاعری (تشبیب قصیدہ) رثاء (مرثیہ نگار) اور حماسہ (فخریہ شاعری) اور ہجوگوئی بس یہی چار اصناف سخن موضوع کے اعتبار سے ان کے یہاں پائے جاتے تھے۔ [۱] ہر قبیلہ کا ایک شاعر

ہوتا تھا جو ان کے آباؤ اجداد کے کارناموں کو اپنی شاعری کے ذریعہ (حماسہ لکھ کر) روشناس کراتا تھا۔ قبیلے میں شاعر کو نساب کی طرح بہت بلند مقام حاصل تھا۔ یہی حماسہ نگار شاعر اس قبیلہ کے نامور لوگوں میں کسی کی موت پر رثا یعنی مرثیہ بھی لکھتا تھا اور سوگواروں میں رثاء پڑھ کر ماتم برپا کر دیتا تھا۔''

مئے نوشی اور دوسرے فواحش

مئے نوشی ان کے معاشرے کا جزو لاینفک تھی، انگور سے شراب تیار کرتے اور جن لوگوں میں غربت وناداری کے باعث انگور سے شراب تیار کرنے کی سکت نہیں تھی وہ کھجور سے تیار کرتے تھے۔ ہر گھر میخانہ بنا ہوا تھا۔ یوں آوارہ منشوں کے لئے میخانے بھی کثرت سے موجود تھے۔ مے نوشی کا یہ مشغلہ اور یہ لت ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے معاشرتی تعلقات اور روابط نے اس عادت کو ان میں اور راسخ کر دیا تھا۔ یہودیوں نے (معاذ اللہ) اپنے پیغمبروں کو بھی مے نوشوں اور مے کشوں کی صف میں لا کھڑا کر دیا تھا۔ بعض پیغمبروں پر مینوشی کے الزامات کو انہوں نے اپنی محرف کتابوں میں بڑے فخر سے پیش کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب خروج، بائبل)

مے نوشی نے عربوں میں دوسرے فواحش کا بھی دروازہ کھول دیا تھا، خفیا گری سفاح (زنا) جیسی بدکاریاں ان میں عام تھیں۔ قرآن حکیم میں اس کے انسداد کے لئے بہت ہی سخت احکام موجود ہیں۔ (یعنی سو کوڑوں کی سزا زانیہ اور زانی کے لئے رکھی گئی ہے۔) قمار بازی اور ازلام ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ قمار خانے بکثرت موجود تھے۔ ان کی قمار بازی نے یہودیوں کے سودی کاروبار کو خوب چمکایا، جوئے میں ہارنے والا جب قلاش ہو جاتا تو یہودی ساہوکار سے سود پر روپیہ قرض لیتا اور پھر سود در سود کا چکر شروع ہو جاتا اور سودی روپیہ ادا کرنے کے لئے پھر وہ چوری اور غارت گری کرنے لگتا، جوا صرف نقد رقم ہی پر نہیں کھیلا جاتا تھا بلکہ زندگی کے دوسرے اسباب کو بھی داؤ پر لگا دیا جاتا تھا۔ جوئے ہی کی ایک قسم ازلام تھی۔ یعنی پانسے ڈالنا اسلام کے نظام اصلاحی میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی اور اجتناب کا حکم دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

(سورۃ المائدہ:۹۰)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں۔ شیطانی کام، پس ان سے بچتے رہنا، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس حکم میں شراب کو شیطانی کام بتا کر (کہ اسی سے بہت سے فتنے پیدا ہوتے ہیں) ترک مے نوشی کی ترغیب دی گئی۔ اس کے بعد واضح طور پر اس کی ممانعت کر دی اور فرمایا

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (سورۃ المائدہ:۹۱)

ترجمہ: ''شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلواوے، شراب اور جوے کے ذریعے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، تو کیا تم باز آئے۔''

قینات

جنگ و جدال میں غالب فریق کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے مرد غلام بنا لئے جاتے تھے اور ان کی بڑے زور شور سے تجارت ہوتی تھی، جنگ میں جو عورتیں ہاتھ آتی تھیں ان کو لونڈیاں بنا لیا جاتا تھا۔ ان کو گانا، ناچنا سکھایا جاتا اور اس تعلیم خنیاگری کے بعد ان کو گراں قیمت پر فروخت کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ان کو آمدنی کا ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ اس کی بدترین صورت یہ تھی کہ ان کے مالک ان کو ''پیسہ کمانے'' پر لگا دیتے تھے اور اس زنا کاری کی آمدنی کو بڑے فخر سے خرچ کرتے تھے۔ یہ لونڈیاں ''قینات'' کہلاتی تھیں۔ قینات سے پیشہ کرانے والے سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ اس معاشرے میں یہ شرم کا کام نہیں تھا، قینات کی عصمت فروشی نے زنا کو بہت عام کر دیا تھا۔ اسلام نے زنا پر حد قائم کر کے معاشرہ کو اس تباہی سے نجات بخشی۔

کہانت وعرافت

عربوں کی اوہام پرستی نے کہانت وعرافت کو بہت فروغ بخشا یہ کہانت مصر وشام و عراق میں بھی بہت عام تھی۔ قدیم معاشرت میں کاہن کا بہت بڑا مقام تھا۔ اس کو ایک واجب الاحترام شخص سمجھا جاتا تھا۔ یہودیت میں اس کو خاص مقام حاصل تھا اور اس کے درجے اور مرتبے کو پیغمبر سے کچھ ہی کم سمجھا جاتا تھا۔ (یہودیوں کی مذہبی تاریخ میں کہانت اور کاہن کا کثرت سے ذکر آیا ہے) عہد جاہلیت میں یہ کہانت اور عرافت ان قدیم اقوام ہی کے ذریعہ ان پڑھ جاہل اور اوہام پرست عربوں میں خوب ہی پروان چڑھی۔

کہانت کے سلسلے میں ان بے دینوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ''کاہن'' کے پاس ''جن'' غیب کی خبریں لے کر آتے ہیں اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی ان کو خبر پہنچا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نہایت زیرک اور فطین ہوتے تھے۔ محض گمان اور قیاس سے پچھلی باتوں کو بتا دیتے تھے۔ کہانت میں ماضی سے زیادہ تعلق تھا۔ کاہن صرف مرد ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ عورتیں بھی ہوتی تھیں جو ''کاہنہ'' کہلاتی تھیں۔

عرافت بھی کہانت کی طرح ایک قسم کی غیب دانی شمار کی جاتی تھی۔ عرافت کا تعلق پیش گوئی سے تھا۔ کہانت اور عرافت کی عربوں میں ان کی جہالت کے باعث بڑی گرم بازاری تھی[1] اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں جبکہ آج کے متمدن دور میں بھی جہالت کے ہاتھوں ان شعبدہ گروں کا بازار خوب گرم ہے۔ اس غیب دانی اور غیب گوئی کا بازار بھی اسلام نے ٹھنڈا کر دیا۔

اسی طرح ٹونکوں اور شگونوں پر بھی اُن کو بڑا اعتقاد تھا۔ جانوروں کی آوازوں ان کے اُڑنے یا اُڑتے اُڑتے بیٹھ جانے سے پیش گوئی لیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ''کوا'' ان میں بہت مقبول تھا، ''غراب البین'' دوستوں سے بچھڑ جانے اور دوستوں میں جدائی کا

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ آلوسی کی تصنیف ''بلوغ الارب'' جلد چہارم

شگون اسی کی آواز سے لیا جاتا تھا۔ عربی شاعری میں شگون کے برے، پوچ اور لچر خیالات کثرت سے موجود ہیں۔

مقتول کی دیت

کسی قبیلے کا کوئی فرد قتل ہو جاتا تھا تو قاتل سے خون بہا یا دیت قبول کرنا ننگ عار سمجھتے تھے اور اس طرح قبائلی دشمنی کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جو برسوں اور قرنوں تک قائم رہتا تھ۔ ان کا مطالبہ جان کے بدلے جان ہوتا تھا اور اسی کو وہ آبرومندانہ بدلہ خیال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے دیت قبول کرنے والوں کو حقیر اور بزدل سمجھتے تھے عموماً مقتول کے ورثاء کا نعرہ یہی ہوتا تھا کہ ''سر کے بدلے سر چاہیے'' اسلام کے اصلاحی نظام میں اس غلط کاری اور دراز دستی کو روک دیا گیا اور دیت کا صلح آگین قانون پیش کیا گیا، اسلام نے قصاص کی حدیں قائم کیں اور معافی اور درگزر کو قابل ستائش اور کفارہ قرار دیا گیا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○

(سورۃ البقرۃ:۱۷۹)

ترجمہ: ''اے فہیم لوگو! اس (قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے امید کہ تم لوگ پرہیز کرو گے۔''

اور قصاص کی شرط یہ قرار دی

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ (سورۃ المائدہ:۴۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان پر اس (کتاب) میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ، بدلے آنکھ کے اور ناک، بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔''

جاہلی عربوں کا دستور تھا کہ مرنے والے کی تدفین کے بعد اس کے اونٹ کو اس کی قبر کے پاس باندھ دیا جاتا اور اس کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ چند روز میں مر جاتا، متوفی کے ورثاء اس عمل کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ ایسا اونٹ ''بلیہ'' کہلاتا تھا۔ شعرائے جاہلیت کے کلام میں اس کا ذکر موجود ہے۔

مرنے والے کا سوگ ایک سال تک کیا جاتا تھا۔ اس کے اوصاف بیان کرنے والوں میں اس قبیلے کا شاعر پیش پیش رہتا تھا اور اس کے فرائض میں داخل تھا کہ وہ مرثیہ کہے اور مرنے والے کے اوصاف مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کرے ایسا شاعر قبیلہ کی نظر میں قابل قدر ہوتا تھا۔

بحیرہ، وصیلہ اور حام

آپ کے مطالعہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ عربوں کی معیشت میں اونٹ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ عرب جاہلیت میں تمول اور امارت کا معیار اونٹوں کی کثرت اور قلت ہی تھا جس کے پاس جس قدر زیادہ اونٹ ہوتے اتنا ہی وہ متمول سمجھا جاتا تھا۔

لہٰذا ان کی تہذیب میں اونٹ کے حوالے سے بھی عجیب وغریب رسمیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اونٹ کے ساتھ بھیڑ اور بکریاں بھی شامل تھیں جو اونٹ دس بچے پیدا کرتا اس کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ جہاں چاہے چرتا پھرے کوئی اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ایسے اونٹ کو ''حام'' کہتے تھے۔ اگر بکری کے نر بچہ پیدا ہوتا تو اس کو بتوں پر بطور نذر کے چڑھاتے تھے اس کو ''وصیلہ'' کہتے تھے اگر اونٹنی، بھیڑ یا بکری پانچ بار مادہ بچے جنتی تو اس کو بھی کان کاٹ کر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ ایسے جانور کو ''بحیرہ'' کہتے تھے۔ اسلام کے اصلاحی نظام میں اس کی بھی ممانعت کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○

(سورۃ المائدہ: ۱۰۳)

ترجمہ: ''اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے۔ کان چرا ہوا، اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حام، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔''

قسم کھانے کا طریقہ

قسم کھانے یا دوسرے شخص سے قسم لینے کا بھی عجیب وغریب طریقہ عہد جاہلیت میں جاری وساری تھا، جب کسی شخص سے قسم لی جاتی تو آگ جلائی جاتی پھر اس پر گندھک ڈالتے جب شعلے بلند ہونے لگتے۔ اس وقت قسم کھانے والا قسم کھاتا اس وقت اس کی قسم کو قابل اعتبار سمجھا جاتا تھا، اشعار جاہلیت میں متعدد شعرأ نے اس قسم کا ذکر کیا ہے۔ اس نہج پر قسم کھانے کے علاوہ اپنے بتوں کی قسم کھاتے یا خانہ کعبہ کے میزاب کے نیچے اپنی کمان اور جوتیاں رکھ دیتے پھر قسم کھاتے اس قسم کو بھی قابل اعتبار سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کی بھی ممانعت کردی۔

بغیر اجازت دوسروں کے گھروں میں داخلہ

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے روک ٹوک نہیں تھی۔ قبیلے کا فرد تو درکنار ایک اجنبی بھی بے باکانہ جس گھر میں چاہتا داخل ہو جاتا۔ بسا اوقات اس طرح گھر میں داخل ہونے سے خون خرابہ پر نوبت آجاتی تھی۔ اسلام کے اصلاحی نظام میں ''آداب معاشرت'' کے تحت بغیر اجازت گھروں میں داخلے کو ممنوع قرار دیا گیا تاکہ معاشرتی خرابیوں کا سد باب ہو جائے۔

عہد جاہلیت میں عورت کا مقام

عرب جاہلیت کے معاشرے میں عورت کی جنس سب سے زیادہ زبوں حال اور
ذلیل وخوار تھی۔ اس کو معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہیں تھا اور نہ اس کی کوئی آواز تھی۔
مردوں کے جوروستم کے مقابلہ میں یہ کوئی آواز بلند نہیں کرسکتی تھی۔ اس کا حق دیا ہی نہیں
گیا تھا۔ نہ ان کے معاشرے میں عورت کے لئے کوئی قانون تھا اور نہ اس کے حقوق تھے
یہ صرف حظ نفس کے حصول کا ایک ذریعہ تھی۔ اس معاشرے میں ایک ایک مرد کے پاس
اس کی مالی حیثیت کے تحت دس دس پندرہ پندرہ عورتیں بیک وقت بیوی کے نام سے رہتی
تھیں۔ جب دو چار سے نفس امارہ حظ اٹھالیتا تو ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کو بیوی بنالیا
جاتا وہ عورت کو حظِ نفس کا ذریعہ اور واسطہ سمجھتے تھے اور بس زنا کو سفاح کا نام دے رکھا
تھا۔

ان میں ازدواج کا طریقہ ضرور رائج تھا اور مہر کا قاعدہ بھی جاری وساری تھا لیکن
طلاق کے معاملے میں مرد بالکل مطلق العنان تھا۔ ایک شخص ایک عورت کو طلاق دے کر
چھوڑ دیتا اور پھر کچھ عرصہ بعد اس سے زن وشوی تعلقات قائم کر لیتا۔ اس طرح بار بار
خود سے جدا کرتا اور پھر زوجیت میں لے لیتا۔ ان کے معاشرے نے اس باب میں ان
پر قیود عائد ہی نہیں کئے تھے۔ وہ اس امر میں بالکل آزاد تھا کہ ایک عورت کو جتنی بار چاہے
چھوڑے اور جتنی بار چاہے اس کو پھر بیوی بنالے۔ بیوی شوہر کے مرنے کے بعد ہی کسی
دوسرے مرد کی زوجیت میں آسکتی تھی۔ ان کے یہاں طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔
عورت کی اس زبوں حالی سے وہ خود اس قدر زچ تھے۔ (جو خود ان ہی کی پیدا کردہ تھی)

کہ جب کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو وہ سمجھتا تھا کہ مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ان کی اس حالت کو بیان فرمایا ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۝

(سورۃ النحل:۵۸)

ترجمہ:''اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے۔''

لڑکی کی پیدائش پر صرف غمگین و افسردہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر ظلم یہ کہ بعض قبیلوں میں یہ رسم بھی جاری تھی کہ شقی القلب باپ اپنے ہاتھوں سے زندہ بچی کو زمین میں دفن کر دیتا تھا۔ ایسے ہی ظالم باپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۝

ترجمہ:''اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے گا تو کس خطا پر ماری گئی۔''

اسلام جو خیر وفلاح کا سرمایہ عظیم ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس نے اس ظالمانہ طریقے کا خاتمہ کر دیا اور معاشرے کی پیشانی سے یہ بدنما داغ بھی مٹا دیا۔

لڑکیوں کی وراثت

عورت پر ان کے جور وستم کا اصل باعث یہ تھا کہ عورت بالکل بے زر و مال تھی۔ ماں باپ اور شوہر کی دولت پر اس کا کسی قسم کا حق نہیں تھا۔ اس لئے مردوں نے اس کو ایک پالتو جانور کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھنے دیا، عہد جاہلیت میں وراثت کا کوئی قانون نہیں تھا۔ ان کے آباؤ اجداد نے جو طریقہ اور وراثت کا جو قاعدہ جاری کر رکھا تھا وہ اسی پر کار بند تھے۔ ان کے اجداد نے یہ ناروا طریقہ جاری کیا تھا کہ صرف بالغ مرد ہی اپنے والدین کی وراثت کے حق دار ہیں۔ تقسیم ترکہ کا اصول کیا تھا۔ متعدد اولاد کی شکل

میں تقسیم کی طرح ہوتی تھی۔ اس کی صراحت اس میں موجود نہیں تھی۔ اسی طرح عورت اور یتیم بچے (جنس ذکور) دونوں معاشرے میں ذلت، خواری، غربت اور افلاس کا شکار تھے۔

اگر باپ کے ذریعہ اس کے مرنے سے پہلے بچوں اور بچیوں کو کچھ مال مل جاتا تو پھر ایسی مالدار لڑکیوں سے شادی کر کے ان کا تمام مال اڑا جاتے یتیموں کو اپنی سرپرستی میں لے کر ان کے مال پر ہاتھ صاف کر ڈالتے۔ اس طرح یہ مفلس و نادار بن کر دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے۔

حق وراثت سے محرومی کے باعث عورت معاشرے میں بڑی ہی ذلیل و خوار تھی۔ مردوں کی غلاموں کی طرح خدمت گزاری ہی اس کا بس ایک فریضہ تھا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں، البتہ شعر و شاعری اس کے لئے منع نہیں تھی۔ اسی طرح جنگ کے موقعوں پر عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ ان میں جرأت بڑھانے کے لئے بطور رجز خواں ساتھ ہو جاتی تھیں اور اس کی ان کو اجازت تھی۔ بسا اوقات ان کی شاعری حکومتوں کو بدل دیا کرتی تھی۔ ملل قدیمہ کی تاریخوں میں ایسے واقعات محفوظ ہیں۔ الغرض طلوعِ مہر اسلام تک عربوں کے معاشرے میں عورت کا یہی مقام تھا اور اس کی کوئی عزت نہیں تھی۔ اسلام کے اصلاحی نظام میں عورت کو اس کا واجبی حق دیا گیا۔

وراثت، مہر، طلاق اور ازدواجی زندگی کے جو حقوق سلب یا غصب کر لئے گئے تھے وہ اس نظام نے اس کو عطا کئے۔ قرآن حکیم کی سورۃ النساء، خاص طور پر اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔ اس مختصر کتاب میں یہ گنجائش نہیں کہ میں ان تمام حقوق کو اور معاشرتی مراعاۃ کو پیش کر سکوں جو اسلام کے اس اصلاحی نظام میں عورت کو دیئے گئے۔ عورت کو ماں باپ کے ترکہ میں جس طرح حقدار بنایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سورۃ النساء سے چند احکام پیش کر رہا ہوں۔ اس سے ایک حد تک آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام نے اس مجبور و بیکس صنف کی بحالی حقوق کے لئے کس قدر اہم احکام دیئے ہیں اور ان احکام

وراثت نے عورت کی بیکسی اور زبوں حالی کو کس قدر اونچے مقام سے بدل دیا۔

وراثت کے سلسلہ میں چند احکام:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

(سورۃ النسآء: ۷، ۸)

ترجمہ: ’’مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے۔ ماں باپ اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے۔ اس میں سے جو چھوڑ گئے۔ ماں باپ اور قرابت والے، ترکہ تھوڑا ہو یا بہت ہے۔ اندازہ باندھا ہوا۔ پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔‘‘

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۚ (سورۃ النسآء: ۱۱)

ترجمہ: ’’اللہ تمہیں حکم دیتا ہے (ورثہ کے متعلق) تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ پھر اگر ساری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا (حصہ) اگر میت

کے اولاد ہو (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے ہوں تو ماں کا تہائی (حصہ) پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں (سگے خواہ سوتیلے) تو ماں کا چھٹا (حصہ) بعد اس وصیت کے جو کر گیا، اور دین کے یعنی (قرض ادا کرنے) کے بعد۔"

قوم کے یتیم بچے اور بچیوں کے سلسلے میں ایک دلنشین اور اثر آفرین ارشاد۔ سورۃ النسآء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ (سورۃ النسآء:٦)

ترجمہ: "اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انہیں سپرد کر دو اور انہیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے (یتیم کا مال کھانے سے) اور جو حاجت مند ہو وہ بقدر مناسب کھائے، پھر جب تم ان کے مال انہیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔"

اثر آفرین و دلنشین تمثیل

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ○ (سورۃ النسآء:٩،١٠)

ترجمہ: ''اور ڈریں وہ لوگ اگر اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑتے تو ان کا کیسا انہیں خطرہ ہوتا تو چاہئے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کریں وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑکتے دھڑے میں جائیں گے۔''

یتیم بچوں اور بچیوں کے سلسلے میں نظام معاشرت کے تحت مزید تفصیل پیش کروں گا۔ یہاں ''رسوم وعادات عرب'' کے تحت ضمناً یہ چند احکام اصلاحی نظام سے متعلق پیش کر دیئے ہیں۔

اب میں آپ کی توجہ عرب جاہلیت کی جنگجو فطرت اور جدال پسند طبیعت کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ ان خانہ جنگیوں نے معاشرت کے دامن امن وسکون کی دھجیاں بکھیر دی تھیں، دشمنی اور عداوت کا ایک طوفان تھا جو ان کے چاروں طرف برپا تھا اور ان کے شیرازۂ امن وسکون کو برباد کر رکھا تھا۔ ہزاروں جانیں اس غرور جاہلیت کی نذر ہو گئیں اور ان کی وحشت و بربریت کی یہ داستانیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہ گئیں۔

ملل قدیمہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے۔ ان طویل خونریز وخونچکاں جنگوں کی داستانیں ان میں محفوظ ہیں، انسان نے کس طرح انسان کا خون بہایا ہے کہ لاکھوں گردنیں کاٹ کر پھینک دیں، ان لڑائیوں اور وحشت خیز جنگوں کی تفصیل علامہ دینوری، علامہ طبری، علامہ ابن کثیر اور علامہ ابن خلدون نے اپنی مستند اور معتبر تاریخوں میں ضبط کی ہے۔ ان جنگوں کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلام بنی نوع انسان کے لئے کس قدر عظیم سرمایۂ امن وسکون لے کر آیا اور کس طرح اس نے اس جنگجویانہ ذہنیتوں کی تطہیر کی، دنیا کا کوئی دوسرا مذہب امن وآشتی کا ایسا پیامبر نہیں ہے۔

ایام العرب فی الجاہلیہ

ایام عرب سے مراد وہ محاربات اور خانہ جنگیاں ہیں جو اس عصر جاہلیت میں وقوع پذیر ہوئیں جس کی مدت قبل اسلام تقریباً ڈیڑھ سو برس ہے۔ یوں تو آشوری، باہلی، کندی ،ایرانی رومی اور مصری قوموں کے درمیان بنو جدال وقتال برپا ہوا اور جو خونریز جنگیں ان قوموں کے درمیان ہوئیں ان کا مختصر حال بھی ان صفحات میں تحریر نہیں کیا جا سکتا۔ ابو حنیفہ دینوری اور صاحب مروج الذہب، طبری ابن خلدون اور دوسرے مورخین نے ان کو بیان کیا ہے اور ان کی یہ کتب تاریخ ان ہی محاربات کی تفصیل کے باعث کئی کئی جلدوں پر منتہی ہوئی ہیں۔

میں نے ''فساد فی الارض'' کے سلسلے میں اصلاحی مساعی کے تحت کہیں کہیں اشارۃً یا بے حد اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ سابقہ اوراق میں کیا ہے۔ یہاں میں صرف ان جنگوں کی تعداد پیش کروں گا جو عربی قبائل کے مابین واقع ہوئیں اور جنہوں نے عرب کی سرزمین کو خون سے رنگ دیا۔ ہزاروں بچے یتیم ہوئے۔ ہزاروں افراد غلام بنائے گئے۔ امن وسکون تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ وہ لڑائیاں اور باہمی خانہ جنگیاں ہیں جو اسلام کے مہر عالم تاب کے طلوع ہونے سے قبل دور جاہلیت میں مختلف قبائل کے مابین وقوع پذیر ہوئیں۔ ان جنگوں کی تفصیل آپ کو ملل قدیمہ کی کتب تاریخ میں ملے گی۔

۱- ایام جاہلیت میں اہل فارس سے عربوں کی دو لڑائیاں ہوئیں۔ ابرہہ اشرم کے واقعات کے سلسلے میں ایک جنگ کا مختصر حال آپ کے مطالعہ سے گزر چکا ہے۔ ذونواس حمیری، کسریٰ کی مدد سے یمن کی یہودی سلطنت پر غالب آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ دو

جنگیں ایرانیوں اور عربوں کی مشہور ہیں۔ ایک کا نام ''یوم الصفقہ'' ہے اور دوسری جنگ ''یوم ذی قار'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''یوم الصفقہ'' کا تعلق کسریٰ کے عہد سے ہے۔ ہوذہ بن علی اس جنگ کا ہیرو ہے۔ دوسری جنگ یوم ذی قار سے مشہور ہے یہ بھی کسریٰ کے زمانہ سلطنت میں وقوع پذیر ہوئی۔

قحطانیوں کے قبائل کے مابین چار لڑائیاں ہوئیں۔ یہ ایام القحطانیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

یثرب کے دو مشہور قبائل اوس وخزرج بھی جدال وقتال باہمی سے دوچار ہوئے۔ ان دونوں قبائل میں پانچ لڑائیاں ہوئیں۔ ان جنگوں میں ''جنگ بعاث'' بہت مشہور ہے۔ ان کی انہی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ (سورۃ آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: ''اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جبکہ تم دشمن تھے پس (اللہ تعالیٰ نے) تمہارے دلوں میں باہمی محبت ڈال دی پس تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اس سے اللہ نے تمہاری جان بچالی۔''

قحطانیوں اور عدنانیوں کے مابین ۹ لڑائیاں ہوئیں ان میں ''السلان'' اور ''ظہر الدہنہ'' مشہور تر ہیں۔

قبیلہ ربیعہ کے مابین ان کے بطون میں پانچ لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں ''جنگ بوس'' بہت مشہور ہے۔ یہ جنگ طویل عرصہ تک جاری رہی۔

قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ تمیم کے درمیان پندرہ لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں ''قوم الوقیط'' اور ''یوم الایاذ''، ''یوم السہاک'' مشہور جنگیں ہیں۔

قبیلہ قیس کے بطون کے مابین جو جنگیں ہوئیں ان کی تعداد ۱۱ ہے۔

قبائل قیس اور کنانہ میں ۱۳ مرتبہ جنگ ہوئی۔ ان میں ''حرب الفجار اوّل اور حرب الفجار ثانی بہت مشہور ہیں، حرف الفجار ثانی سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بعثت سے قبل (جبکہ آپ کا عہد جوانی تھا) یہ جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ اس جنگ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمام کے ساتھ تھے لیکن قتال میں آپ نے شرکت نہیں کی۔ صرف اپنے اعمام کو تیر نکال نکال کر دے دیتے تھے۔

''قبیلہ قیس اور تمیم'' میں ۷ بار جنگ ہوئی۔ ان جنگوں میں ''یوم الصرام'' اور ''یوم الرغال'' مشہور ہیں۔ ان جنگوں کے علاوہ یوم ضبہ کے نام سے چند معمولی معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ علاوہ ازیں ''یوم جدلیس'' یوم ذات الاثل اور یوم سوء کے نام سے عرب جاہلیت کی خانہ جنگیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ [1]

ان جنگوں میں جن کا دائرہ صرف قبائل عرب تک محدود ہے۔ بین الممالک جدال و قتال تو الگ رہا۔ ہزاروں افراد قتل ہوئے اور ہزاروں مرد اور عورتیں غلام اور باندیاں بنائے گئے۔ عورتوں میں جواں لڑکیاں، شادی شدہ اور عمر رسیدہ خواتین شامل تھیں۔ کمسن بچے بھی تھے اور بچیاں بھی، ان بچوں اور جواں مردوں کو غلام بنا کر ان کی تجارت ہوتی تھی، غلاموں کی فروخت کی منڈیاں موجود تھیں جوان لڑکیاں اور بیوہ عورتیں جو گرفتاری سے بچ جاتیں وہ بالکل بے سہارا ہو کر در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھیں۔ عزت نفس کی متاع گراں بہا سے محرومی تو ایک الگ بات رہی۔ ان عورتوں اور جوان لڑکیوں کی بہتات نے زنا کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

زنا کی اس گرم بازاری کو اسلام نے ٹھنڈا کیا اور عورت کی اس زبوں حالی کو سنبھالا دیا۔ بیک وقت چار عورتوں کو رشتہ ازدواج میں لانے کی اجازت اسی لئے دی گئی کہ رشتہ

---

[1] مذکورہ جنگوں کے تفصیلی واقعات کے لئے دیکھئے کتاب ''ایام العرب فی الجاہلیہ'' تالیف محمد احمد جاد المولیٰ، علی محمد البخاری و محمد ابوالفضل، مطبوعہ بیروت

ازدواج میں منسلک ہو کر ان کی عزت نفس بحال ہو سکے اور زنا کا بازار ٹھنڈا پڑ جائے۔ دوسری طرف ان کو بے کسی اور ذلت نفس سے بچانے کے لئے ملک ایمان کو اسلام نے جائز قرار دیا تاکہ اس سے بے سہارا اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے والی اس ''صنف'' کو ایک سہارا مل جائے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ حسن سلوک اور احسان کی راہ پر جس طرح مسلمانوں کو گامزن کیا اس کے نتیجے میں اس بے کس و بے یارومددگار طبقے کی حالت بہت کچھ سدھر گئی۔

اسلام اپنے ابتدائی دور میں اپنی معاشی حالت کے باعث ان ہزاروں بے سہارا اور بے سروسامان عورتوں اور یتیم بچوں کو کوئی پناہ گاہ (ریسکیو ہاؤس) فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے مالی وسائل بہت ہی محدود تھے۔ اصحاب صفہ کی درماندگی کا مداوا پیش نظر تھا۔ اسلام کے مدنی دور میں بھی مالی ذرائع کا اس قدر فقدان تھا کہ اکثر غزوات میں مجاہدین کے لئے سواری کے جانور بھی فراہم نہیں کئے جا سکتے تھے پھر ان بے سہارا عورتوں کے لئے کوئی اجتماعی پناہ گاہ کس طرح بنتی تعدد ازدواج اور ملک ایمان ہی کے ذریعہ ان بے سہاروں کو کچھ سہارا مل سکتا تھا اور مسلم معاشرے میں ان کی بہت کچھ کھپت ہوگئی۔ اسلام کا اس سے یہ مقصود ہرگز نہیں تھا کہ آتش شہوت کو بجھانے کے لئے ان کے پرے کے پرے حرم سراؤں میں موجود ہوں۔ اسلام میں شخصی سلطنت کے دور میں اس افادی پہلو کو نظرانداز کر دیا گیا اور اکثر سلاطین کے حرم سراؤں میں ان بے سہارا عورتوں کی (جو لونڈیوں کے نام سے یاد کی جاتی تھیں) بہتات کا یہ عالم تھا کہ ان کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز تھی۔

خاتم الانبیاء سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم، داعی الی الحق اور ایک مصلح اعظم و عالم کی حیثیت سے اس مفلوج معاشرے میں تشریف لائے۔ آپ نے اس زخم خوردہ سماج بگڑی ہوئی معاشرت و تہذیب اور اخلاق کی زبوں حالی کی اصلاح کے لئے ایمان و ایقان کا نشتر اس کی رگ فاسد پر لگایا جس سے عداوت کا خون اور دشمنی کا خونابہ بہنے لگا۔

چنانچہ اس محسن انسانیت اور مصلح اعظم کی مسیحا نفسی کے حضور میں تشکر و امتنان پیش کرنے کے بجائے، مزاحمت اور ردِّ عمل کی رونمائی ہوئی تعمیر پسند نہیں۔ لہٰذا تعمیر کا رُخ تخریب سے بدل دو ایمان قبول نہیں تو داعی الی الحق کو اس قابل نہ چھوڑو کہ دعوت توحید دے سکے۔ یہ سوچ تھا ان گم کردہ راہوں کا جن کی فلاح و صلاح کے لئے ایک پیغمبر برحق تھا اور جس کا نصب العین یہ تھا کہ معاشرے کے رستے ہوئے ناسور پر اندمال کے لئے اصلاح کا وہ مرہم لگائے کہ پھر کبھی اس ناسور کا منہ نہ کھلنے پائے۔

حق و باطل خیر و شر، سچ اور جھوٹ، انصاف اور ظلم، نیکی اور گناہ ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما اور دست و گریباں رہے ہیں اور یہ معرکہ قابیل و ہابیل سے شروع ہو کر ہر عہد اور ہر زمانے میں برپا ہوتا رہا۔ حق نے خیر نے سچ نے انصاف نے اور نیکی نے ہمیشہ فتح پائی اور ان کے مقابل آنے والی طاغوتی قوتیں ہمیشہ سرنگوں ہوتی رہی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ کے لئے ان طاغوتی قوتوں کو سنبھلنے اور پنپنے کا موقع مل جاتا تھا لیکن ان کا انجام تباہی کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

اصلاح کا دستور العمل

تمدن انسانی کی تاریخ کے اوراق آپ کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔اس کی طویل تاریخ یہی بتاتی ہے کہ انسان یا تو شر و فساد کا علمبردار بن کر انسانیت کے سامنے آیا ہے۔یا خیر و صلاح اور اصلاح کا پیام بر بن کر اٹھا ہے، تاریخ نے جس طرح ان شر و فساد کے علمبرداروں کو یاد رکھا ہے۔اسی طرح اس نے مصلحین انسانیت کو بھی فراموش نہیں کیا ہے اور ہمارے پاس تو ''تاریخ تمدن و معاشرت، ملل قدیمہ اور ان کا عروج و زوال، ایزد تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام، مصلحین کی مساعی اصلاح، اصلاحِ عمل کا قانون، اخلاق کی درستی اور پاکیزگی کا منشور، جزاو سزا کا پیمانہ، خیر و شر کا معیار، پیغمبروں کی تبلیغی کوششوں کا پاکیزہ دفتر، معاش و معاد کا مقدس صحیفہ'' موجود ہے کہ آج اس پر صدیاں اور قرنیں گزر گئیں۔ایک لفظ تو بڑی بات ہے ایک حرف اور حرکت کے تغیر و تبدل سے بھی مصئون و محفوظ ہے۔اس مقدس صحیفہ کا نام ''قرآن'' ہے۔جس میں ہدایت و نجات کی رہنمائی کا سامان اور ضلالت و کجروی کا انجام، انقیاد و اطاعت الٰہی کا انعام، طغیان و سرکشی کا وبال، راست روی و راست کرداری کا مآل، فساد فی الارض کی تباہ کاریاں، نافرمانوں کی چیرہ دستیاں واضح طور پر بیان کر دی گئی ہیں۔قوموں کے عروج و زوال کا بیان انسان کی بصیرت کے لئے ہر چند کہ مختصر ہے لیکن بصیرت و عبرت کی ایک داستان اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔اس میں انسان کی خیرہ سری اور ظلم و طغیان کی سرگزشت بھی ہے اور مصلحین اقوام پیغمبران کرام (علیہم السلام) کی پر عزم اصلاحی کوششوں کا بیان بھی ہے۔ان حقائق اور بصیرت آگیں نکات کی تشریح کے لئے صاحب

قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی صورت میں رشد و ہدایت کے گرانبہا سرمایہ کی حیثیت میں موجود ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ملل قدیمہ کے سلسلے میں قرآن حکیم نے صرف ان قوموں کے عروج وزوال اوران پر عذاب و نکال کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ مگر اعجاز کے ساتھ بیان کیا ہے جنہوں نے معاشرت کے سکون کو درہم و برہم کیا اور جوع الارض نے ان کو دوسری قوموں سے نبرد آزما کیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کی نشانیوں کا مذاق اڑایا۔ دوسروں کو اس کی ذات میں شریک کیا۔ یہاں تک کہ خود خدا بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے ان قوموں میں اپنے پیغمبروں کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اصلاح کی کوششیں کیں لیکن خیرہ سر انسان نے ان علمبردار ان امن وآشتی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، لیکن وہ مامور من اللہ ہستیاں ان رکاوٹوں کو ٹھکراتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں۔ انسان کی خیرہ سری نے ان پاک بین و پاک نظر ہستیوں کو ان کے نصب العین سے ہٹانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے ان پر ظلم وستم روا رکھا۔ سب وشتم، دشنام طرازی ہی پر بس نہیں کی بلکہ ان کی جان لینے کے در پے ہوئے لیکن ان برگزیدہ صاحبانِ عزم واستقلال کو یہ خیرہ سر ہستیاں ان کو راہ سے نہ ہٹا سکیں اور اصلاحِ عمل سے نہ روک سکیں۔ ان پیغمبران کرام و مصلحین عظام میں سے ہر ایک نے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرح

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط

کو اپنی مصلحانہ کوششوں کا منتہا اور راہ عمل کی منزل آخریں قرار دیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس سعی اصلاح کا جائزہ لیجئے۔ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس راہ میں ان مصلحین کرام اور ہادیان عظام نے (جن کو لسان شریعت میں پیغمبر کہا جاتا ہے) کس قدر صعوبتیں برداشت کی ہیں اور ان کی ہستیاں کس قدر مظلوم ہیں، جور وظلم کی ہر اس نوع کو ان حضرات پر آمایا گیا جو جری سے جری انسان کے پائے عزم کو لرزاں بنا دیتی لیکن اللہ کے ان برگزیدہ اور مخصوص بندوں

نے شر وفساد کی ان قوتوں سے نبرد آزمائی میں قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

جب انسانیت کے گرد آہنی دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور شر وفساد کا شکنجہ انسانیت کو اس میں اس طرح کس لیتا ہے کہ اس کی خیر کی قوتوں کو سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور آخر کار ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت یہی مثالی کردار اور نا قابل شکست عزم کی مالک ہستیاں اس سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو اس شکنجے سے آزاد کرانے کے لئے میدان عمل میں اتر آتی ہیں۔ یہ گرے ہوئے انسان کو سہارا دے کر اٹھاتے ہیں۔ ان کی شجاعت اور جوانمردی کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگاتے ہیں۔ ہمت ہارے ہوئے انسانوں میں عزم، جوش اور ولولہ پیدا کرتے ہیں اور ان کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ اس آہنی دیوار کو توڑ ڈالیں اور شر وفساد کا مقابلہ کرتے ہیں وہ اپنے ان رہبروں اور رہنماؤں کے دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ ان پیغمبروں کی اتباع کرنے والی ایسی بیدار بخت ہستیاں ہر دور میں کم سے کم رہی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ایسی ہی ایک طاغوتی قوت کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے نو سو سال تک ان خفتہ بختوں کو جھنجھوڑتے رہے لیکن گنتی کے چند لوگ ہی ان کا ساتھ دے سکے چنانچہ آپ کی کشتی میں جو طوفانِ عظیم کے ہلاکت خیز تھپیڑے کھاتی ہوئی کوہِ جودی پر ٹھہری تھی۔ اس میں سوار افراد کی تعداد کل اسی (۸۰) نفوس تھی جس میں آپ کے خاندان کے افراد بھی شامل تھے۔ تاریخ الانبیاء میں آپ کی نظر کے سامنے بے شمار واقعات اسی نوع کے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رفع فساد فی الارض اور اصلاح حال کے لئے پیغمبرانِ کرام (علیہم السلام) مبعوث ہوتے رہے اور وہ اپنے مفوضہ مشن کی تکمیل میں سرگرم عمل رہے لیکن شر وفساد کے متوالے اور اقتدار کے یہ پرستار بندے ان کی دعوت کو پروان نہیں چڑھنے دیتے تھے۔ آخر کار مجبور ہو کر ان کو بارگاہ الٰہی میں اپنی قوم کی تباہی کے لئے ہاتھ بلند کرنے پڑتے تھے اور پھر غضب الٰہی اس قوم پر ایسا ٹوٹتا کہ بے نام ونشان کر کے

چھوڑتا۔قوم نوح علیہ السلام قوم عاد،قوم ثمود اور دوسری وہ قومیں جن پر عذابِ الٰہی نازل ہوا ان کی داستان کے کچھ گوشے سابقہ اوراق میں آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں۔قہر الٰہی کی آخری کاری ضرب اصحابِ فیل پر ایسی لگی کہ عذابِ الٰہی نے ان کو 'عصف ماکول' بناڈالا لیکن مدہوشی کا یہ عالم تھا کہ جابر و ظالم قوتیں اور ان کے ارباب اقتدار قہر الٰہی کے اس ہلاکت آفرین نتیجے کو دیکھ کر بھی ہوش میں نہ آئے۔آخر کار قدرت نے دعوتِ حق ایک ایسی عظیم ہستی کے سپرد فرمائی جو بدکاروں کی صرف اصلاح ہی پر اکتفا کرنے والی نہ تھی۔ بلکہ اس برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین ان کی پوری زندگی کو بدلنا تھا۔ آپ مفاد اور حقوق کے اس عدم توازن کی میزان کو بدلنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ جس کے ایک پلڑے میں اقتدار کا سنگین بوجھ تھا اور دوسرے پلڑے میں حصولِ حقوق کی جدوجہد کے چند سنگریزے۔ یہ مصلحِ اعظم اور مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی کے اس قالب کو بدلنے پر مامور ہوئے تھے جس کے اطوار و انداز مایہ شر و فساد بنے ہوئے تھے۔ زندگی کے چند معاشرتی یا اخلاقی پہلوؤں کی تطہیر ہی پر اس داعی انقلاب کا کام ختم نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ کو تو ایک نیا اخلاقی سانچہ،ایک نئی میزان عدل اس انسانیت کو دینا تھی جو تباہیوں، بدکاریوں اور بداخلاقیوں اور کفر و شرک کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی کراہ رہی تھی۔

آپ انسانیت کے لئے اعتقاد و عمل کی ایک ایسی رفیع الشان عمارت تعمیر کرنے پر مامور ہوئے تھے جس میں شر کے گزرنے کے لئے ایک روزن بھی نہ ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ کردار اور راستی سے پیراستہ زندگی کے چالیسوں سال اس انقلاب کو لے کر اٹھے۔

حضور لائے ہیں وہ انقلاب دنیا میں
کہ اس کے بعد روا کوئی انقلاب نہیں

(انوار عثمانی)

جس طرح یہ دعوت انقلاب ایک عظیم دعوت تھی۔ اسی طرح کے ردّعمل کے لئے قوت شر بھی اپنی تمام توانائیوں کو سمیٹ کر اور یکجا کر کے مقابلہ کے لئے سامنے آ گئی۔ تاریخ سیرت کے اوراق پر اس ردّعمل کی ساری داستان بکھری ہوئی ہے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے انقلاب کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے جس کی مثال دنیا کے کسی انقلاب میں نہیں ملتی۔ آپ کا یہ انقلاب ایک ایسا انقلاب تھا جس کی بنیاد بنی نوع انسان کی خیر خواہی اور عبد و معبود کے درمیان جو حقیقی رشتہ موجود تھا جس کو غفلت شعار انسان نے اپنی نادانی اور جہالت سے توڑ دیا تھا، اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر کے از سر نو جوڑنا اور استوار کرنا تھا۔ آپ کا یہ انقلاب اساسی طور پر کوئی سیاسی انقلاب نہیں تھا بلکہ بندوں کو اپنے خالق سے ملانے والا، زندگی کے ہر سانس پر شکر نعمت بجالانے والا، اس کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں کے انقیاد کا دل سے پابند بنانے والا اور دشمنی کے سوتوں کو بند کر دینے والا تھا۔ رحمت و رافت، عزت و مکرمت، رواداری، بنی نوع انسان کی خیر خواہی اور عدل و انصاف کی کارفرمائی اس کی اساس تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے اور اس انقلاب کا جو نصب العین یا مرکزی نقطہ تھا وہ یہ تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتوں (اصنام) کے سامنے انسانیت سجدہ ریز ہو کر شرف و احترام انسانیت کو تباہ کر دے۔ یہ اعتقادی انقلاب صرف صنم پرستی کی مزاحمت ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ نے بڑی شد و مد کے ساتھ ذات الٰہی میں ہر قسم کے شرک کے خلاف آواز اٹھائی وہ ستارہ پرستی ہو یا آفتاب پرستی وہ ابنیت کا اعتقاد ہو یا تثلیث کا عقیدہ یا اہرمن و یزداں کی صورت میں دو خداؤں کی خدائی (ثنویت) کے پرستاروں کا دینی نظریہ ہو۔ سورۂ اخلاص چند آیات پر مشتمل ہے لیکن اس ایجاز کا اعجاز تو دیکھئے کہ ان تمام پوچ اور لچر عقائد کا اس میں بطلان موجود ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ

كُفُوًا اَحَدٌ○ (سورۃ اخلاص)

ترجمہ: ''اے محبوب! تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے (ربوبیت والوہیت میں) اللہ بے نیاز ہے (ہر چیز سے) نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے۔''

عقیدے کی اس تطہیر کے ساتھ آپ پوری انسانیت میں انقلاب چاہتے تھے چنانچہ آپ پوری انسانیت کے لئے انقلابی قدروں کو ساتھ لائے تھے جس طرح آپ ایک فرد کی اصلاح کے خواستگار تھے۔ اسی طرح افراد کی اجتماعیت (ہیئت اجتماعی) سے مواد فاسد کو نکال کر خدا پرستی کی خوابیدہ قوت کو بیدار کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے جو اصلاحی نظام پیش کیا۔ اس کا بنظر غائر جائزہ لیجئے آپ بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو بحیثیت مجموعی بدل ڈالا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا○

(سورۃ الفرقان:۱)

ترجمہ: ''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ (یعنی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔''

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر یہ صراحت کی گئی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سورۃ سبا،۲۸)

ترجمہ: ''اور اے محبوب ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔''

انسان کو ایک پاک، صاف ستھرا برائیوں سے دور معاشرتی اور اخلاقی فضائل سے آراستہ تمدن عطا کرنا آپ کی اس دعوتِ حق اور سعی انقلاب کا نصب العین تھا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ورق اس پاکیزہ نصب العین کا آئینہ دار ہے۔ اسلام کا نظام معاشرت نظام معیشت، نظام اخلاق اور نظام سیاست تمام انسانیت کے لئے ہے۔ عجمی و

عربی، اسود واحمر یا عرب وعجم ہی تک اس کا دائرہ محدود نہیں ہے۔ خدانکردہ اگر ایسا ہوتا تو عرب وعجم تک یہ اصلاحی پیغام پہنچ جانے پر اس تحریک انقلاب کا کام ختم ہو جاتا لیکن تاریخ کے اوراق آپ کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔ وہ آپ کو بتا رہے ہیں کہ مصلح عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام یہ دعوت انقلاب واصلاح تمام عالم کے لئے تھی اور آج بھی ہے۔ قرآن حکیم نے جس طرح ''مومنین'' کے لفظ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اسی طرح یا یہا الناس فرما کر ''انسان'' کو بحیثیت کلی خطاب فرمایا ہے۔ ایسا خطاب قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمدن وتہذیب انسانی کو شائستگی اطوار کا بھی سبق دیا اور اس کے مصائب کی اصلاح بھی فرمائی اور اس سلسلے میں تمدن انسانی کے تمام روابط کو پیش نظر رکھا۔ اس داعی انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے تمدن کے کسی شعبہ کو بغیر تطہیر کے نہیں چھوڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو سراپا وغزوات کی تاریخ سے ہٹ کر دیکھئے۔ اس وقت آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس محسن انسانیت اور مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمدن کو سنوارنے اور اس کو قبائح سے پاک کرنے میں کس عزم وحکمت اور کس دور بینی اور کس سوچ اور فکر سے کام لیا۔ اس وقت آپ پر قرآنی تعلیمات کے نکات اور اسرار خود بخود آشکارا ہو جائیں گے۔ اپنے تو اپنے ہیں (جن کے دل و جان آپ پر قربان ہیں) غیروں نے بھی جو حق پسند تھے کھل کر اس کا اعتراف کیا۔

یہ خیال کرنا ایک زبردست غلطی ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظام حیات کو پیش کیا وہ کوئی فکری یا فلسفیانہ نظام تھا جو احوال انسانی اور اس کے تغیر وتبدل سے منطقیانہ استدلال کے ساتھ نتائج اخذ کر کے فہم انسانی کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور بس ایسا خیال رکھنے والوں کو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ ماحول کو بدلنا، تہذیب وتمدن کے دھارے کا رُخ موڑ دینا فلسفہ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کو افراد سے مطلب ہے وہ ہیئت اجتماعی کے کردار اور احوال کا محتاج ہوتا ہے اور جب انفرادی یا اجتماعی احوال و

کردار کی تاریخ سامنے آئے تو وہ نتائج اخذ کر کے پیش کر دے۔ مذہب اسلام اس فلسفہ فکر یا فلسفیانہ نظام سے منزلوں آگے ہے۔ وہ مشاہدات سے بحث کرتا ہے اور شواہد کو انفرادی یا اجتماعی زندگی کی اساس بنا کر باطل عقائد پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ ان افراد کی غلط روی کی نشاندہی ہی کر کے ان کو سوآء السبیل پر گامزن کر دیتا ہے اور انسان کو صرف ظاہری طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے ضمیر کو اس کے باطن کو بدل دیتا ہے۔

اس محسن انسانیت اور مصلح عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانیت کو جو سبق دیا وہ اسلامی تاریخ میں آج بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور میں یہاں اسی انقلاب حیات اور اصلاح زندگی کے جامع اور ہمہ گیر نظام کے ارکان یعنی نظام اخلاق، نظام معاشرتی عدل اور نظام معاش و معیشت کو آئندہ صفحات میں پیش کر رہا ہوں۔ ہم اگر ان نظام ہائے زندگی یا نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کریں تو یقیناً کامرانی و کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور جس زبوں حالی کے شکنجے میں ہم جکڑے ہوئے ہیں۔ اس سے آزادی مل جائے گی۔ بعونہ تعالیٰ وبجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

یہ جو کچھ ہماری حالت ہے یہ اسی کوتاہ دامنی کے باعث ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور قوم کے تمام افراد کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ (آمین)

سرور کونین ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاحی نظام کا سب سے پہلا اور اہم ترین پیام خدائے ذوالجلال والاکرام کی عبادت و اطاعت تھا۔ آپ کے اس انقلابی نظام کی رفیع الشان عمارت کا یہی بنیادی ستون تھا۔ اسی پر جہد و عمل کی ساری عمارت کھڑی تھی۔ آپ نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا اس کی روح یہی کلمہ تھا۔ الا تعبدوا الا اللہ بارگاہ الٰہی سے جو طغرائے رسالت عطا ہوا اس میں مستقبل کی تمام کامرانیوں کی نوید پنہاں تھی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (سورۃ التوبہ:۳۳)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اپنا رسول (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، پڑے برا مانیں مشرک۔''

اور دنیا نے دیکھ لیا کہ مدنی زندگی میں یہ دین حق جس کے آپ آخری پیام بر تھے اور اصلاح کا یہ منشور اور فلاح عالم کا یہ دستور تمام دینوں پر غالب آ گیا جس کا آغاز کوہ صفا سے ایک بلیغ عہد آفرین خطبہ سے اجتماع قریش میں آپ نے کیا تھا اور ولو کرہ المشرکون کی پیش گوئی کے مطابق آپ کو اس اصلاحی عمل کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے جن دشوار راہوں سے گزرنا پڑا اور جن جانگسل اور ہمت شکن مشکلوں کا سامنا ہوا اس کی وضاحت سیرت طیبہ کے مکی دور کی تاریخ میں موجود ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام قوم مدین اور اصحاب الایکہ کے چند ہزار نفوس کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ قوم کی پیہم نافرمانیوں سے تنگ ہو کر بس یہی فرمایا۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

ترجمہ: ''میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

اور یہاں جب حضرت ابو طالب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمائد قریش کی بصورت وفد آمد کا حال بیان کیا (جس میں تمام سربرآوردہ لوگ شامل تھے) اور کہا

ولا تحملنی من الامر ما لا الیق

ترجمہ: ''(اے برادر زادے) مجھ پر ایسا بوجھ مت ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں۔''

اس وقت اس ذات گرامی نے جو اصلاح عالم کے لئے مبعوث فرمائی گئی تھی جواب میں جو ارشاد فرمایا وہ جان کا نذرانہ تھا۔ فرمایا

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی و قمر فی یساری علی ان اترك ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ واھلك فیہ ماترکتہ

(سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص ۱۷۰)

ترجمہ: ''اے عم محترم! خدا کی قسم وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں کہ میں اس تبلیغ (دعوتِ توحید) کو ترک کر دوں تو یا اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کو غالب فرمادے گا یا پھر میں اس راہ میں اپنی جان گنوا دوں گا۔''

آپ کی تعلیمات نے انسان کو اس طرح بیدار کیا کہ اس کے ظاہر ہی کی نہیں بلکہ باطن کی بھی تطہیر کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ پر ان کے ایمان راسخ کا یہ عالم ہو گیا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

ان کو جب یہ پیغام الٰہی اس کے حبیب لبیب کی زبان وحی ترجمان سے پہنچا کہ

(سورۃ التوبہ: ۲۴)

ترجمہ: ''تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔''

اس فرمان واجب الادعان کی اطاعت میں اپنی اطاعت کا ثبوت اس طرح دیا کہ

غزوات میں بیٹا، باپ کے سامنے شمشیر بکف ہوتا اور باپ بیٹے کی گردن اڑانے کے لئے مجاہدین کی صف میں مضطرو بے قرار رہتا۔ جنگ بدر ہی پر کیا موقوف ہے جب بھی نذرانۂ جان پیش کرنے کا حکم ہوا ایمان والوں کے قدم پیچھے نہیں ہٹے۔ بیوی بچوں کی محبت، خاندانی روابط تجارت کی مصروفیت ان کو جہاد سے نہ روک سکی اور انہوں نے محبت کے ان تمام رشتوں اور قرابتوں کے ان تمام وسیلوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں پس پشت ڈال دیا اور جان کا نذرانہ لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے۔ اسلام کی اس انقلابی تحریک کی یہ سب سے بڑی کامیابی تھی۔

دنیا نے ان حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی اس فدا کاری کو جس کی بنیاد احکام الٰہی کا امتثال وانقیاد اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل تھی دیکھ لیا کہ

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یہ سب کچھ نتیجہ تھا مصلح اعظم و مصلح عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فقید المثال قائدانہ صلاحیتوں اور ان تعلیمات کا جو بارگاہِ الٰہی سے آپ کو تفویض ہوئی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں کو اس کا عملی درس دیا، مسلمانوں نے جب تک اس سبق کو یاد رکھا اور اپنا خضر راہ بنایا دنیا ان کے قدم چومتی رہی اور آج بھی اس کے مواقع موجود ہیں لیکن شرط یہی ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ آل عمران:۱۳۹)

ترجمہ: ''اور تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔''

حضرت ابو طالب سے جو کچھ جواب میں آپ نے فرمایا تھا اس کے متعدد مواقع مکی زندگی اور مدنی زندگی میں پیش آئے۔ مکی زندگی کے روز و شب اور مدنی زندگی کے ماہ و سال اس پر شاد ہیں۔

آئندہ اوراق میں اس انقلابی نظام کے اہم شعبوں کو آپ کے سامنے پیش کر رہا

ہوں جن کا عنوان نظام اخلاق، معاشرتی عدل یا نظام حقوق، نظام معیشت اور نظام سیاست ہے اور یہی نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو تمام عالم کی اصلاح کا جامع اور کامل نظام ہے۔ حیات انسانی کا کوئی پہلو اور کوئی رخ ایمان و اعتقادات کے بعد ان نظامہائے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے باہر نہیں ہے۔ زندگی اپنی عملی حیثیت میں ان اصلاحی احکام اور ان نظاموں کے اندر محدود و محصور ہے۔

میں نے ہر ایک نظام اسلامی کو پیش کرنے سے قبل بطور تمہید اس کے مالہ و ماعلیہ پر بقدر فکر کچھ عرض کیا ہے جس کو یہاں پیش کرنا بے محل ہوگا۔ یہاں صرف اتنا عرض کروں گا کہ نظام اخلاق میں انسانی زندگی کے عملی پہلو کے محاسن و معائب (یعنی فضائل اور رذائل اخلاق) کو پیش کیا گیا ہے ممکن ہے کہ میں تمام پہلوؤں کا استقصاء نہ کر سکا ہوں اور بعض فضائل و رذائل معرضِ بیان میں نہ آئے ہوں لیکن اس سلسلے میں حیات انسانی اور فطرت بشریٰ کے ان اہم تقاضوں کو پیش کر دیا ہے جو معاشرے کے سنوارنے اور اس کی تطہیر میں اہم اور ضروری ہیں اور جن سے گریز معاشرے میں شر و فساد پیدا کرنے والا اور اصلاحی عمل میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔

فضائل اخلاق اور رذائل کے سلسلے میں جو احکام قرآن حکیم میں اور ان کی توضیح و تشریح ارشادات صلی اللہ علیہ وسلم (احادیث سنیہ) میں موجود ہے، ان سے استدلال کیا گیا ہے، اخلاق کے حسن و قبح کے نتائج صدر اسلام اور قرون مابعد کی تاریخ کے صفحات پر آج بھی موجود ہے۔ ان ہی فضائل اخلاق نے مسلمان کو ایک پیکر ملکوتی عطا کیا تھا۔ اس کا ہر عمل رضائے خالق اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جویا تھا۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی فلاح و صلاح بندگانِ خدا کی بہبود اور ان کی راحت و آسودگی کے لئے وقف تھا۔ یہ ان فضائل اخلاق پر کاربند ہونے اور رذائل اخلاق سے اجتناب ہی کا شاندار نتیجہ تھا کہ اسود و احمر کی تمیز اُٹھ گئی اور عدم مساوات اور اونچ نیچ کی بندشیں ٹوٹ گئیں، نیکی اور پرہیزگاری کا سکہ ہر طرف چلنے لگا، برائیوں کے سوتے بند ہو

گئے۔ شر و فساد مٹ گیا اور امن و امان کا ہر طرف چلن ہو گیا، پاکیزہ کردار مسلمان نے بحیثیت مجموعی دنیا سے برائیوں کو مٹا دیا اور جلد ہی مسلمان ''انتم الاعلون'' کی بلندیوں پر فائز ہو کر جہاں بین و جہاندار بن گئے۔

نظام معاشرتی عدل یا نظام حقوق پر نظر ڈالئے آپ کو نظر آئے گا کہ اسلام نے ادائے حقوق کو مذہب کا جزو بنا کر انسانیت پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں شر و فساد برپا نظر آئے گا۔ اس کے محرکات میں سب سے اہم محرک یہی ''اتلافِ حق'' آپ کو نظر آئے گا۔ ''فساد فی الارض'' کا سب سے اہم سبب یہی ہے کہ غالب اور طاقتور، مغلوب اور کمزور افراد کے حقوق غصب کر لیتا ہے، بیٹا باپ سے باغی ہو جاتا ہے اور طاقتور، مغلوب اور کمزور افراد کے حقوق غصب کر لیتا ہے۔ بیٹا باپ سے باغی ہو جاتا ہے، باپ کنبہ اور خاندان سے تعلقات منقطع کر لیتا ہے، کنبہ یا خاندان حاکم وقت سے ٹکراتا ہے اور حاکم وقت حکومت سے ٹکر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ اسی لئے ہوتا ہے کہ حقوق باہمی جن کی ادائیگی ایک دوسرے کے ذمے ہے۔ ان کی ادائیگی سے جی چرایا جاتا ہے، حقوق کی یہ پامالی، نافرمانی وعدول حکمی بغاوت کے سوئے ہوئے فتنوں کو جگاتی ہے اور پھر ان کے حصول کے لئے معاشرے میں باہمی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اطمینان و سکون کا شیرازہ درہم و برہم ہو جاتا ہے اور جدال و قتال پر اس کشمکش کا اختتام ہوتا ہے۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی کا تیسرا اہم شعبہ ''معیشت'' ہے زندگی کا مدار رزق پر ہے اور حصول رزق کے ذرائع معیشت کہلاتے ہیں۔ اسلام نے اس شعبہ میں بھی انسان کو من مانی کارروائیاں کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔ اس نے معیشت کے ایسے ذرائع پر قدغن اور پابندیاں عائد کر دی ہیں جو معاشرے کے لئے تباہ کن ہوں یا موجب فساد و انتشار بن سکیں۔ معیشت کے محاسن و معائب کو نظام معیشت کے تحت مطالعہ کیجئے۔ اس نظام کی خوبیاں اور اس کی برائیاں اور جدید نظریات، معاشیات میں آپ کے مطالعہ میں آئیں گے۔ اسلام نے حصول معاش کی جس طرح اجازت دی ہے اور اس سلسلے میں

جن اقدامات کو ممنوع قرار دیا ہے ان کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

چوتھا نظام، نظام سیاست ہے، اسلامی تعلیمات نے اپنے پیروؤں کے نفوس کی ایسی تطہیر کر دی تھی کہ شریعت کے خلاف ان کا قدم اٹھتا ہی نہیں تھا اگر کبھی نفس سرکش کی بدولت ایسا عمل مثلاً زنا، قتل، غارت گری وغیرہا کسی سے سرزد بھی ہو گیا تو پاک فطرت مسلمان بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خود ''اجرائے حد'' کا طالب ہوتا تھا لیکن بایں ہمہ ''حدود'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزا کے اجرا کے لئے داعیٔ انقلاب کو ایک ایسے بالادست نظام کی ضرورت تھی جو قتل، ضربات، شدید، ڈاکہ، چوری، لوٹ مار اور زنا جیسے گھناؤنے جرائم پر شریعت کی مقرر کردہ سزائیں دے سکے پھر یہی نہیں بلکہ غیر مسلم اقوام کے افراد سے بھی ایسے جرائم اگر سرزد ہوں تو سیاست اسلامی اس کا مواخذہ کر سکے اور کیفر کردار کو پہنچا سکے پھر ملکی نظم و نسق کے لئے بھی کچھ قوانین درکار تھے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بات آپ پر روشن ہو جائے گی کہ مکی زندگی میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ اور اصلاح عظیم کا دائرہ صرف معتقدات تک محدود رکھا تھا، توحید الٰہی، شرک کی خباثت اور اس کا انجام اللہ کی نافرمانی کے عواقب، جزا و سزا، عالم آخرت، انعام اخروی و عذاب اُخروی (جنت و دوزخ) بعث بعد الموت، اعمال کی جواب دہی انبیائے سابقین کی تصدیق، کتب سماوی پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یہ تمام امور معتقدات ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ سیزدہ سالہ مکی زندگی میں آپ ان ہی احکام کی تبلیغ فرماتے رہتے، اور ایمان لانے والوں کے دلوں سے صنم پرستی کی کدورت کو دھوا کر راسخ العقیدت مسلمان بنایا، عبادات میں صرف نماز فرض کی گئی۔ مسلمانوں کو اس کا خوگر بنایا اگرچہ مشرکوں اور کافروں نے اس راہ میں بہت رخنہ اندازیاں کیں اور مسلمانوں کو سخت صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ ان معتقدات کے ساتھ ساتھ آپ اخلاقیات کا درس دیتے رہے تاکہ صالح معاشرے کی فضا ہموار ہو جائے۔

مدنی زندگی میں نظام سیاست کی ایک اہم ضرورت تو اجرائے حدود کے لئے تھی۔

دوسرے کافروں کی دست درازیوں اور ان کی فوجی یورشوں کی مدافعت کے اسباب و لوازم کی فراہمی چنانچہ جہاد و دیت سے متعلق تمام تر احکام مدنی ہیں۔ ان احکام کے اجراء اور اسلامی ریاست کے نشوونما اور اس کے استحکام کے لئے بھی ایک سیاسی نظام کی ضرورت تھی (اسلامی ریاست کی بنیاد مدنی دور ہی میں پڑی)

جس طرح اسلام کے نظام اخلاق، نظام معیشت اور عدل معاشرت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ضمناً سیرت طیبہ کی کتابوں میں بھی ان نظام ہائے اسلام کو معرض بحث میں لایا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام کے سیاسی نظام پر بہت کچھ مواد عربی اور اُردو ادب میں موجود ہے۔ انگریزی زبان میں بھی سیاسی نظام اسلام پر تصانیف موجود ہیں لیکن ان میں دسیسہ کاری موجود ہے۔ اردو زبان میں دوسرے نظام ہائے اسلامی کے مقابلہ میں سیاسی نظام پر کم لکھا گیا ہے۔ اردو زبان میں عصر حاضر کے عظیم محقق اسلام ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے قلم نے بہت ہی وقیع اور قابل قدر ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اسی طرح میرے معاصر گرامی دانشور پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد صاحب (کراچی یونیورسٹی) نے ''عہد نبوی میں اسلامی ریاست کا نشو و ارتقا'' کے عنوان سے ایک بہت ہی قابل قدر تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو مجلہ نقوش لاہور کی جلد پنجم کی زینت ہے۔ ابھی تک جداگانہ کتاب کی شکل میں طباعت پذیر نہیں ہوا جس کی شدید ضرورت ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس میں سیاسی نظام کے متعدد پہلوؤں پر بحث آ گئے ہیں۔

اس کتاب کے صفحات کی تنگ دامانی کے باعث میں سیاسی نظام کے تحت صرف منشور مدینہ کا متن جو ہمارے قدیم مورخین جیسے علامہ ابن ہشام، علامہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تصانیف میں مدنی زندگی کے ضمن میں پیش کیا ہے اور جو اسلام کے سیاسی نظام کی روح ہے۔ آپ کے مطالعہ کے لئے حاضر کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی حاضر ہے۔ اس ترجمہ کے بعد قانونِ شریعت کے اہم نکات پیش کروں گا اور قوانین شریعت کے حوالے کے سلسلہ میں نصوص کی نشاندہی کروں گا۔ نصوص پیش نہیں کروں گا۔

میں نے اسلام کے نظام ہائے اخلاق وحقوق اور معیشت کو پیش کرنے سے قبل، نافرمان قوموں، پیغمبران عظام کی اصلاحی مساعی کو پیش کرنا ضروری سمجھا ہے تا کہ ان مقہور قوموں کا عروج و زوال آپ کی نظر سے گزر سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ اصلاحی معاشرہ کے لئے پیغمبرانِ اسلام نے کیا کوششیں کیں اور کن دشواریوں سے ان کو گزرنا پڑا اور مصلح اعظم و مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاحی کام ان حضرات (علیہم السلام) کے مقابلہ میں کتنا اہم اور کس قدر کٹھن تھا اور آپ نے دنیا کو جو اصلاحی درس دیا وہ کتنا جامع اور کتنا موثر تھا کہ اس کے بعد پھر کسی اصلاحی نظام کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔

حضور لائے ہیں وہ انقلاب دنیا میں
کہ اس کے بعد روا کوئی انقلاب نہیں

(انوار عثمانی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا
نظامِ حقوق العباد

اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (سورۃ الحدید:۲۵)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اتاری (دستورِ عدل) تاکہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) انصاف پر قائم ہوں۔''

یہی میزان یعنی احکامِ عدل ایک معاشرہ کو اور اس معاشرہ کے افراد کی معاشرتی زندگی کو ایک مثالی زندگی بنانے والے ہیں۔ معاشرہ کے سلسلہ میں اس کتاب کی ابتدا میں بہت مفصل بحث کی جا چکی ہے۔ مختصر یہ کہ معاشرہ انسانی گروہ اور جماعت کی وہ ہیئت ترکیبی ہے جس میں چند انسان یا ایک جماعت مل جل کر اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔ خواہ یہ گروہ انسانی یا جماعت کسی دور سے تعلق رکھتی ہو۔

انسان نے جب سے گروہ بنا کر زندگی بسر کرنا شروع کی ہے۔ وہیں سے معاشرت کی ابتدا ہوتی ہے۔ معاشرت امتدادِ زمانہ کے ساتھ اپنے اقدار بدلتی رہتی ہے۔ یہ ٹھیک دوسرا موضوع اور ایک دوسری بحث ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ اس وقت کے معاشرہ اور موجودہ

معاشرہ میں عظیم فرق ہے۔ دورحجری یا دورفلزاتی کا معاشرہ اور عصر حاضر کے معاشرہ میں اس کی اقدار کے اعتبار سے ایک عظیم فرق ہے لیکن معاشرہ کے اجزائے ترکیبی جو اس وقت تھے وہی آج بھی ہیں (فرق اس کے مقتضیات اور اقدار کا ہے) جن کے تحت تین اہم موضوعات ہیں۔ تدبیر منزل، تہذیب اخلاق اور سیاست مدن، تدبیر منزل میں منزل پہلا مرحلہ اور دوسرا ارکانِ منزل ہیں جس میں اس کی ذات کی اولین حیثیت ہے۔

یہ صاحب منزل یا یہ فرد اپنی معیشت میں خواہ وہ کشاورزی ہو یا صنعت وحرفت ایک دوسرے فرد کا محتاج ہے جو جدوجہد اور محنت سے حاصل کردہ ضروریاتِ معیشت و معاشرت کی اس فرد کی غیبت میں نگہداشت کر سکے۔ علاوہ ازیں اس کی جنسی تسکین کے لئے بھی اس کا وجود ضروری ہے۔ منزل کا یہ رُکن ''بیوی'' ہے جو اس کی عدم موجودگی میں اسبابِ معیشت کی نگران ہے۔ ایک معقول اور پسندیدہ معاشرہ میں عورت (بیوی) کا وجود بہت ضروری ہے اور اس کی ذات کائنات کے ظاہری نظام میں بہت دخیل ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

اگر بیوی نہیں تو مرد کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور اس کے قدم اس راستہ پر اٹھ جاتے ہیں جو معاشرہ کے لئے ایک بدنما داغ ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان اس رشتہ کا قیام نکاح کے ذریعے ہوتا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ (سورۃ النساء، ۳)

ترجمہ: ''تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں۔ دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی (نکاح) کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے تدبیر منزل کے اس اہم رکن کے سلسلہ میں اپنی کرم نوازی کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ط

(سورۃ الفرقان:۵۴)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا۔''

حکمت الٰہی یہ ہے کہ یہ مصاہرت ان خرابیوں کا سد باب کرے اور انسان اپنی جنسی تسکین کے لئے معاشرہ میں غلط راستہ پر قدم نہ رکھ سکے کہ فرد کی یہ غلط روی معاشرہ میں بڑی تباہیاں برپا کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ جس طرح

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اسی طرح زن، زر، زمین کی فتنہ سامانیاں بھی مسلم ہیں۔ اسی لئے تزویج اور مصاہرت کا قدرت نے ایک نظام اور قانون مقرر فرما دیا ہے تاکہ اس فتنہ کا سد باب ہو جائے۔ اس تزویج اور مناکحت کے نتیجہ میں اولاد ہوتی ہے۔ یہ اولاد ذکور بھی ہوتی ہے اور اناث بھی۔ یعنی بیٹے اور بیٹیاں۔ تزویج اور مناکحت کا یہ سلسلہ صرف زنا ہی کا سد باب نہیں کرتا بلکہ معاشرہ کے چند گروہوں کو ایک دوسرے سے قریب اور قریب تر لانے کا بھی ذریعہ ہے۔ اسی قرب کا نام قرابت داری ہے۔ یعنی ایک گروہ کے لڑکوں کا دوسرے گروہ کی لڑکیوں سے رشتہ مناکحت قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح اوّل الذکر رکن منزل کی لڑکیاں آخر الذکر منزل کے لڑکوں سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر یہ رشتہ داریاں پیدا کرتے ہیں اور اس طرح تدبیر منزل کے امور کی انجام دہی میں ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور ہرج و مرج میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جاتے ہیں لیکن اس تعاون میں ان کو کھلی چھٹی نہیں ہے بلکہ اس تعاون میں بھی قید رکھی گئی ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (سورۃ المائدہ:۲)

ترجمہ: ''اور ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور نیکی میں، لیکن گناہ اور زیادتی

میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"
کہ اس سے معاشرہ میں ہزاروں برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔
اب منزل کے چار رکن ہو گئے۔ (۱) گھر یا منزل (۲) صاحب خانہ یعنی زوج (۳) زوجہ (۴) اولاد

اب امورِ منزل اور خانہ داری کے معاملات میں اس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ صاحب منزل ایک فرد یا چند ایسے افراد کا طلب گار بن جاتا ہے جو اصحاب منزل کے امورِ منزل یا تدبیر منزل میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ اس کے حکم پر چلے اور اس کا فرماں بردار اور مطیع ہو۔ منزل کا یہ رکن خادم ہے۔ اس طرح معاشرہ کے بنیادی افراد اور ارکان یہ قرار پاتے ہیں (۱) منزل (۲) صاحب منزل (زوج) (۳) زوجہ (۴) اولاد (۵) خادم۔ اس وقت یہ دائرہ تدبیر منزل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے لیکن اس کے ارکان یہی رہتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ معاشرہ کے ایک فرد کو تنازع للبقا کے لئے ان پانچ ارکان کی ضرورت ہے۔ اسلام نے اپنی نصوصِ قرآنیہ اور سرورِ ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ کے ذریعے معاشرہ کے اس اوّلین مرحلہ کے تمام بنیادی رہنما اصول مقرر فرما دیئے ہیں جن کا میں ان کے محل اور مناسب موقع پر ذکر کروں گا۔

اب معاشرہ کا دائرہ کچھ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ ایک صاحب منزل کے قریب دوسرا صاحب منزل انہی لوازم کے ساتھ اس سے قریب آ جاتا ہے۔ اس طرح ہمسایہ بہ ہمسایہ دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور پہلے صاحب منزل کے لئے یہ ہمسایہ بعید صاحب الجنب ہے۔ اللہ اللہ! خالق کائنات کی یہ حکمت بالغہ ملاحظہ فرمائیے کہ اس نص قرآنی میں چند الفاظ کے ذریعے اس تدبیر منزل کے تمام ارکان کا احاطہ کر لیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط (سورۃ النساء:۱)

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں کے ملاق (نکاح) سے بہت سے مرد اور عورتیں (اولاد) پھیلا دیئے، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔''

ذرا غور کیجئے تدبیر منزل کے متعدد ارکان اس آیت کریمہ میں بیان فرما دیئے گئے۔ بہر حال تدبیر منزل کا یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہوا ایک شہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر بہت سے شہر ایک ریاست یا مملکت بن جاتے ہیں۔ صوبوں کا تصور محض انتظامیہ کی آسانی کے لئے ہے۔ اگرچہ ارسطو نے شہری زندگی اور اس کی ہیئت اجتماعیہ ہی کو ریاست قرار دیا ہے۔ ارسطو کی اس موضوع پر مبسوط تصنیف سیاسیاتِ ارسطو میں شہری کو ریاست سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی نظر میں ''سیاسیات مدن'' اسی شہر کے بسنے والوں کی فوز و فلاح کا انصرام ہے۔ میں ارسطو کی سیاسیات پر نظر نہیں ڈالوں گا جبکہ انسانی نظریات کی طرح وہ بھی خامیوں سے پر ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس یونانی فلسفی نے اس موضوع پر اس وقت قلم اٹھایا جبکہ یونانی تہذیب ابتدائی مرحلوں سے گزر رہی تھی۔

تہذیب کی قدامت کے اعتبار سے یونانی تہذیب بہت بعد کی چیز ہے۔ جب ہم قدیم تہذیبوں کا ذکر کرتے ہیں تو مصری، کلدانی، آشوری، فینقی تہذیبیں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں اور ان ہی تہذیبوں کے ذکر سے ان قوموں کی معاشرتی زندگی اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ تہذیب کے تار و پود معاشرہ ہی سے مرتب ہوتے ہیں۔ ان قدیم مشرقی تہذیبوں نے بھی یونانی تہذیب کی طرح معاشرتیات، عمرانیات اور اخلاقیات پر، اپنے افکار کا مجموعہ نہیں چھوڑا، حالانکہ قدیم مصری لکھنا بھی جانتے تھے۔ وہ پیپرس سے کاغذ بھی بنا لیتے تھے۔ زیادہ تر عیش و تنعم میں یا پھر ظلم و تعدی میں اپنے اوقات بسر کرتے تھے۔

صرف ایک فن تعمیر کی طرف انہوں نے توجہ کی تو اس کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا کہ مصر کے اہرام اور ابوالہول کا مجسمہ اس کے منہ بولتے گواہ ہیں۔ ماہرین حجریات اور کتبات کے پڑھنے والوں نے ان یادگاروں کے ذریعہ ان کی تہذیب اور معاشرت کے چہرہ سے نقاب اُلٹے ہیں اور بس!

قدیم مشرقی قوموں میں مصری، کلدانی، آشوری اپنی تہذیب اور معاشرت میں صنعت وحرفت میں اس بلند مقام پر فائز تھے کہ دوسری قومیں اس راہ میں ان سے قرنوں پیچھے رہ گئیں۔ پارچہ بافی، کاغذ سازی، تجاری، ظروف سازی، فن تعمیر اور لاشوں کو حنوط کرنے کے طریقوں میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ اس موضوع پر آپ تفصیل ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہی تہذیبیں ایران کی دست درازی کی راہ سے جب مغرب میں پہنچیں تو انہوں نے بحری راستوں سے تجارت کے دروازے کھول دیئے لیکن عدل وانصاف نام کی چیز جو ایک صالح معاشرہ کے لئے جسم میں رُوح کا درجہ رکھتی ہے آپ کو نہیں ملے گی۔ جس طرح مصری سلاطین خصوصاً فراعنہ نے ظلم وجور کو اپنایا قتل وغارت گری کو شیوہ بنایا یہاں تک کہ فانی قوت اور طاقت کے غرور نے ان کی زبانی خدائی کے دعوے کرائے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن معاشرہ میں عدل وانصاف شائستگی اور فوز وفلاح کی اقدار پیدا نہ کر سکے۔ ان قدیم اقوام نے عیش کوشی اور ہوس رانی کے تحت جس معاشرہ کو جنم دیا۔ اس میں غالب افراد محکوم اور مغلوب افراد کے لئے ایک عذاب الیم سے کم نہ تھے۔ اسی طاقت اور قوت کے غلبہ نے بادشاہت اور ملوکیت کو پیدا کیا۔ اس ملوکیت کی سطوت زیرنگیں افراد پر چھا گئی اور پھر یہ محکوم افراد غلاموں کی زندگی بسر کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

مصر میں بادشاہی کا قیام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تین ہزار سال قبل (قبل مسیح) قائم ہوا اور اس تین ہزار سال کے طویل ترین عرصہ میں عظیم ترین بادشاہوں کے ۲۶ سلسلے قائم ہوئے اور ہر سلسلہ ساٹھ اور ستر بادشاہوں پر مشتمل تھا۔ فراعنہ مصر کا

سلسلہ تو ان چھبیس سلسلوں کی ایک درمیانی کڑی ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ معاشرہ تاریخ میں کس قدر قدامت رکھتا ہے۔

معاشرہ کی اس طویل زندگی کی کوئی باقاعدہ تاریخ مرتب نہ ہو سکی جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا صرف یونانی فلسفی افلاطون، دیموقراطیس اپنی افکار کے نتیجہ میں عمرانیات اور تہذیب معاشرہ کے اصول تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن افسوس کہ بنی نوع انسان کا ایک طبقہ یعنی فطرتاً آزاد پیدا ہونے والے افراد اپنی بے چارگی، درماندگی یا قتل و غارت گری کے نتیجہ میں غلام بن جانے والے اس تہذیب میں جس کو یونانی حکماء بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں، جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں رومیوں اور یونانیوں کی جنس تجارت میں سب سے زیادہ جاذبِ توجہ متاع تجارت یہی انسان تھے جن کو غلام بنالیا جاتا تھا۔ دولت، تن آسانی اور لذت پرستی میں غلو کا یہ عالم تھا کہ یونانی معاشرہ میں ان لذتوں کو دیوتا کا درجہ دے دیا گیا۔ گریک مائتھالوجی یعنی یونانی علم الاصنام میں آپ کو یہ دیوتا لذت کوشی میں ہر جگہ ان کے افکار پر چھائے ہوئے ملیں گے۔ خواہ ان کی شاعری ہو یا فلسفہ! افسوس کہ یہ اربابِ حکمت یعنی فلاسفر بھی اس کا سدباب نہ کر سکے۔

ظلم و ستم کا اندازہ کرنا ہو تو روم کے ان جابر و ظالم اور درندہ صف، خونخوار بادشاہوں کے وہ اکھاڑے دیکھئے جن کی تصویر کشی قدیم تاریخوں میں کی گئی ہے کہ ان کی بے رحم طبیعت انسان کو خونخوار درندوں کے حوالے کر کے ان کے رقص بسمل کا نظارہ کر کے آسودہ ہوتی تھی اور یہ تماشا صرف چند لمحات کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ دنوں تک جاری رہتا تھا۔ اس قدیم داستان کو کہاں تک بیان کروں، یہ تو نہ ختم ہونے والے حقائق ہیں جو بعض راست گو مورخین کی راست گوئی کی بدولت تاریخ کے صفحات پر ثبت رہ گئے ہیں اور انہوں نے ان حقائق کو ان خونخوار اور درندہ صفت بادشاہوں کے بعد صفحہ قرطاس پر ثبت کیا ورنہ شیر اور چیتے ان کی بھی اسی طرح بوٹیاں اڑا لیتے جس طرح ان کے دیگر ابنائے

جنس کی!

آفتابِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے قبل تمام معاشروں کا یہی رنگ تھا۔ تمام مغربی اور مشرقی معاشرے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور اس کے لئے وہ مجبور تھے جور و استبداد ان کی فطری صلاحیتوں اور اصلاح کے خیال کو اُبھرنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ سقراط کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ اصنام پرست فطرت کی عیش پرستانہ فضاؤں میں معاشرہ سے ہٹ کر ایک مصلحانہ آواز بلند کی تھی، پاداش میں زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ غرضیکہ دنیا اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ آخرت کا نہ کوئی تصور تھا نہ اخلاق کی اصلاح کا شعور۔

قومی زندگی میں فرد کے مقام کے سلسلہ میں آپ کے سامنے کچھ عرض کر چکا ہوں۔ صالح فرد سے منزلی اقدار صالح بن جاتی ہیں۔ یعنی جب پرہیز گاری، تقویٰ، خشیت الٰہی اور تہذیب اخلاق کے تمام مقتضیات ایک فرد سے پورے ہوتے ہیں تو بحیثیت توارث نہ ہی ماحول سے متاثر ہو کر اس صالح ماحول میں پرورپانے والے افراد اس سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔

اس اثر آفرینی سے ایک منزل کے افراد صالح بن جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں قریب اور بعید کے ہمسائے، دوست احباب اور قرابت دار بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ان افراد کی فطرت صالح ہے اور یقیناً صالح ہوگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

کل مولد یولد علی فطرت الاسلام نابواہ ینصرانہ ویمجسانہ و یهودانہ ۔

ترجمہ: ''ہر مولود فطرتِ اسلام (صالح) پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اس کو نصرانی، مجوسی اور یہودی بنادیتے ہیں۔''

یعنی فطرت تو صالح ہوتی ہے لیکن ماحول سے متاثر ہو کر اس کے قدم غلط راستہ پر

پڑنے لگتے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے فرد کی اصلاح، اس کی اخلاقی حالت کی دُرستی، آرستگی اور صلاح پر بھی اتنا ہی زور دیا ہے جتنا ایک جماعت اور گروہ پر جس طرح قرآن حکیم کے مخاطب ''الناس'' ہیں اور عام مومنین ہیں۔ اسی طرح معاشرہ کے فرد کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے جب قرآن نازل ہوا تو اس کے مخاطب بالعموم وہ لوگ اور وہ جماعت تھی جنہوں نے کفر و طغیان میں اپنی آنکھ کھولی تھی اور زندگی کے بہت سے ماہ و سال اس میں گزارے تھے۔ سرکشی اور نافرمانی کے راستہ پر چلتے ہوئے ان کی مدتیں گزر چکی تھیں۔ (بتفاوت عمر) لیکن یہ قرآنِ کریم کا اعجاز اور اس کی اثر آفرینی اور خود صاحب قرآن کی عملی زندگی ہی تو تھی جس نے آن کی آن میں ان کی کایا پلٹ دی۔ حالانکہ ملکات (عاداتِ راسخہ) میں تغیر و تبدل ایک بہت ہی دشوار چیز ہے۔ اور ایسا تغیر پیدا کرنے کے لئے تعلیم و تربیت، شدید محنت اور اثر آفرینی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن قرآنی تعلیمات اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کی اثر آفرینی کا یہ ایک اعجاز تھا کہ قلوب کے یہ زنگ خوردہ لوہے آن کی آن میں جگمگاتے آئینے بن گئے۔ ورنہ ہوتا یہی ہے کہ

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

(غالب)

حضرت سعدیؒ کے یہاں بھی یہ تصور موجود ہے۔

ہیچ صیقل نکو نخواہد کرد
آئینے را کہ بد گہر باشد

لیکن قربان جایئے اس پاکیزہ زندگی کی اثر آفرینی کے کہ اندھے آئینوں کو وہ جلا بخشی کہ دنیا حیران رہ گئی۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی قلیل مدت

میں الاعراب اشد کفر ونفاقا (الآیۃ) کوایک ثابت قدم مسلمان خوش اخلاق فرد، ایک مدبر، ایک فہیم اور صاحب عظمت انسان بنادیا اور ایک ایسا صالح معاشرہ تشکیل فرمادیا جس کا ہر فرد تقویٰ، راستی، خداپرستی، خدادوستی اور فضائل اخلاق کا ایک پیکر بن گیا۔

انفرادی اصلاح کے احکام قرآن حکیم میں جابجا موجود ہیں اور میں فضائل اخلاق کے تحت بعض کو بیان کر چکا ہوں۔ میں یہاں اس اصلاحی تعلیم کا وہ کلیہ پیش کر رہا ہوں جس کو قرآن کریم نے حضرت لقمان علیہ السلام کی زبان سے ان کے فرزند کی تربیت اور زندگی کو پاکیزہ اقدار سے آراستہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ بظاہر جناب لقمان (والامرتبت) کا اپنے فرزند سے خطاب ہے لیکن معاشرہ کے ہر فرد کے لئے یہ موعظت و اعلیٰ اخلاق اور منزلی زندگی کو کامیاب بنانے کا ایک کلیہ ہے جس کو جناب لقمان (والا مرتبت) کی زبان سے ادا کرایا گیا ہے۔ وہ اپنے فرزند سے کہتے ہیں۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○ (سورۃ لقمان ۱۷تا۱۹)

ترجمہ: ”(جناب لقمانؑ نے کہا) اے میرے بیٹے، نماز قائم کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر۔ اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل، بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا ہے اور اپنی چال (رفتار) میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز کو پست کر، بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔“

اسی قبیل کی متعدد آیتیں ہیں جن میں فرد کو خطاب کیا گیا ہے اور اس کی اصلاح کے لئے احکام صادر کئے گئے ہیں جن کی تشریح اور تصریح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں موجود ہیں جو معاشرتی اصلاح وفلاح کی آئینہ دار ہیں۔

قرآن حکیم کے احکام عموماً بطورِ کلیات نازل ہوئے ہیں اور ان کلیات کی شرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمادی گئی۔ جیسا کہ ارشاد کیا گیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (الآیۃ)

ترجمہ: "ہم نے تم پر یہ ذکر نازل کیا تا کہ تم لوگوں کے لئے اس کی تشریح و توضیح کرو، جو ان پر نازل ہوا ہے۔"

چنانچہ احکام یعنی تشریعی امور، خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات بصورت کلیات ہی عموماً قرآن حکیم میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ وہ انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی، عائلی قوانین ہوں یا دیگر امورِ زندگانی، ان کی وضاحت ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

تدبیر منزل کے سلسلہ میں ہی قرآن حکیم نے ایک کلیہ بیان فرمایا۔ اس کلیہ کی توضیح وتشریح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات والا بہت وضاحت سے موجود ہیں جن کے ذریعے معاشرتی عدل ظہور پذیر ہوا۔ اسی معاشرتی عدل نے غیروں کو اپنا، دشمنوں کو دوست، جان لینے کی فکر میں رہنے والوں کو جاں نثار بنا دیا۔ اسی "معاشرتی عدل" نے اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب کو دنیا میں وہ عظمت اور سربلندی بخشی کہ قلیل مدت میں دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں کے پرچم اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

منزلی اصلاح کے لئے جو کلیہ قرآن حکیم نے پیش فرمایا ہے اس کا اعجاز یہ ہے کہ تدبیر منزل کے وہ تمام ارکان جن کا میں اس سے قبل تعارف کرا چکا ہوں۔ اس میں موجود ہیں۔ یہ چند الفاظ حسن معاشرت کی پوری دنیا کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (سورۃ النساء:۳۶)

ترجمہ: ''اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسایوں اور دُور کے ہمسایوں اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جن پر تم کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ یعنی کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ کی بندگی اور اس کی توحید کے بعد ہر قسم کی بھلائی کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ معاشرے کے ہر قسم کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان مختلف گروہوں اور جماعتوں کی صراحت یوں ہے۔

۱- والدین
۲- رشتہ دار (قریب کے ہوں یا بعید کے)
۳- یتیم
۴- مسکین
۵- پاس کے ہمسائے
۶- دُور کے ہمسائے
۷- ہم مجلس افراد (دوست، احباب)
۸- راہ گیر یا ابن سبیل (مسافر)
۹- نوکر چاکر (لونڈی، غلام)

آپ غور کیجئے کہ ''منزل'' کے تمام ارکان و افراد اس اصلاحی حکم میں شامل ہیں۔ ان ارکانِ منزل کے ساتھ ہم جلیس (دوست، احباب) یتیم و مساکین اور مسافر بھی

شامل ہیں۔ اس طرح معاشرے کی کوئی جماعت اس دائرے سے باہر نہیں رہی۔ بھلائی اور نیکی کے سلسلہ میں صرف جماعتی اعتبار سے ہی حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ قرآنِ حکیم میں انفرادی طور پر بھی یہ اعلیٰ احکام متعدد جگہ موجود و مذکور ہیں۔

مجھے یہاں صرف یہ امر واضح کرنا تھا کہ قرآن حکیم نے بکمالِ ایجاز جو اس کا وصف خاص ہے، ایک آیت میں معاشرے کے اصحابِ حقوق اور حاجت مندوں کو جمع کر دیا ہے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی معاشرے کی تطہیر اور اصلاح و فلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا جو کفر و شرک اور بے راہ روی، ظلم و ستم، سرکشی اور طغیان و نافرمانی کے باعث تہذیب انسانی کے لئے ایک ناسور تھا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

اور

معاشرتی عدل

معاشرت یا معاشرہ کی صلاح وفلاح تمدن اور ریاست کا ایک بنیادی یا مرکزی نقطہ ہے۔ باہمی حقوق کی ادائیگی اور آدابِ معاشرت پر کاربند ہونا حسن معاشرت ہے۔ اسلام سے قبل حسن معاشرت اور معاشرتی عدل ایک ایسا عجوبہ تھا جس سے انسانی زندگی قطعاً ناآشنا تھی۔ نسل وذات کی تفریق عربوں کی فطرت میں جڑ پکڑ چکی تھی اور یہ جاہلیت کی گود میں پلے ہوئے اعراب اس کو صرف غربت اور امارات کے پیمانوں سے ناپتے تھے۔ یہ ایک ایسی خلیج تمدن انسانی میں حائل تھی جس کا پاٹنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی جو غریب ونادار تھے وہ امیروں کے پہلو میں نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ان کو عزت وتکریم سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ وہ اپنی اس ذلیل زندگی کے ہاتھوں اپنے وجود سے نفرت کرنے لگے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے جن کا سرچشمہ وحی الٰہی تھا اور آپ کے اسوۂ حسنہ نے اس تفریق کو یکسر مٹادیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

نماز پنجگانہ میں امارت وغریبی کے اس قرب نے عربوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ امیروں کی فطرت رنگ بدلنے لگی اور رفتہ رفتہ یہ فاصل حدیں منہدم ہونے لگیں جس کے لئے غریب ونادار مدت سے ترس رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلانِ حق

بار بار دہرایا ''انما المومنون اخوۃ'' الآیۃ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ (جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آقا کہا کرتے تھے) صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہی قرب حاصل تھا جو حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو حاصل تھا۔ حضرت اُسامہ امیر لشکر بنائے گئے جو بظاہر غلام زادہ تھے۔ لیکن اسلام نے ان کو وہ سربلندی عطا کی تھی کہ ان کی قیادت و امارت میں بڑے بڑے ذی حشم خاندان کے افراد اور عزت و سروری کی کلاہِ کج سروں پر رکھنے والے قبائل کے افراد جو دولت ایمان سے سربلندی حاصل کر چکے تھے۔ جوشِ ایمانی اور جذبۂ جہاد سے سرشار ان کو اپنا رہنما بنائے منزلِ مقصود کی طرف گامزن تھے۔ دنیا اس مساوات اور معاشرتی عدل کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ سب کچھ نتیجہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم تعلیم اور آپ کے عمل کا جس نے اس عدمِ مساوات کی خلیج کو یکسر پاٹ دیا۔ یہ مساوات کا عمل صرف قیادتِ لشکر ہی تک منحصر نہیں تھا بلکہ معاشرتی عدل کی رُوح اسلام نے معاشرہ کے ہر فرد میں پھونک دی تھی۔ اسلام نے فرد کی تربیت اور اصلاح کچھ اس نہج اور انداز پر کی تھی کہ ان کی فکر کے کسی گوشہ سے اس سلسلے میں احتجاج یا انکار کی غمازی یا نشاندہی ہی نہیں ہوتی تھی۔ اسلام نے معاشرتی عدل پر اس لئے خاص طور سے توجہ کی تھی کہ ایک فرد صالح سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس صالح معاشرے میں تمام افرادِ منزل ہی شامل نہیں بلکہ اس کا دائرہ اثر بڑھتے بڑھتے پوری ریاست پر چھا جاتا ہے۔ آپ ان اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ منزل کے بعد منزل کا پہلا فعال رُکن صاحب منزل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی عدل کا آغاز اسی مرکزی اور اوّلین رُکن منزل سے فرمایا اور اس کے ذمہ ان حقوق کی ادائیگی کو واجب ٹھہرایا، جو دوسرے ارکان منزل سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم نے فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر اور توضیح کے ساتھ ہر صاحب منزل تک اسے پہنچایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم:۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ''

اس حکم میں تمام تعلیماتِ دین کی پیروی کے ساتھ ساتھ ''اھلیکم'' سے اشارہ اس طرف ہے کہ دوسرے ارکانِ منزل کی بھی ایمانی روش اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ تربیت کرو جس سے منزل میں ایک صالح معاشرہ پیدا ہو اور عدل سے معمور معاشرت کا ظہور ہو سکے۔ پھر اس عدل معاشرت، باہمی تعلقات میں رواداری، صلہ رحمی، حقوق کی ادائیگی اور معاشرہ میں عدل و انصاف کا ایک کلیہ حسن سلوک کو قرار دے کر اس طرح حکم دیا گیا۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ

ترجمہ: ''اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ احسان کر۔ دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔''

(سورۃ القصص:۷۷)

اسی طرح معاشرہ کے دوسرے افراد کے ساتھ باہمی تعاون کا حکم دیا گیا لیکن مشروط۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (سورۃ المائدہ:۲)

ترجمہ: ''اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔''

اس کلیہ کی تشریح و توضیح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی میں ہے جو ایجازِ کلام کا ایک اعجاز ہے۔ ''الدین نصیحۃ'' دین تو بس خیر خواہی کا نام ہے۔ غور فرمائیے ان دو الفاظ پر ''نصیحت و خیر خواہی'' اپنے اندر کس قدر وسعتیں رکھتے ہیں۔ یہ ارشادِ گرامی

تمام معاشرتی اور تمدنی بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس خیر خواہی سے تمام برائیوں کے سوتے بند ہو جاتے ہیں۔ نیکی اور بھلائی کی راہیں کھلتی ہیں اور پھر ہر برائی کے راستے خودبخود بند ہوتے چلے جاتے ہیں۔

تعاون باہمی کو معاشرہ کے آراستہ کرنے میں اور اس کو از سرتا پا صالح بنانے میں بڑا دخل ہے۔

معاشرت کی عمومی فلاح اور اس میں عدل قائم کرنے کے لئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ اور بلیغانہ ارشاداتِ گرامی جنہوں نے نہ صرف عربوں کی کایا پلٹ دی اور ایک عام عادلانہ نظام قائم فرمایا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان اقوالِ حکیمانہ کا عملی نمونہ بھی اپنی روزمرہ زندگی سے پیش فرمایا۔ مساواتِ انسانی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

الناس کلھم سواء کالاسنان المشط کس قدر پیاری تمثیل ہے اور حکمت کا کتنا عظیم درس ہے یعنی سب انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح مساوی ہیں کہ سب ایک باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ سب کے حقوق اور فرائض مساویانہ ہیں۔ نسل قوم اور قبیلہ کی اس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں خاندانی اور نسلی تفاخر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلیہ پر جس طرح امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوراق اس سے معمور اور منور ہیں۔

مدنی زندگی میں جب مسلم ریاست قائم ہو چکی تھی اس ارشاد پر منطبق ہونے والے بہت سے واقعات کتب سیر و تاریخ میں موجود ہیں۔ فتح مکہ کے زمانہ میں ابوسفیان ایمان لانے سے قبل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پناہ میں آ جاتے ہیں اور وہ ان کو پناہ دے دیتے ہیں۔ ان کی دی ہوئی امان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کی طرف سے دی ہوئی امان قرار دیا۔

دل داری اور دل دہی کا فلاحِ معاشرہ میں جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اس صفت سے غیر بھی اپنے بن جاتے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے۔

راس العقل بعد الایمان باللہ مداراۃ الناس

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے زیادہ دانشمندانہ عمل لوگوں کا دل رکھنا ہے۔(تالیف قلوب)''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس پر جس قدر عمل فرمایا اور لوگوں کے ساتھ جس طرح رفق و مدارات سے پیش آئے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔افشوا السلام وصلوا الارحام۔اس تالیف قلوب کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ایک مسلمان اپنی معاشرتی زندگی میں اس نسخہ کیمیا پر عمل کر کے دیکھے۔وہ بہت جلد سلام، کو عام کرنے اور صلہ رحمی کو بجالانے سے تالیف قلوب کی اس منزل پر پہنچ جائے گا کہ لوگ اس کو اپنا محبوب بنالیں گے۔

حسن معاشرت یا معاشرتی عدل کے سلسلے میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ گرامی سے نو باتیں منسوب فرما کر مسلمانوں کو فلاح معاشرت اور عدل معاشرہ کا بہترین سبق دیا ہے۔ارشاد فرمایا ہے۔

اوصانی ربی بتسع، اوصانی بالاخلاص فی السر والعلانیۃ بالعدل فی الرضا و الغضب و بالقصد فی الغنی و الفقروان اعفو عمن ظلمنی واعطی من حرمنی واصل من قطعنی وان یکون صمتی فکراً و نطقی ذکر اونظری عبراo''

سبحان اللہ! کتنا عظیم معاشرتی دستور العمل ہے کہ معاشرہ کے تمام پہلوؤں کو احاطہ کیے ہوئے یہ صرف ارشاد گرامی تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ اس کے عملی نمونے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہم کو بیش از بیش ملتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ آپ یہ فرما کر عامتہ المسلمین کو اس پر عمل کی ترغیب

فرمارہے ہیں۔اس لئے کہ آپ کی ذاتِ گرامی کی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔اب اگر وہ اس پر عمل پیرا نہ ہوتو یہ اس کی بدبختی ہے۔افسوس کہ اس سہل انگاری اور عدم طاعت نے ہم کو پستیوں کی اس حد تک پہنچا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی رحمت سے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گامزن ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین

مرقومہ بدرارشادگرامی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''میرے رب نے مجھے ان نو باتوں کی وصیت کی ہے۔''

۱- ظاہری اور باطنی اخلاص یعنی ظاہر میں اور در پردہ دونوں حالتوں میں اخلاص پر عمل پیرا رہوں۔

۲- رضامندی ہو یا نارضامندی دونوں حالتوں میں سررشتہ عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑوں۔

۳- حالت فقر ہو یا حالت غنی اعتدال اور میانہ روی کو اپناؤں۔

۴- زیادتی کرنے والے سے درگزر کروں۔

۵- جو مجھے محروم کرے میں اس کو عطا کروں۔

۶- جو قطع تعلق کرے اس سے تعلق استوار کروں (اس سے صلہ رحمی کروں)

۷- میری خاموشی میری فکر ہو۔

۸- میری گویائی ذکر الٰہی ہو۔

۹- اور میرا دیکھنا (حصول) عبرت کے لئے ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا خیر فی صحبة من لا یری لك ماتری له

ترجمہ: ''اس شخص کی ہم نشینی میں (تیرے لئے) کوئی بھلائی نہیں ہے جو تیرا

اس طرح خیال نہ کرتا ہو جس طرح تو اس کا خیال کرتا ہے۔"

دنیا کے ہر فرد نے اس معاشرتی کلیہ کو اپنی زندگی میں ضرور آزمایا ہوگا یا اس منزل سے گزرا ہوگا۔ اور اس کو ایک اٹل حقیقت پایا ہوگا۔

حسن معاشرت کے لئے کس قدر دل نشین، دل پذیر اور حسن مآل پر مبنی یہ ارشاد گرامی ہے۔ "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه" "جب کسی قوم کا معزز فرد تمہارے پاس آئے تو تم اس کی عزت کرو (اس کا احترام کرو) اس حسن معاشرت کے پیغام میں عظیم مصلحتیں کارفرما ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر کاربند ہو کر ہم کو عمل کی ترغیب دی ہے۔ سالِ وفود میں آپ کو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

امدادِ باہمی کے بغیر کاروبارِ حیات کا انصرام اور معاشرہ کی فلاح و بقا ناممکن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس اہم پہلو کا آئینہ دار ہے۔

المومن للمومن کالبنیان لیشد بعضه بعضا ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بعض حصے دوسرے حصوں کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں۔ (اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کی تقویت کا سبب ہوتا ہے)

سرور ذی شان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے کثیر ارشادات گرامی جو معاشرت کے عمومی حسن اور عدل کے آئینہ دار ہیں۔ کتب احادیث (صحیح، مسانید اور معاجم) میں موجود ہیں۔ یہاں ان تمام ارشادات سے استفادہ ممکن نہیں ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں نظر از تنگی داماں گلہ دارد

حسن معاشرت یا عدلِ معاشرت کے سلسلہ میں چند ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سامنے میں نے پیش کئے ہیں۔ اس سلسلے میں تمام احکام کا استقصا ناممکن ہے۔ آپ کا یہی عدل معاشرت تھا جس نے بڑی سرعت کے ساتھ دلوں کو موہ لیا۔ اس معاشرتی عدل کا بنیادی نقطہ ان حقوق کی ادائیگی ہے جن کو بطور عنوان میں

نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان ہی حقوق کے بارے میں یہاں قرآنی احکام اور ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کروں گا۔

قرآن حکیم جو ہماری دینوی زندگی کی کامرانیوں کا ایک جامع اور مکمل دستورالعمل ہے۔ اس میں ان تمام حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جو بنی نوع انسان میں صلح و آشتی، الفت و محبت، رافت و رحمت، شکر و امتنان پیدا کرنے والے ہیں، سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاکیزہ عمل سے مسلمانوں کو اس کا عملی درس بھی دیا اور ان احکام الٰہی کی تفسیر و توضیح میں حکیمانہ ارشاداتِ گرامی سے بھی مسلمانوں کو نوازا، اسی سے معاشرہ میں وہ معاشرتی عدل قائم ہوا جس کے لئے صرف سرزمین عرب ہی نہیں بلکہ تمام دنیا مدتوں سے ترس رہی تھی، آج ہم نے اس معاشرتی عدل یا ادائے حقوق کے سبق کو فراموش کر دیا ہے۔ آج ہم دوسری قوموں کے ایفائے عہد، دیانت، راست گوئی، ہمدردی بنی نوع انسان جیسے معاشرتی محاسن کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور ان قوموں کے گن گاتے ہیں لیکن افسوس کہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ انمول موتی تو ہمارے ہی دامن کی زینت تھے۔ ہم نے خود ہی دوسروں کے دامن میں ڈال دیئے اور خود خالی ہاتھ رہ گئے۔

حقوق

حق وہ ذمہ ہے جس کی ادائیگی ایک فرد پر دوسرے فرد کے لئے عائد ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں جس قدر قتل و غارت گری اور فتنہ وفساد برپا ہوا ہے وہ اسی حق تلفی کی بنا پر ہوا ہے۔ اس اتلافِ حق کی بے شمار صورتیں اس معاشرے میں موجود ہیں۔ جب بھی کہیں ''فساد فی الارض'' رونما ہوا ہے اس میں اسی اتلاف حق کی کارفرمائی آپ موجود پائیں گے۔

ایک مشہور مقولہ ہے کہ زر، زن، زمین فساد کی اصل ہیں۔ ان اسباب فساد یا اصل فساد پر نظر ڈالئے۔ بغیر غور وفکر کے آپ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ اصل فساد، اتلاف حق، کے مختلف روپ ہیں، اسی حق تلفی کا دائرہ بڑھتے بڑھتے جدال وقتال، فوج کشی اور قتل عام کی صورت اختیار کر لیتا ہے، دوسروں سے ان کے علاقے چھین لینا، وہاں کے رہنے والوں کی بے حرمتی کرنا، ان کو اسیر بنانا، یہی تو ہے کہ ایک طاقتور فرد نے ''جوع الارض'' میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق کو اپنی طاقت کے بل پر چھین لیا جس کا نہ معاشرتی عدل کے اعتبار سے جواز ہے اور نہ قانونِ اخلاق اس کی اجازت دیتا ہے۔ بجز اس صورت کے کہ ایسے ظالم کو باز رکھنے کے لئے یا غصب کردہ حقوق کی واگزاشت کے لئے اس پر جبر کیا جائے اور اس کی حکومت وشہر یاری کو قوت اور زور سے جس کا دوسرا نام جنگ ہے، چھین لیا جائے لیکن اس میں بھی خرابی اور برائی کا سب سے بھیانک پہلو یہ ہے کہ جن کے حقوق کی واپسی کے لئے یہ معرکۂ جدال گرم ہوا ہے۔ وہ بھی اس جنگ کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اسیر بنائے جاتے ہیں، خانماں برباد ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر

جنگ کو ظلم کہا گیا ہے، ہاں فاتح اگر صرف ظالموں کو اسیر بنائے اور ان کو نہ ستائے جن کے حقوق اس ظالم و جابر نے غصب کئے تھے تو یہ ایک اصلاحی قدم ہوگا لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ اور اس کے رسول برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ادائے حقوق کا نظام اسی لئے قائم فرمایا کہ فتنہ وفساد، جدال وقتال کا سدباب ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ''ادائے حقوق'' میں فطری تقاضوں کو بنیاد بنا کر ''حقوق العباد'' میں سب سے پہلے والدین کے حقوق، اولاد کے ذمہ قرار دیئے ہیں میں اس فطری تربیت کے ایک جامع حکم کو اس سے قبل پیش کر چکا ہوں۔

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

(سورۃ النساء:۳۶)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔''

حقوق والدین کے سلسلے میں مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے جو آداب روابط و آداب خدمت سے متعلق ہے۔ سبحان اللہ کس قدر محبت اور ادب کی تعلیم ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(سورۃ بنی اسرائیل:۲۳،۲۴)

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کر، اگر ان میں سے ایک یا دونوں

تمہارے سامنے بڑھاپے (کی عمر) کو پہنچ جائیں تو ان کو ''اُف'' بھی نہ کہو اور نہ ان پر خفا ہو اور ان سے ادب سے بولو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت؟؟ کرا اور کہو کہ اے میرے پروردگار! تو ان پر رحمت فرما جس طرح (رحمت ومحبت سے) انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔''

اولاد کی پرورش میں ماں کا زیادہ حصہ ہوتا ہے وہ بڑی جانفشانی سے اولاد کی پرورش کرتی ہے۔ قدرت نے اس کے دودھ پلانے کے حق کو بھی یاد دلایا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○

(سورۃ لقمان:۱۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اس کی ماں نے اس کو تھک تھک کر پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا، کہ وہ میرا اور اپنے ماں باپ کا احسان مانے (اس کو) میرے ہی پاس پھر آنا ہے۔''

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد پر والدین کا کیا حق ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ''ہما جنتک ونارک'' وہ تمہاری جنت اور جہنم ہیں (ان کے حقوق ادا کرو گے جنت میں جاؤ گے اور نافرمانی اور اتلافِ حقوق کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے (یعنی ماں کی خدمت کا صلہ جنت ہے) ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے مشورہ دیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری ماں موجود ہے؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں، میری ماں زندہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''فالزمہا فان الجنۃ عند رجلیہا''

پس تم ماں کی خدمت میں لگے رہو، تمہاری جنت اس کے قدموں میں ہے۔ اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات موجود ہیں۔

اولاد کا حق، ماں باپ پر

جس طرح والدین کے حقوق اولاد کے ذمے ہیں اسی طرح ماں باپ کے ذمے بھی اولاد کے حقوق ہیں، یہ شرف صرف قرآنی تعلیمات کو حاصل ہے کہ ان حقوق کو بھی بیان کر دیا ہے جبکہ دوسری اقوام کے ہاں اس سلسلہ میں کوئی حق عائد ہی نہیں ہوتا، اسلام نے والدین پر اولاد کے حقوق کے سلسلہ میں ایک بہت ہی جامع حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم:۶)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔''

اس حکم میں جس قدر اختصار ہے اسی قدر اس کے معنی میں وسعتیں ہیں۔ اہل و عیال میں گھر کے تمام لوگ یعنی بیوی بچے داخل ہیں۔ جس طرح بیوی کو احکام الٰہی پر کار بند بنانا شوہر پر فرض ہے۔ اسی طرح اولاد کی پرورش اس طرح کی جائے کہ بچپن ہی سے وہ ادارے احکام الٰہی کے پابند ہو جائیں۔ ان کی اخلاقی تربیت اسلامی نظامِ اخلاق کے تحت کی جائے تاکہ وہ ایسی تمام برائیوں سے محفوظ رہیں جن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جب بچپن ہی سے ماں باپ اولاد کی اس نہج پر پرورش کریں گے اور ان کو اطاعت الٰہی، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اسلامی اخلاق اور معاشرتی آداب کا خوگر بنا دیا جائے گا تو یہ تمام محسن ان کی فطرت میں ملکات بن جائیں گے۔ اور پھر مستقبل کی زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ان پر شاق نہیں ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی قدر ارشادات اس باب میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ میں یہاں صرف ایک حدیث پیش کر رہا ہوں جو بہت ہی جامع ہے۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اکرموا اولادکم و احسنوا ادبھم (ابن ماجہ)

حقوق زوجین

تدبیر منزل کے عنوان کے تحت آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ شوہر و زن، اس کے اولین رُکن ہیں۔ گھر کی آسودگی اور عائلی زندگی کا سکون زن و شوہر کے خوشگوار تعلقات ہی پر منحصر ہیں۔ اولاد کی نشو و نما اور ان کی صحیح تربیت کا مدار بھی بہت کچھ ان ہی خوشگوار تعلقات سے وابستہ ہے۔ مشاہدہ ہے کہ اس گھر کے بچے اعلیٰ اخلاق و تہذیب اور شائستگی سے محروم رہتے ہیں۔ جس گھر میں میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار نہیں ہوتے۔ ماں باپ کی باہمی چپقلش اور برہمی کا بچوں پر بہت ہی برا اثر پڑتا ہے۔ اسلام نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، مرد کے لئے ایک بیوی، یا صاحب منزل کے لئے یہ رکن منزل کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ اس پر کچھ کہنے کی ضرورت ہے، تجربات اور مشاہدات اس پر شاہد ہیں تجرد کی زندگی ایک زندگی عبث ہے۔ اسی لئے اسلام نے نکاح پر بہت زور دیا ہے اور بار بار تاکید فرمائی ہے، تجرد کی زندگی جن برائیوں کا موجب و محرک بن سکتی ہے اس کا سدباب اسی نکاح کے ذریعہ کیا گیا ہے اور عورت کو جس سے رشتہ مناکحت قائم کیا جائے، سکونِ زندگی قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر عورت کی تخلیق کو اپنی قدرت کی ایک نشانی قرار دیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ○ (سورۃ الروم ۲۱)

ترجمہ: ”اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون پاؤ اور تمہارے آپس میں پیار اور محبت پیدا کر دی، بیشک اس (امر) میں غور

کرنے والوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے لفظ "سکون" فرما کر زن وشوئی تعلقات کے تمام پہلوؤں کو اس کے اندر سمیٹ دیا ہے پس ایک شوہر کے ذمے ان تعلقات کی خوشگواری اور اس سکون کو قائم رکھنے والے وہ تمام امور آجاتے ہیں جن کی ادائیگی سے یہ راحت و آرام اور باہمی پیار و محبت قائم رہے۔ یہی وہ حقوق ہیں جو شوہر کے ذمے ہیں۔ پس شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کی دلجوئی کرے اور اس کی ضروریات کو بقدر استطاعت پورا کرے۔

حقوق زوجین کے سلسلہ میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش نظر رہنا چاہئے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ (سورۃ النساء:۳۴)

چونکہ مرد بیوی کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہے اور صاحب منزل ہونے کے باعث اس کی ذمہ داریاں بیوی سے زیادہ ہیں کارگاہِ ہستی میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں زیادہ قوی بنایا گیا ہے۔ ان تمام جہتوں کے اعتبار سے وہ "قوام" ہے، جس طرح شوہر کے ذمہ بیوی کے حقوق ہیں۔ اسی طرح بیوی پر بھی مرد کی طرف سے حقوق عائد کئے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کا دوسرا جز ان حقوق کی صراحت کرتا ہے جن کی ادائیگی بیوی کے ذمے ہے۔ سورۃ النساء کی مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ غور فرمائیں۔

"مرد، عورتوں کے سردھرے ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر بزرگی (برتری) دی ہے اور اس لئے کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں۔ تو نیک بیبیاں فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی (مال و آبرو کی) نگہداشت کرتی ہیں۔"

رشتۂ ازدواج میں منسلک کر کے ان کی عصمت و آبرو کا تحفظ فراہم کر دیا ہے پس وہ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے اموال کا اور اس کی عزت و آبرو کا جو اسی سے وابستہ

ہے تحفظ کرتی ہیں یعنی شوہر کی وفادار ہیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔

حقوق نسواں اور آزادی نسوں اس دور کا ایک معرکتہ الآرا مسئلہ بن اہوا ہے۔ میں نے قلم کو اس بحث سے روکا ہے کہ یہ ایک بہت ہی تفصیل طلب مسئلہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس سلسلہ میں بہت ہی جامع ہے۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجاہدین تو خدمت اسلام کر کے اجر عظیم پاتے ہیں ہم عورتیں ان کی غیبت میں ان کے گھر اور ان کے بچوں کی نگرانی میں مصروف رہتی ہیں کیا ہم کو بھی اجر ملے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابلغي من لقيت من النسآء ان طاعته الزوج و اعترافا بحقه يعدل ذلك و قليل منكن من يفعله

یعنی: جن عورتوں سے تم ملوان تک میری یہ بات پہنچا دو کہ شوہر کی اطاعت اور ان کے حقوق کو پہچاننا بھی جہاد کے برابر ہے لیکن تم میں سے بہت کم عورتیں ایسا کرتی ہیں۔"

حجتہ الوداع کے بلیغ خطبہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق زوجین کے سلسلہ میں بہت ہی اہم امور بیان فرمائے ہیں۔

خادموں یا غلاموں کے حقوق

معاشرے کا سب سے زیادہ مظلوم طبقہ غلام تھا۔ اس سلسلہ میں میں نے "عربوں کے معاشرتی رسوم" کے تحت کچھ عرض کیا ہے۔ خادم یا غلام تدبیر منزل میں صاحب منزل کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ اس کا کاروبار میں اور ضروریات خانہ داری میں ہاتھ بٹانے والا ہے۔ قرآنِ حکیم میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ دنیا کی تاریخ جب سے شروع ہوئی ہے اور جدال وقتال کا سلسلہ شروع ہوا ہے یہ طبقہ اس وقت سے موجود ہے، اس مجبور و بے کس طبقے پر جو بے پناہ مظالم توڑے گئے ہیں وہ

تاریخ اُمم میں موجود ہیں۔ خورشید اسلام جب طلوع ہوا اس وقت بھی یہ مظلوم طبقہ موجود تھا۔ اس وقت یہ مظلوم طبقہ جس طرح ظلم و ستم کے شکنجہ میں کسا ہوا تھا۔ تاریخ میں اس کی دل دوز داستانیں موجود ہیں، ابتدائے اسلام میں اسی نادار طبقے کے چند افراد نے جب اسلام قبول کر لیا تو مشرکوں نے ہر ظلم ان پر آزمایا۔

بلال حبشی، یاسر یمنی، عمار، صہیب رومی، ابوفکیہ، عامر بن فہیرہ اور سالم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اسی بے یار و مددگار طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سب حضرات نے اسلام کی راہ میں بڑی مصیبتیں جھیلیں اور بعض نے تو اپنی جان کا نذرانہ بھی اسلام حضور میں پیش کر دیا۔ اسلام نے ان کو آزاد کرانے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اخلاقیات کا ایک جزو قرار دے دیا تھا۔ کفاروں میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور بھی بہت سی ترغیبات کا اس سلسلہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا، ان احکام نے غلاموں کی دنیا ہی بدل ڈالی اور یہی طبقہ صدر اول میں اس مقام پر پہنچ گیا کہ ان میں سے بہت سے حضرات نے علم دین میں وہ تفوق حاصل کیا کہ مسلمانوں کے سروں کے تاج بن گئے۔ اسلام نے مساوات کا وہ عملی سبق دیا کہ آقا اور غلام میں تمیز مشکل ہوگئی اور یہی غلام مسلمانوں کے سردار اور مملکتوں کے تاجدار بن گئے۔ میں یہاں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی اس خصوص میں پیش کر رہا ہوں جس میں غلاموں کے حقوق کی وضاحت آپ نے فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"للمملوك طعامه و شرابه و كسوته و لا يكلف الا ما يطيق فان كلفتموهم فاعينوهم و لا تعذبوا عباد الله خلقا امثالكم"

یعنی تمہارے غلاموں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں کھانا کھلاؤ، پانی دو، کپڑے پہناؤ اور ان پر کاموں کا اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ برداشت کر سکیں اگر سخت اور

بھاری کام ان سے لوتو ان کی (اس کام میں) مدد کرو اللہ کے بندو! ان لوگوں کو (سخت کام لے کر) تکلیف میں مبتلا نہ کرو، جو تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں۔"

ان حقوق کے علاوہ اسلام نے اہل قرابت کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ فات ذا القربیٰ حقہ کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔

اہل قرابت کے بعد یتیموں کے حقوق کی تاکید ہے اور مثمر اجر وثواب قرار دیا ہے۔ ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کی تاکید ہے، مسافر کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید ہے۔ یہاں تک کہ حاجت مندوں کے حقوق ادا کرنے کا بھی حکم دیا کہ ان کی حاجت روائی کرو اور ان پر احسان نہ رکھو اور نہ شکریہ کے طالب بنو، بیمار کے حقوق ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ یہاں تک کہ جانوروں کے حقوق بھی مسلمانوں کے ذمے رکھے گئے۔

یہی تو وہ تعلیمات حقوق و اخلاقیات ہیں جنہوں نے عربوں کی فطرت ہی بدل ڈالی۔ وہی تنگ دل اور شقی القلب جو اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ دل کے اتنے نرم ہو گئے کہ یتیموں کے سرپرست بن گئے۔ یتیموں کی پرورش ان کے لئے مایہ ناز وافتخار بن گئی۔ غلاموں کو آزاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے۔ غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا ان کا شعار بن گیا۔ فاتح مصر و شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں اس شان سے پہنچے کہ آپ کا غلام آپ کے اُونٹ پر سوار تھا اور اس کی نکیل آپ کے ہاتھ میں تھی۔ دنیا نے مساوات کا ایسا مظاہرہ کب دیکھا تھا۔ تاریخ قبل اسلام اس کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

اسی نظام حقوق نے جنگ و جدل، عداوت و دشمنی کے سوتے بند کر دیئے۔ غریب افراد اپنے متمول رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے اس قابل بن گئے کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔ اسی نظام حقوق نے دلوں سے عداوت دور کر کے محبت و مودّت کے جذبات کو بیدار کر دیا۔ صنف نازک جو جنس غالب کی دراز دستیوں سے عاجز تھی جس کا معاشرے

میں کوئی مقام نہ تھا جس کا ماں باپ کے مال میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ اس کو عزت نصیب ہوئی۔ اس کو وقار ملا، تمدن اور معاشرہ کی وہ ایک معزز جنس بن گئی۔ ماں باپ کی وراثت کی حقدار ٹھہری۔ سائلوں اور حاجت مندوں کی اس طرح حاجت روائی ہوئی کہ ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت دوسروں نے اپنے ذمہ لینا موجب ثواب سمجھا، ان کو سوال کرنے کی ذلت ونکبت سے نجات دے دی۔ غرضیکہ نظام اخلاق اور نظام حقوق نے زندگی کے ہر رُخ اور پہلو کی تطہیر ہی نہیں کی بلکہ معاشرے کا حسن بنا دیا۔ آج بھی یہ تعلیمات موجود ہیں، لیکن ان پر عمل مفقود ہے اور یہی بے عملی ہماری زبوں حالی کا باعث ہے۔

معاشرے میں جب تک حقوق کی ادائیگی کا شعور باقی رہا اور مسلمان با طیب خاطر اُن حقوق کو ادا کرتے رہے۔ اسلامی زندگی بہت سے مفاسد سے محفوظ رہی، غربت و افلاس سے تنگ آ کر گداگری، چوری، خیانت، بددیانتی، رشوت، اقربا پروری جیسے جرائم سے ہمارا معاشرہ محفوظ رہا۔

عزیزوں، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ''صلہ رحمی'' کا اصول اور ضابطہ فلاحی معاشرہ کا ضامن ہے لیکن آج تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ لفظ سننے میں بھی نہیں آتا، قرآن حکیم میں متعدد احکام ''صلہ رحمی'' پر کاربند ہونے کے لئے موجود ہیں۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ''صلہ رحمی'' کی بار بار تاکید فرمائی ہے لیکن افسوس کہ ہم ان احکام کو فراموش کر چکے ہیں جو محبت وخلوص اور اتحاد باہمی پیدا کرنے کا ایک بہترین سبق تھا۔ کاش، ہم پھر اس راہ پر گامزن ہو جائیں اور اس کے مفید نتائج سے بہرہ اندوز ہوں۔

اسلام کا نظامِ معیشت

ابتدائی صفحات میں عرب کی قدیم معاشی و معاشرتی زندگی کی تاریخ کے سلسلہ میں کچھ بطور تمہید لکھ چکا ہوں۔ یہاں مزید توضیح کے لئے چند تصریحات سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

معیشت کی یہ تاریخ بھی بہت قدیم ہے عرب کے باشندے تمدنی اعتبار سے دو طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک طبقہ حضریت کی آغوش میں پرورش پانے والا تھا اور دوسرے طبقہ کی نشوونما بدویت کی فضا میں ہوئی تھی۔ جو لوگ حضارت کے پروردہ تھے ان کے وسائل معیشت میں زراعت، صنعت اور تجارت داخل تھی۔ کھیتی باڑی کے لئے ان کے پاس وسیع و عریض علاقے تھے۔ سرزمین نجد و حجاز سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کے پاس مزید نخلستان بھی تھے۔ بھیڑ، بکریوں، اونٹوں اور گھوڑوں کی بہتات تھی۔

بدویت کی فضا میں سانس لینے والوں کے پاس نہ تجارت تھی، نہ زراعت، صرف چند بھیڑیں، بکریاں اور اُونٹ۔ ان ہی جانوروں پر ان کی معاش کا دارومدار تھا یا کھجوروں کے چند درخت ان کی معاش میں کچھ مدد پہنچاتے تھے۔ حضریت میں حصول معاش یا معاشی ذرائع میں اہم ذریعہ تجارت تھا۔ عرب برآمدات میں کوئی خاص مقام نہیں رکھتے تھے البتہ چمڑا، زین پوش اور عربی گھوڑے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انسانی جانوں کی بھی فروخت عام تھی۔ غیر ممالک کے تاجر اور روسا یہاں سے غلاموں کی خریداری کرتے تھے۔

درآمدات میں دوسرے ملکوں سے عطریات (خوشبوئیں) غلہ، ہتھیار (خصوصاً تلواریں) آئینہ اور آرائش کی دوسری چیزیں، مشک، عود، قسط ہندی، سیاہ مرچ، لونگ

زنجبیل، ناریل اور سوتی کپڑے قابل ذکر اشیاء ہیں۔ یہ تجارت بحری راستوں سے بھی ہوتی تھی اور بری راستوں سے بھی۔ ذیل کی آیات میں اسی جانب اشارہ ہے۔

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۝

(سورۃ فاطر:۱۲)

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ۝ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ۝ (سورۃ القریش:۱،۲)

درآمدی تجارت ایک مدت دراز کے بعد قریش کے ہاتھوں میں آئی جن کا مرکز نجد وحجاز تھا۔ اس تجارتی کاروبار میں قریش کی شاخ بنی مخزوم بہت نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ مکہ چونکہ باعتبار تجارت مرکزی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس لئے یہاں تجارتی منڈیاں اور بازار تھے، بازاروں میں سوق عکاظ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہاں دوسرے ملکوں کی اشیاء بآسانی دستیاب ہو جاتی تھیں۔ اس لئے قریش کے زمانہ میں تمدنی زندگی خوب پھلی پھولی۔

جہاں تک صنعتوں کا تعلق ہے جزیرہ نمائے عرب میں صنعت وحرفت کو فروغ کے مواقع نہ مل سکے۔ البتہ یثرب کے یہودی نجاری اور حدادی میں مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو صحابہ کرام مدینہ منورہ تشریف لائے تو کسب معاش کے لئے انہی یہودیوں سے انہوں نے نجاری اور حدادی کی دستکاریوں کو سیکھا۔

قدیم زمانہ سے ہی مصر، شام، کنعان اور فلسطین میں دستکاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ فنیقی شیشہ سازی کی صنعت پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ نجاری اور حدادی میں بھی بڑے ماہر تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنا سفینہ انہی فنیقیوں کے تعاون سے تیار کیا تھا۔ نجاری کی صنعت تو اس قدر عام اور اپنے عروج پر تھی کہ بت عموماً لکڑی کے ہی تراشے جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آزر بت فروخت کرنے کے لئے دیتا تو آپ ان کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے جاتے کہ کم از کم ان کو اتنا ہی خوار و زبوں کریں۔ حدادی کی

صنعت حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں عام تھی۔ لوگ زرہ بکتر بنایا کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی زرہ بکتر تیار کیا کرتے تھے۔ سنگ تراشی کی صنعت میں حضری بڑے ماہر تھے اور یہ صنعت وہاں بہت عام تھی۔ مصر کے اہرام اس پر شاہد ہیں۔ اسی طرح زرگری اور معماری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر محلات بناتے تھے۔ ''**لم یخلق مثلھا فی البلاد**'' ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یعنی سنگ تراشی اور معماری میں بھی بے مثل و بے عدیل تھے۔

زرگری اور ظروف طلائی اور سیمیں کی صنعت بھی عام تھی۔ بادشاہوں کے محلوں اور عبادت خانوں کی آرائش چاندی کے برتنوں سے کی جاتی تھی۔ ایام عرب کا مشہور واقعہ ہے کہ بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کو برباد کر ڈالا ہخامنشی خاندان کا مشہور بادشاہ ''سائرس'' جب حکمران ہوا تو بابل کو فتح کرنے کے بعد اس نے دانیال نبی (علیہ السلام) کو یہ اجازت دے دی کہ وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کریں۔ سائرس نے ہیکل سلیمانی کے وہ تمام ظروف طلائی اور سیمیں بھی ان کو ہیکل میں رکھنے کے لئے دیدیئے جو بخت نصر لوٹ کر لایا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اسرائیلیوں کو قبطیوں کی غلامی سے نکال کر مصر سے چلے تو ان کے ساتھ اسرائیلی خواتین بھی تھیں اور ان کے پاس چاندی اور سونے کے زیور اس کثرت سے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں سامری نے ان ہی زیورات کو گلا کر گئو سالہ تیار کیا تھا۔ اور قوم کو گمراہی میں مبتلا کیا۔ جزیرہ نمائے عرب میں انہی اسرائیلیوں کے ساتھ یہ صنعتیں بھی داخل ہوئیں۔

معاش کا تیسرا اور اہم ذریعہ زراعت ہے۔ یمن اور طائف کی سرزمین ایسی شاداب تھی اور ایسے شاندار باغات وہاں موجود تھے کہ قرآن حکیم نے اہل سبا کے ضمن میں اس سرسبز و شاداب خطہ اور حسین باغات کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

(سورۃ سبا:۱۵)

سیل عرم سے سد مآرب کی تباہی کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔سد مآرب اگر سبا والوں کی انجینئرنگ کا کارنامہ تھا اور علوم ہندسی پر کامل عبور کی دلیل تو ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں، ان کی فلاحت و زراعت پر دسترس کی نشانیاں تھیں۔یمن سے متصل تہامہ، نجد و حجاز' علاقہ تھا۔یہاں کی زمین سنگلاخ تھی۔اس لئے یہاں زراعت میں کوئی خاص ترقی نہ ہو سکی البتہ نخیل بانی میں ان کی شہرت دور دور تھی۔طائف کی سرزمین ضرور زرخیز تھی چنانچہ وہاں اتنا غلہ پیدا ہوتا تھا کہ تہامہ، نجد و حجاز کے علاقوں کی غذائی ضروریات اس سے پوری ہوتی تھیں۔سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعید میں بھی وہاں پیداوار اتنی ہی وافر ہوتی تھی کہ مکہ اور مدینہ والے اس سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں جب طائف کے مسلمان سردار نے کافروں کی دراندازیوں اور مسلمانوں پر یورشوں سے تنگ آ کر طائف سے گیہوں کی برآمد بند کر دی تھی تو مدینہ کے غیر مسلموں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ سردار طائف سے ہماری سفارش فرما کر اس برآمد کو بحال کرا دیں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرما کر یہ برآمد جاری کرا دی تھی۔تاریخ اسلام میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔بہرحال عرب مورخین نے جب اپنی تاریخ کی نگارش پر قلم اٹھایا تو انہوں نے قوم عرب کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا۔

(۱) عرب بائدہ (۲) عرب عاربہ (۳) عرب مستعربہ

ان قوموں کا نظام تمدن کیا تھا؟ یہ کس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان کا سیاسی و معاشی نظام کیا تھا یہ معاشی اور سیاسی نظام سے بالکل بے بہرہ تھے اس کی وضاحت کے لئے مجھے ان اقوام عرب کی مختصر تاریخ کے بیان سے گزرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اگر ان اقوام میں کوئی معاشی نظام تھا تو اس معاشی نظام میں اور سرور کونین صلی اللہ علیہ

م کے عطا کردہ نظام میں مابہ الامتیاز کیا ہے اور وہ کون سی خصوصیات ہیں جن کے
ت اسلام کے معاشی نظام کو دوسرے نظامہائے معیشت پر برتری اور بالادستی حاصل
ہے۔

رب بائدہ

بائدہ کے معنی ہلاک ہو جانے والے کے ہیں۔عرب بائدہ سے مراد سرزمین عرب
ں وہ قدیم ترین اقوام ہیں جو سب سے پہلے جزیرہ نمائے عرب میں آباد ہوئیں اور وہاں
پھلی پھولیں اور قرآن حکیم کے اس ارشاد کے مطابق

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (سورۃ الاعراف:۳۴)

ترجمہ:''اور ہر گروہ کے لئے ایک معیاد معین ہے سو جس وقت ان کی معیاد
معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹیں گے نہ آگے بڑھ سکیں
گے۔''

اپنے اپنے وقت مقررہ پر ختم ہو گئیں البتہ ان کی بعض شاخیں (بطون) قریب کے
دوسرے ممالک میں مدت دراز تک باقی رہیں۔یہ قومیں عاد اولیٰ، عاد ثانی، ثمود اولیٰ، ثمود
ثانی، جرہم جدیس، بنی لحیان اور بنی معین تھیں۔قرآن حکیم میں ان مختلف اقوام کے مختصر
احوال بعض آیات میں مذکور ہیں۔مثلاً

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِىْ لَمْ
يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ○ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ
بِالْوَادِ ○ (سورۃ الفجر:۶،۷،۸،۹)

عاد تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔حضرت ھود علیہ السلام اس قوم کی
اصلاح کے لئے تشریف لائے لیکن قوم نے نافرمانی کی اور تباہ ہو گئی۔تباہی سے جو بچ

گئے وہ عادثانیہ سے موسوم ہوئے۔ جناب لقمان عادثانیہ کے نامور مصلح اور سردار تھے۔ عادثانیہ خداپرست قوم تھی اور شریعت ھود (علیہ السلام) کی پیرو تھی۔ (ارض القرآن)

عادثانیہ کی آبادی کا سلسلہ جزیرہ نمائے عرب کے شرقی ساحل پر عراق تک پھیلا ہوا تھا۔ ثمود کا مرکز ارض حجاز تھا۔ یہی قوم ارض حجاز سے حدود سینا تک یعنی بحر قلزم کے مغربی ساحل پر آباد تھی۔ وادی القریٰ کا شہر ''حجر'' ان کا مرکز تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر قلعے اور مکانات بنانے میں کمال رکھتے تھے۔ سنگ تراشی میں جو کمال اس قوم کو حاصل تھا وہ کسی اور قوم کے حصہ میں نہیں آیا۔ یہی قرآنی زبان میں ''ذات العماد'' ہیں۔ ان کی عمارتیں آج بھی کھنڈروں کی صورت میں ان کے کمال سنگ تراشی کی شاہد ہیں اور زمانہ کے لئے درس عبرت یہ قوم حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کر کے تباہ ہوئی۔

اہل معین کی آبادی یمن میں سمندر کے کنارے کنارے سبا اور حضر موت کے درمیان تھی۔ یہ قوم سلطنت سبا کی ہم عصر تھی جرہم تمام حجاز میں پھیلے ہوئے تھے اور یہی وہاں کے حکمران تھے۔ ان قوموں کے علاوہ بھی عرب بائدہ کی چند قومیں تھیں لیکن وہ بالکل مجہول الحال ہیں۔

عبل، عیس، ایم، ارقم واد باران ہی مجہول الحال قوموں کے نام ہیں۔

عرب عاربہ

عاربہ کے معنی حضریت سے محروم صحرائی اور بدوی کے ہیں ممکن ہے کہ اس قوم کی ابتدا بدیت اور دشت نوردی سے ہوئی ہو حالانکہ ترقی کی راہ میں یہ بہت آگے تھے اس قوم میں بڑے بڑے متمدن اور مہذب قبیلے پیدا ہوئے اور انہوں نے عظیم سلطنتیں قائم کیں۔ عرب عاربہ عرب بائدہ کے بعد جنوبی عرب میں نمودار ہوئے۔ یمن ان کا پہلا مستقر تھا یہاں سے یہ دوسرے ممالک قریبی میں پھیل گئے۔

عرب عاربہ کا مورث اعلیٰ قحطان ہے جو یمن کا پہلا بادشاہ تھا۔ قحطان، سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے

دو ہزار دو سو برس قبل یمن کی سلطنت اس کے زرنگیں تھی۔ حضر موت کا وسیع ریگزار اسی قحطان کے فرزند حضارموت کے نام سے موسوم ہوا اور حضر موت کہلانے لگا۔ اس کی نسل نے حضر موت کی سلطنت قائم کی لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ سلطنت سبا کی عظیم سلطنت میں شامل ہو گئی کیونکہ جنگ و جدل کے طویل سلسلہ نے ان میں اقتدار قائم رکھنے کی سکت باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی کچھ نسل نبی کندہ میں ضم ہو گئی۔ اس طرح حضارموت کی سلطنت اور قوم کا خاتمہ ہو گیا۔

بنی قحطان کی سب سے نامور اور متمدن سلطنت سبا کی تھی۔ سبا قحطان کا نبیرہ تھا۔ اصل نام عبد شمس تھا لیکن سبا لقب پڑ گیا اور اصل نام دب گیا۔ سبا کی سلطنت کا دور ایک ہزار سال سے زیادہ جاری رہا۔ قوم سبا کا دوسرا دور جب شروع ہوا تو انہوں نے اپنا مستقر اور مرکز شہر مآرب کو بنایا۔ اور بادشاہ سبا ''تبع آمر'' نے ۸۸۰ ق م میں سد مآرب کی تعمیر کی۔ اس کو اہل یمن اپنی زبان میں ''عرم'' کہتے تھے سد مآرب، علم ہندسہ اور فن تعمیر کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔ جس سے اس دور کی تمدنی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ سد مآرب کے ذریعہ ایک بہت بڑی وادی کا راستہ روک کر ایک عظیم تالاب بنایا گیا تھا۔ اس وسیع و عریض تالاب کے پانی سے زرعی زمینوں اور باغات کو سیراب کیا جاتا تھا۔ اس کے ذریعہ تمام ملک سرسبز و شاداب ہو گیا۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے سات سو برس قبل ایک عظیم سیلاب نے اس ''سد'' کو برباد کر دیا۔

سبا کی وسیع قلم رو میں تین ممالک شامل تھے۔ حبش، یمن اور شمالی عرب کے بعض علاقے ۶۸۲ ق م میں سبا کی اس وسیع مملکت کا شیرازہ بکھر گیا۔ قرآن مجید میں اس قوم کے بہت ہی مختصر حالات، ''سورۃ سبا'' میں موجود ہیں اور یہاں کی حکمران ملکہ (بلقیس) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے ملکہ سبا کے دور میں مملکت سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوم کے تمدن و معاشرت کے سلسلہ میں بہت کچھ آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

حبش کی سلطنت پر اکسومی خاندان قابض ہو گیا اور شمالی عرب پر بنی اسماعیل کا قبضہ ہو گیا۔ اس زمانہ میں ملوک حمیر نمودار ہوئے۔ یہ بھی خود کو ملوک سامی کہتے تھے۔ اس لئے کہ یہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے چار صدی قبل حبشیوں نے اس حمیری سلطنت پر یورشیں شروع کر دیں۔ اکثر ساحلی علاقے اور حضر موت مستقلاً ان کے تصرف میں آ گئے۔ حمیری سلاطین نے اپنا لقب ''تبع'' رکھا تھا جو حمیری اور سبائی زبان کا لفظ ہے۔ حمیری سلاطین یا ''تبابع'' بعض علاقوں پر ۴۶ قبل ولادت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تک قابض رہے لیکن اس کے بعد حبشیوں نے ان تمام علاقوں پر پورا پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ یہ تھا عرب عاربہ کا مختصر حال۔ سبائی اور حمیری سلطنتوں میں صنعت و حرفت کو خوب فروغ ہوا لیکن ان کا نظام سلطنت شخصی تھا اور وہ کوئی معاشی نظام قائم نہ کر سکے...... (دیکھئے ارض القرآن)

تیسری قوم عرب مستعربہ کی تھی یعنی عرب بن جانے والے لوگ۔ یہ وہ قوم ہے جو عرب کے پڑوسی ملکوں سے آ کر عرب میں آباد ہو گئی اور پھر رہتے رہتے عرب بن گئی۔ اس قوم کی بنیاد اس وقت پڑی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اس وادی غیر ذی زرع میں خدا کے سپرد کر کے اپنے مستقر کو واپس چلے گئے۔ اسی وادی میں اب دنیائے اسلام کا مقدس شہر ''مکہ'' آباد ہے۔

یہ واقعہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً تین ہزار برس قبل کا ہے۔ طوفان نوح (علیہ السلام) کے بعد تعمیر کعبہ ان ہی دو مقدس ہستیوں کے ہاتھوں سے ہوئی جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۷)

تعمیر کعبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عنفوان شباب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد شیب کا ایک مقدس کارنامہ ہے۔ اس وادی میں حضرت اسماعیل علیہ

السلام اور جرہم کی اولاد روز بروز بڑھتی رہی۔ بنی اسماعیل اور بنی جرہم کے علاوہ اس علاقہ میں دو اور قومیں دوسرے علاقوں سے آ کر آباد ہو گئیں۔ ایک یہودی اور دوسرے صابی یہودی تو ارض کنعان، عراق اور مصر سے یہاں آ کر آباد ہو گئے اور صابی، عراق اور بابل سے یہاں آ کر بس گئے۔ رفتہ رفتہ یہود کی آبادی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ چنانچہ یہ لوگ وادی القریٰ، خیبر، فدک اور یثرب میں کثرت سے آباد ہو گئے۔ یمن کی سرزمین میں بھی انہوں نے اپنے قدم جما لئے۔ کچھ مکہ میں بھی بس گئے۔ سودی لین دین نے ان کی ساکھ بڑھا دی اور ان کو معزز شہری سمجھا جانے لگا۔ اس وقت کی معاشی حالت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ معاشرہ میں متمول قوم صرف یہودی تھے۔ یہودیوں اور صابیوں کے علاوہ مسیحیوں کے چند مختلف قبیلے شمالی عرب میں آباد تھے۔ ان نو آباد فرقوں کے مذہب کا اثر یہاں کے قدیم باشندوں پر بھی پڑا۔ یہودی بن جانے والے زیادہ تر وہ افراد تھے جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہو گئے۔ مقامی عرب خاندانوں میں سے بہت کم افراد نے مذہب کو تبدیل کیا۔

آلِ اسماعیل

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سردار جرہم مضاض کی صبیہ سے شادی کی تھی اور یہی لوگ اپنے نانا مضاض کے خاندان کے ساتھ مل کر حرم الٰہی کی نگہبانی اور خدمت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بارہ فرزند عطا فرمائے ان فرزندوں کی اولاد سے بارہ سبط ابنائے اسماعیل بن گئے۔ ان میں سے دس اسباط گمنام ہو کر تاریخ کے حافظہ سے اتر گئے صرف دو سبط باقی رہ گئے۔ ایک نابتی منسوب بہ نابت اور دوسرا سبط قیداری منسوب بہ قیدار۔ ان میں نابت خانہ کعبہ کے متولی ہوئے، کچھ مدت کے بعد آل نابت بعض وجوہ کی بنا پر حجاز چھوڑ کر عرب کے شمالی علاقوں کی طرف چلے گئے اور پھر یہی نسل پھیل کر جزیرہ نمائے سینا سے حدود عراق تک اور ارض مقدس کے حدود سے یثرب تک آباد ہو گئی۔

آل نابت کے حجاز سے چلے جانے کے بعد آل قیدار مکہ ہی میں رہے۔ قیدار کی نسل برابر بڑھتی رہی اور اس سے شعوب وقبائل مکہ سے نکل کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ لیکن مکہ کی سرزمین ان سے کبھی خالی نہیں رہی۔ یہ حرم الٰہی کی خدمت کرتے۔ ہر سال حج کے زمانہ میں بنی اسماعیل اور دوسرے قبائل جوق در جوق مکہ آتے اور زیارت کعبہ کے بعد اپنے اپنے مستقر کو واپس چلے جاتے۔ اس وقت تک ان میں بدویت پھیلی ہوئی تھی۔ نہ انہوں نے مکانات بنائے تھے اور نہ حضریت کی دوسری خوبیوں کو اپنایا تھا۔ یہ لوگ تمدن کے جھمیلوں سے دور دور ہی رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بارہ سو سال بعد بنی قیدار میں عدنان

امی بزرگ پیدا ہوئے۔عدنان کے فرزندوں میں ایک فرزند معد بہت مشہور ہوئے۔
سرائیلی سردار معد کو اپنے ساتھ حران لے گئے تاکہ وہ بخت نصر کے مضرتوں سے محفوظ
ہیں۔معد کی نسل کو اللہ تعالیٰ نے بڑا فروغ بخشا اور وسعت عطا فرمائی، خصوصاً معد کے
رزند نزار تمام عرب قبائل مابعد کے مورث اعلیٰ پائے۔عرب کے تمام قیداری قبائل میں
کوئی ایسا قبیلہ نہیں ہے جس کا سلسلہ نزار کے بغیر عدنان تک پہنچتا ہو۔نزار کے پانچ
رزند ہوئے ان پانچوں فرزندوں سے پانچ قبیلے وجود میں آئے یعنی انمار، بنی آباد، بنی
بیعہ، بنی قضاعہ اور بنی مضر۔ان میں بنی ربیعہ، بنی قضاعہ اور بنی مضر کو بڑا فروغ حاصل
وا۔بحرین میں بنی عبدالقیس کی ریاست، نجد میں بنی بکر، بنی تغلب اور بنی کندہ کی
ریاستیں اور حیرہ میں آل نعمان کی عظیم سلطنت قائم ہوئی۔یہ تمام ریاستیں نزاری تھیں۔

مضر کی تیسری پشت میں مدرکہ کی تمام قوم موحد تھی۔ بت پرستی کا ان میں شیوع
نہیں ہوا تھا۔یہ سب کے سب دین حنیفی کے پیرو تھے۔بنی قضاعہ مکہ کے حکمران اور خانۂ
کعبہ کے نگران و خادم تھے۔مدرکہ کی پانچویں پشت میں فہر پیدا ہوئے۔ان کو تمام نزاری
قبائل کی سرداری کا شرف حاصل تھا۔فہر کے چھ بطون کے بعد کلاب نامی سردار کے
یہاں ایک عظیم شخصیت پیدا ہوئی جس کا نام قصی تھا۔قصی مکہ کے حاکم اور کعبہ کے خادم
بنائے گئے۔انہوں نے تمام منتشر قبائل عرب کو جواب قریش کے معزز لقب سے یاد کئے
جاتے تھے۔مکہ میں بسا لیا۔جو لوگ کعبہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے وہ قریش اباطح
کہلائے اور جو مکہ کے مضافات میں آباد ہوئے ان کا لقب قریش ظواہر پڑ گیا۔

اب تک شہر مکہ میں لوگ خیموں کے اندر زندگی بسر کرتے تھے۔بیرونی تجارت سے
ان کو سروکار نہ ان میں کوئی معاشی نظام موجود تھا۔قصی پہلے حکمران یا سربراہ ہیں جنہوں نے
قریش کو تمدن سے آشنا کیا اور ان کے لئے مکہ میں مکانات تعمیر کرائے اور متمدن دنیا کی
دوسری ضرورتوں سے ان کو آگاہ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے لئے فراہم بھی کیں البتہ قریش
اپنے اسلاف کی طرح فن تعمیر سے ضرور آگاہ تھے۔قصی نے مکہ کو مختلف منطقوں یا محلوں

میں تقسیم کیا۔اس طرح قوم قیدار بن اسماعیل ایک متمدن قوم کی صف میں شامل ہوگئی۔

قصی کے ایک فرزند عبد مناف تھے۔یہی جناب عبد مناف سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ یعنی حضرت عبدالمطلب کے دادا ہیں۔قصی اور عبد مناف سے قریش نے شہری زندگی کی خصوصیات کو اپنایا لیکن قبائلی بدویت کا وہ خاتمہ نہ کر سکے۔بدویت، تمدن و حضریت کی خصوصیات سے الگ تھلگ رہی۔بدویت میں کوئی سیاسی نظام نہ تھا۔معاشی ضروریات کی کفالت کے لئے نہ صنعت تھی نہ حرفت۔وہ تجارت کے جھمیلوں سے بھی دُور دُور رہے۔اونٹ ان کی گزر بسر کا سب سے عظیم اور اہم سرمایہ تھا۔اس کی کھال سے بادیہ نشیں رہنے کے لئے خیمے بنا لیتے تھے۔اس کے بالوں سے اوڑھنے اور پہننے کے لئے کمبل تیار کر لیتے۔ان ہی بالوں سے رسیاں تیار کر لیتے۔ان کا دودھ اور گوشت ان کی مرغوب غذا تھی یا شکار کے گوشت پر گزران ہوتی تھی۔گوشت بھون کر کھانے کو جی چاہتا تو گرم اور تپتے ہوئے پتھروں پر گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو پھیلا دیتے اور کچھ دیر کے بعد کھا لیتے یا ان کے کباب تلتے۔

---------------(دیکھئے قصیدہ امرأالقیس مشمولہ سبع معلقہ)

حضریت میں معاشی ضروریات کی کفالت کے لئے تجارت بھی تھی اور زراعت بھی۔نخلستانوں کی پیداوار بڑھانے کے لئے وہ ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔کھانے پینے میں یہ تکلفات تو نہ تھے جو آج کی متمدن دنیا میں پائے جاتے ہیں لیکن مسالوں سے اس وقت بھی ان کو رغبت تھی اور آج بھی ہے۔عطریات پر جان دیتے تھے۔بخورات، عطریات، مسالے اور اسلحہ ان کی خاص درآمدی تجارت تھی۔سکہ کا ان میں رواج نہ تھا۔تجارت اور لین دین میں سونے چاندی کے ٹکڑوں سے معاملات کرتے تھے یا پھر اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے ہوتا تھا۔

جزیرہ نمائے عرب کے ساحلی علاقوں پر آباد اقوام جن کا میں مختصر سا تعارف آغاز کلام میں کرا چکا ہوں۔قریش کے ان حضری قبائل سے زیادہ متمدن تھیں۔وہ تجارت

کے لئے اکثر بحری سفر کیا کرتے تھے جبکہ قریش کی تمام تر تجارت بری راستوں سے ہوتی تھی۔ وہ بھی پہلے تو خطرات سے خالی نہ تھی۔ عبد مناف کے فہیم و دانا، شجیع و خوبرو فرزند ہاشم نے جو حضرت عبدالمطلب کے والد ماجد تھے۔ اپنی دانائی و بصیرت سے کام لیتے ہوئے شام اور یمن کی تجارتی گزرگاہوں پر آباد قبائل سے امن و امان اور سلامتی کے معاہدے کر کے ان راستوں کو تجارتی سفر کے لئے مصوّن و مامون بنا دیا تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ○ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○

(سورۃ القریش)

ساحل پر آباد اقوام کی برآمدی تجارت، درآمدہ کے مقابلہ میں زیادہ تھی ان اقوام میں بھی تمدنی اور معاشرتی معاملات کی سربراہی اور تمام نظم و نسق قبیلہ کے سردار کے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ وہی تمام سیاہ و سفید کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ان اختیارات کو آپ سیاسی نظام سے تعبیر کر لیجئے یا اس کو معاشرتی نظام کہہ لیجئے۔ بہرحال وہ ایک شخصی نظام تھا۔ اقتصادی نظام میں صنعتیں اور حرفتیں ان میں اس پیمانہ پر نہیں تھیں کہ ان سے اقتصادیات کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ تجارت ضرور تھی لیکن تجارتی نظام کوئی نہیں تھا۔ بازار تھے لیکن خرید و فروخت کے اصول نہیں تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ معاش اور احتیاج زندگی کے یہ گوناگوں مسائل نہ تھے۔ البتہ قمار بازی، سودی لین دین، ذخیرہ اندوزی کی مکروہ صورتیں موجود تھیں جس سے ان کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں بھی بنی نوع انسان کے مابین ایک عظیم فرق اور بعد موجود تھا۔ ایک طبقہ اپنے تمول کے اعتبار سے اتنا بلند کہ دوسرا کم مایہ طبقہ ہر قدم پر اس کا محتاج ..... پیٹ بھرنے کے لئے اس کو غلامی بھی قبول، مالدار طبقہ اس غریب طبقہ کو جس طرح چاہتا پامال کرتا۔ طرح طرح کے ظلم ان پر روا رکھتا۔ ان کو ان مظالم سے روکنے کے لئے نہ کوئی مذہبی دستور العمل تھا نہ کوئی اخلاقی،

ضابطہ، نہ کوئی معاشی، معاشرتی اور سیاسی قانون۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ان کی معاشرتی زندگی کے یہی تار و پود تھے۔ اسلام نے جہاں ان کی معاشرتی صلاح و فلاح اور بہبود کے لئے زرین اصول مقرر کئے۔ ان کو رزائل اخلاق، دناءت و پستی کے اوچھے ہتھکنڈوں سے باز رکھنے کے لئے ایک جامع نظام اخلاق پیش کیا۔ وہاں ان کی معاشی زندگی کو بھی سدھارنے کے لئے ایک مکمل معاشی نظام عطا فرمایا۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشی نظام عطا فرمایا اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس وقت صنعت و حرفت کے میدان میں نہ کارخانے تھے اور نہ بڑے بڑے صنعتی اور حرفتی ادارے نہ مالیات کے شعبے تھے نہ بینک، نہ انشورنس کمپنیاں تھیں، نہ بازار حصص، نہ تمسکات حصص تھے، نہ بین الاقوامی منڈیاں تھیں جو اشیائے صرف کا بھاؤ مقرر کرتیں کہ ان شعبہائے معایش و مالیات پر مشتمل کوئی نظام معیشت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم قوم کو عطا فرماتے لیکن ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام معیشت کی جامعیت تو دیکھئے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت پر مبنی نظام پر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ معاشی نظام نے اور اس کے سیدھے سادے اصولوں نے ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ جب اسلامی نظام معاشیات کے زریں اصولوں کو عملی دنیا میں آزمایا جاتا ہے تو معاشرہ کی اصلاح پر مبنی اس کے بہترین نتائج اس طرح سامنے آتے ہیں کہ اس سے بہتر، نافع اور معاشرہ کے لئے مفید کوئی اور نظام ہو ہی نہیں سکتا۔

اسلام کے اس معاشی نظام کو عصر حاضر کے ترقی یافتہ معاشی نظاموں کے مقابل رکھئے۔ اسلام کے معاشی نظام کے بلند مقاصد، ارفع و اعلیٰ نتائج، فوز و فلاح اور دُور رس مفید خلائق مآل کار سے انکار کی کس کو جرأت ہو سکتی ہے۔ یہی اس کی صداقت و جامعیت کی روشن دلیل ہے۔

آج دنیا معاشی نظام کے اعتبار سے دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک سرمایہ

دارانہ نظام ہے اور دوسرا قومی معاشی نظام لیکن جب آپ ان دونوں نظامہائے معیشت کا تجزیہ کریں گے تو دونوں کے مفاسد آپ پر عیاں ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک افراط کی حد آخرم پر ہے تو دوسرا تفریط کے آخری نقطہ پر۔ اسلام کا معاشی نظام اعتدال کا علم بردار ہے نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط اس نے انفرادی حقوق معاش اور ان سے جلب منفعت کو بھی جائز رکھا ہے مگر چند قیود و شرائط کے ساتھ، ان ہی کو انفرادی معاش کے ضوابط سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اجتماعی نظام معاش کو بھی اس نے مستحسن قرار دیا ہے لیکن اس کے فوائد سے فرد کو جبراً محروم نہیں کیا ہے بلکہ اس کے فوائد تو قوم کے نادار، مفلس اور معذور افراد کے لئے وقف ہیں۔ محرومی کا سوال ہی نہیں ہے۔ ملحوظ خاطر رہے کہ اسلام نے آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے یہ معاشی نظام پیش کیا ہے۔ یہ تو دین الٰہی اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان ہے کہ اس وقت کے پیش کردہ اصول اخلاق اور ضوابط معاش و معاشرت آج بھی ہمارے لئے اتنے ہی مفید اور بکار آمد ہیں اور ان کے بہترین نتائج اتنے ہی اٹل ہیں جتنے اس وقت تھے۔ ان نتائج سے محرومی صرف ہماری بے عملی کا نتیجہ ہے اور بس۔

نظام معیشت اور اس کا مقصد

نظام معاش اپنے عوامل و عواقب کے اعتبار سے صالح بھی ہوتا ہے اور فاسد بھی۔ دوسرے نظامہائے تمدن اور معاشرت کی طرح معاشی نظام کی صلاح و فساد کا معیار بھی اس کے اصل محرکات کے صالح اور فاسد ہونے پر مبنی ہے۔ اگر کسی نظام معاش سے اجتماعیت یا فرد کی زندگی میں صلاح و فلاح، رفاہیت اور آسودگی پیدا ہوتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس کے اصل محرکات و ضوابط صالح اور غیر فاسد ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کے محرکات اور نظام کے تار و پود کے فاسد اور قبیح ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس نظام کی اساس و ضوابط میں فاسد اصول کارفرما ہیں تو یقیناً ایسا نظام کبھی صالح نظام نہیں ہو سکتا۔

تاریخ عالم کے مختلف ادوار میں جو نظامہائے معیشت قائم ہوئے یا قائم ہیں۔ ان

کا جائزہ لیجئے تو یہ اصول ہر ایک نظام معاش میں کارفرما نظر آئے گا۔ اس کے نتائج کس قدر ہلاکت آفریں اور معاشرہ کے لئے کس قدر تباہ کن ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ تاریخ عالم کے صفحات پر اس کی خونچکاں داستاں ثبت ہے۔

مختلف نظامہائے معیشت میں ان کے محرکات آپ کو ان دو صورتوں میں ملیں گے ایک تو ایسا نظام معیشت ملے گا جس کی بنیاد صرف زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی پر رکھی گئی ہوگی اور اس نفع اندوزی کا کہیں اور چھور نہیں ہوگا۔ جلب منفعت اور نفع اندوزی کا یہ جذبہ کسی نقطہ پر منتہی نہیں ہوتا۔ خواہ وہ تجارت کا میدان ہو یا صنعت و حرفت کا۔ زراعت ہو یا فلاحت ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض ذرائع یا معیشت کے بعض شعبوں میں دوسرے ذرائع اور دوسرے شعبوں کے مقابل میں نفع کم ہو۔ مثلاً زراعت اور تجارت ہی کو لے لیجئے تجارت میں نفع کے وہ ذرائع موجود ہیں جو زراعت میں نہیں ہیں لیکن اپنے نتائج فاسدہ کے اعتبار سے دونوں قبیح ہیں۔ ایسا نظام معیشت ''سرمایہ دارانہ نظام'' کہلاتا ہے۔ زراعت کے شعبوں میں وڈیرہ شاہی ملک شاہی بھی سرمایہ دارانہ نظام ہے جس کو ہم ''جاگیردارانہ نظام'' کہتے ہیں کہ ہزاروں بیگھے اور سینکڑوں ایکڑ زمین جو قابل کاشت ہے اس کا صرف ایک مالک ہے یعنی فرد واحد کے قبضہ میں ہے۔ ان زمینوں سے غلہ اُگانے والے کاشتکاروں کا قرار واقعی حق ادا نہیں کیا جاتا۔ کسان لاکھوں من غلہ اُگا کر بھی بھوکا رہتا ہے! پھر ''احتکار'' کی لعنت موجود ہے۔ غریب پیٹ بھرنے کے لئے ایک ایک دانہ کو ترس رہا ہے اور جاگیردار کے یہاں غلہ کے انبار لگے ہیں اور وہ انتظار میں ہے کہ کب بھاؤ چڑھے کب خشک سالی ہو اور اپنا محفوظ ذخیرہ منڈی میں لاکر دوگنی چوگنی قیمت پر فروخت کرے۔ علامہ اقبال نے اسی صورت حال کے بارے میں کہا ہے۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کے قیام میں اصل محرک یا فساد کا بنیادی نقطہ ''خودغرضی'' کا حد سے بڑھ جانا ہے۔فلسفہ اخلاق میں اس کو ''شر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جو طلب کی حد افراط کا نقطہ آخر ہے۔اس فساد کو دوسرے رذائل اخلاق اور فاسد نظام سیاست اور زبوں حال معاشرہ کی بدولت پروان چڑھنے کا خوب موقع ملتا ہے۔

''سرمایہ دارانہ نظام معاش'' کا زہر رفتہ رفتہ تمام معاشی و معاشرتی صلاح و فلاح کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اس سے تنگ نظری، خودغرضی، بداندیشی، بخل و بددیانتی، نفس پرستی، عیش کوشی اور ظلم کے رذائل پیدا ہوتے ہیں۔دنیا کے کسی سرمایہ دارانہ نظام کو دیکھ لیجئے رذائل اخلاق اس میں تہ بہ تہ آپ کے سامنے آئیں گے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان رذائل اخلاق اور مفاسد سے معاشرہ میں تباہ کاریاں جنم لیتی ہیں یعنی عصمت فروشی، جرائم کوشی، قتل و غارت گری، جسمانی کمزوریاں اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔اس کے نتائج میں یعنی جب دولت مند افراد، ضرورت مندوں کا حق تسلیم کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے انکار کرتے ہیں اور یہ طبقہ دولت مندوں کی دولت میں شریک ہونے اور اس سے متمتع ہونے سے محروم رہتا ہے یا ان کو ان کی ضرورتوں سے کم حصہ ملتا ہے تو اس کے نتیجہ میں چوری، ڈاکہ، قتل و غارت، پستی، اخلاقی زبوں حالی، عصمت فروشی غیر اخلاقی پیشے اور طرح طرح کے مفاسد سر اٹھاتے ہیں اور بحیثیت مجموعی معاشرہ کو ایسے افراد کے ہاتھوں ایسے کاری زخم لگتے ہیں کہ مدتوں مندمل نہیں ہوتے۔

نفس پرستی اور عیش کوشی اس سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بھیانک، قبیح اور مذموم نتیجہ ہے۔فواحش کی گرم بازاری، رامش و رنگ، رقص و سرود کی ارزانی، سرور و انبساط کے اسباب کی فراوانی اور فراہمی، منشیات و مسکرات کے ذریعہ خود رفتگی، خود فراموشی کی جلوہ سامانی اسی سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے دم قدم سے ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام پر اگر اخلاقی قدروں سے ہٹ کر نظر ڈالئے اور اجتماعی زندگی اور

معاشرہ میں جو اونچ نیچ، طبقہ بندی اور افراط وتفریط کے عوامل موجود ہیں۔ ان کے اعتبار سے اگر اس نظام کا جائزہ لیجئے تو تمدن کی تباہ کاری میں سب سے قوی ہاتھ اسی نظام کا آپ کو کارفرما نظر آئے گا۔ سب سے اوّل یہ کہ قانون کی گرفت کبھی اتنی مضبوط نہیں رہی (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے قوانین سے ہٹ کر عرض کر رہا ہوں) کہ ذاتی مفاد اور اجتماعی مفاد میں ہم آہنگی یا خصوصی روابط پیدا کئے جائیں اگر دونوں کی رفاہیت وآسودگی کو لازم وملزوم قرار دے دیا جاتا تو یہ نتیجہ نہ نکلتا کہ ذاتی مفاد، اجتماعی مفاد پر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

اس نظام سرمایہ داری کے تحت معیشت کے جو تارو پود تیار ہوتے ہیں اور جو اجتماعی ہیئت تشکیل پاتی ہے اور معاشرہ وجود میں آتا ہے وہ ہمدردی وتعاون کے جذبات، رحم و شفقت کے احساسات سے بالکل عاری ہوتا ہے اور ان اوصاف حمیدہ کے بجائے ظلم و تعدی، شقاوت اور چیرہ دستی کے مذموم صفات پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ متعدد رذائل اور اخلاقی پستیوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اس خرابی سے آپ صرف نظر نہیں کر سکتے کہ وہ فرد کی حق تلفی کو جائز اور موروثی حق سمجھتا ہے اور معاشرہ کے افراد کو ناکارہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ وہ افراد جن کی فطری صلاحیتوں اور ذہنی قابلیتوں کو تہذیب وتمدن اور معاشرہ کی خدمت میں اگر لگایا جاتا تو ان سے بہترین نتائج پیدا ہوتے لیکن ان سرمایہ داروں نے اپنے نفسانی اغراض اور ذاتی ضرورتوں کی تکمیل کے ڈھب پر لگا لیا جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں اگر نفس پرستی اور عیش کوشی کی پیاس نہ ہوتی تو ارباب نشاط کی کھپت کہاں ہوتی۔ ان کے کارندے اور سازندے اپنی توانائیوں کو معاشرہ کے مفید کاموں میں کہاں صرف کرتے۔ اس نکتہ کی اگر وضاحت کروں تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ تمدن اور معاشرہ پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ صالح افراد کی صلاحیتوں کو قبیح ذرائع کی تکمیل وترتیب میں صرف کیا جائے۔ یہ تو انسانی کوششوں سے پیدا کردہ ذرائع اور سرمایہ کے انفاق سے پیدا ہونے

والے قبیح نتائج ہیں۔ ان سرمایہ دار نے تو مادی ذرائع پر بھی اس سرمایہ کے ذریعہ ہاتھ صاف کیا۔ عالی شان محل اور کوٹھیاں تعمیر کرائیں جبکہ ان کی نوع کے بیشتر افراد جھونپڑیوں میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں اور ان میں سے اکثر کو یہ جھونپڑیاں بھی میسر نہیں۔ سڑکوں کے کنارے، درختوں کے نیچے پڑے ہوئے وہ اپنی راتیں گزارتے ہیں۔ وہ زمین سینکڑوں افراد کے سر چھپانے کی ذریعہ بن سکتی تھی۔ وہی زمین سرمایہ کی بدولت ایک فرد واحد کی ملکیت ہے اس طرح اس کی تن آسانی اور عیش و عشرت کے دوسرے سامان ہیں۔ ان کی فراہمی پر جو روپیہ صرف کیا گیا ہے وہ معاشرہ کے ہزاروں بھوکوں کا پیٹ بھر سکتا تھا اور ان کے ننگے جسم اس سے ڈھکے جاسکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ خود غرضی اور خود پرستی نے ایسا نہیں ہونے دیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا محرک یہ ہے کہ ایک انسان کو اس کی ضرورت سے زیادہ جتنے وسائل پر دسترس ہو جائے یا جتنے اسباب معیشت اس کے قبضہ میں آجائیں۔ ان کو ترک کرنے کے بجائے وہ ان کو جمع کرتا جائے اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان جمع شدہ وسائل سے مزید وسائل معیشت کو حاصل کرے۔ ان مزید حاصل شدہ وسائل کو یا دولت کو سود پر لگا دیا جائے یا اس دولت سے مزید دولت کمانے کے لئے اس کو مزید صنعتی یا تجارتی کاروبار میں لگا دیا جائے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ مالدار فرد زیادہ مالدار اور غریب و نادار پہلے سے زیادہ نادار اور غریب ہو جاتا ہے نتیجتاً دونوں طبقات میں ایک محاربہ شروع ہو جاتا ہے جس کی ابتدا عموماً غریب ترین طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ پھر یہ محاربہ اور کشمکش بڑھتے بڑھتے بین الاقوامی حدود میں قدم رکھ دیتی ہے اور ایک عالمگیر محاربہ کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

اس محاربہ سے بچنے کے لئے مغرب نے جو علاج تجویز کیا ہے وہ بھی حقیقتاً وہی نظام سرمایہ داری ہے یعنی اپنی دولت بڑھاؤ اور غریب کو اس سے فائدہ نہ حاصل کرنے دو۔ چنانچہ بینکاری تحفظ مال و زر کے عنوان سے نفع اندوزی کا دلکش اور پسندیدہ طریقہ بن گیا ہے۔ زندگی کا بیمہ، کمپنیوں کے حصص، حکومتی قرضوں کے تمسکات یہ سب کے

سب اسی نظام سرمایہ داری کے بدلے ہوئے حسین اور دلکش نام ہیں۔ مفکرین عصر حاضر نے مذہب کی قیود سے آزاد رہ کر بقول ان کے نظام سرمایہ داری کی تباہ کاریوں سے بنی نوع انسان کو بچانے کے لئے ایک اور نظام پیش کیا جس کا نام اشتراکیت رکھا یعنی دولت سے نفع اندوزی یا متمتع ہونے میں تمام افراد کی مساوی شرکت۔

اس نظریہ اشتراکیت یا نظام مساوات معاشی کے بانیین یا مؤیدین نے سرمایہ داری کی لعنت کا حل یہ تجویز کیا کہ اس کے اصلی سوتے اور سرچشمہ ہی کو بند کر دیا جائے یعنی پیدائش و دولت کے وسائل کو فرد کے قبضہ سے نکال کر ان کو جماعتی بنا دیا جائے لیکن ان وسائل دولت یا ان سے حاصل ہونے والے نفع کو معاشرہ کے تمام افراد پر بحیثیت مساوی خرچ یا تقسیم کرنے کا انتظام اسی جماعت کو حاصل ہوگا جس نے ان وسائل پر قبضہ اور تصرف حاصل کیا ہے اور فرد کی ملکیت سے نکالا ہے۔ چنانچہ عصر حاضر میں اس نظام کو قائم کرنے کے لئے جو جدوجہد کی گئی۔ اس میں جمہوری طریقے کام نہ دے سکے۔ مجبوراً محاربات اور جنگ وجدل کے ذریعہ اس نظام کو عوام کے اوپر مسلط کیا گیا لیکن دولت کی غیر مساویانہ تقسیم یہ نظام اشتراکیت بھی نہ ختم کر سکا اور اس میں بھی طبقاتی مساوات پیدا نہ ہو سکی۔ جن ممالک میں یہ نظام رائج ہے وہاں آپ اس عدم مساوات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ صنعتی ترقی ضرور عمل میں آئی اور روپیہ خزانوں سے نکل کر باہر آ گیا۔ اجتماعی رفاہیت و آسودگی کا دائرہ کچھ وسیع ہوا لیکن انسانیت نے اس تھوڑے سے نفع کے لئے بہت کچھ کھو دیا۔ اخلاقی ضوابط اور بندھن ڈھیلے پڑ گئے۔ بداخلاقیوں نے جنم لیا اور وہ اشتراکیت کی گود میں پروان چڑھیں۔ خیانت، غبن، رشوت، مردم آزاری عام ہو گئی۔ تمام معیشت حکومت کے قبضہ میں آ گئی اور ہر شخص سرکاری ملازم بن گیا۔ فرد کی فطری آزادی سلب ہو گئی۔ یہ تو موجودہ دور کا نظام معیشت ہے جس کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام معیشت نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام عالم کی فلاح کے لئے تمدن کو عطا فرمایا وہ اس وقت سے تا

ایندم تمام نظامہائے معیشت کی جمیع خامیوں اور خرابیوں کا مداوا ہے۔ یہ تو ہماری بدبختی کے سوا اور کیا ہے کہ ایسے مفید اور عالمگیر نافع اور فلاح دارین کے حامل نظام معاش سے ہم پہلو بچا کر نکل جائیں حرص و آز ہمارے پاکیزہ احساسات پر اس طرح غالب آ جائیں کہ ہم آج بھی اسی راہ پر گامزن رہیں جہاں قدم قدم پر خطرہ ہے۔

اسلام کا معاشی نظام

صرف اسلام کا معاشی نظام ہی ایک ایسا جامع اور نافع نظام معیشت ہے جو کائناتی اور آفاقی ہونے کے ساتھ ساتھ فرد کی ضروریات کا بھی اسی طرح کفیل ہے جس طرح اجتماعی حاجت روائی پر اس کو دسترس حاصل ہے اور اس کا وہ ضامن ہے۔ "اسلامی نظام معاش" نے نفع اندوزی احتکار، اکتناز کی راہیں مسدود کر دی ہیں کہ ایک لکھ پتی آن کی آن میں کروڑ پتی نہیں بن سکتا۔ آپ اس نظام معاش میں اس کی افادیت کے پہلو پر غور کریں تو وہ آپ کو ہر پہلو سے عمومی نظر آئے گا۔ تخصیص میں بھی عمومیت کارفرما نظر آئے گی اور یہی اس کی افادیت کی راستی اور صداقت کی دلیل ہے اور جامع اور نافع ہونے کی اصل وغایت۔

اسلامی نظام معاش میں جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا ہے یہ ناممکن ہے کہ ایک طبقہ کی کمائی کسی دوسرے طبقہ کے لئے محتاجی اور مفلسی کا پیام بن جائے۔ اس لئے بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نظام معاش میں وہ تمام محاسن اور خوبیاں موجود ہیں جو جماعت انسانی کے لئے مایۂ شرف و مباہات ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم احکام الٰہی اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مالی اغراض، اپنی کم عقلی یا دوں ہمتی سے تہذیب جدید کی مرعوبیت کے پھندوں میں پھنس کر گریز کریں اور ان احکام پر عمل پیرا نہ ہوں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے۔

کما تدین تدان (جیسی کرنی ویسی بھرنی)

قرآن حکیم کے اصول معاشیات

جس طرح شریعت یعنی احکام دینی کے سلسلہ میں قرآن نے ہماری رہنمائی کے

لئے اصول وکلیات پیش فرما دیئے ہیں اوران کی توضیح وتشریح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب و ہادی برحق سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دی ہے اورارشاد کیا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (سورۃ النحل:۴۴)

چنانچہ جس طرح سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی، دینی احکام یا نظام شریعت کے قوانین کی توضیح وتشریح وتفسیر کرتے ہیں اور ہمارے لئے اساس عمل ہیں۔ اس طرح نظام معیشت کے سلسلہ میں بھی قرآن حکیم نے اصول وکلیات بیان فرما دیئے ہیں جن کی توضیح وتشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال مقدسہ سے ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ اسلام کا نظام معاش بھی اسلامی آئین کی ایک کڑی ہے اور وہ دوسری کڑیوں سے مربوط ہے۔ یہ نظام بھی اسی وقت مثمر خیر و برکات ہوسکتا ہے۔ جب فرد یا اسلامی معاشرہ ایک مخلص اور دیانتدار پیرو اسلام ہونے کی صورت میں ان قوانین کا احترام کرے اوران پر عمل پیرا ہو۔ اسلامی نظام معیشت میں اگر اطلاق کے اعتبار سے کسی کو کہیں خلا نظر آئے تو معاذ اللہ وہ اس قانون کی خامی نہیں ہے بلکہ ہمارے عمل کی کوتاہی کا نتیجہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ روزی دہندہ ہے اس نے روزی کے اسباب ہمارے لئے فراہم کر دیئے ہیں۔ زمین میں ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ ہر جاندار کے لئے رزق کی ذمہ داری رازق حقیقی نے اپنے ذمہ لی ہے۔ ہاں روزی کے حصول کے لئے کوشش کرنا شرط ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

ترجمہ: ''وہ ذات پاک جس نے تمہارے لئے یہ سب کچھ پیدا فرما دیا جو زمین میں ہے۔''

اب انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کوشش کرو کشاورزی میں مصروف رہو یا کسی صنعت کو اپناؤ یا تجارت کرو اس کے اسباب زمین ہی سے پیدا ہوئے ہیں پھر اس کمائی کو کھاؤ پیو لیکن زمین پر فساد پھیلانے والے نہ بن جانا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ○

(سورۃ البقرۃ:٦٠)

ترجمہ: ''کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد اعتدال سے نہ بڑھو۔''

لیکن یہ تاکید فرمادی کہ تمہاری معاش کا ذریعہ وجہ حلال ہو حرام نہ ہو۔

معاشرہ سے عمومی خطاب ہے چونکہ اصلاح معاشرہ مقصود ہے۔''

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○ (سورۃ البقرۃ:١٦٨)

حلال رزق کی تاکید پر تاکید کی گئی۔ مذکورہ بالا آیت کے چند آیات بعد ہی پھر ارشاد کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (سورۃ البقرۃ:١٧٢)

اسی طرح سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا:

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص (سورۃ المائدۃ:٨٧)

اور یہ بھی وضاحت فرمادی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا حرام کیا ہوا حرام ہے اسی طرح تمہارے لئے معاشی نظام لانے والے محترم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حرام کیا ہوا حرام ہے اور جو کچھ انہوں نے حلال کر دیا ہے حلال ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (سورۃ الاعراف ١٥٧)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حلال بناتے ہیں ان کے لئے پاک چیزیں اور خبیث (ناپاک) چیزیں حرام کرتے ہیں۔ بار بار حلال وطیب کی تاکید فرمائی گئی اور حرام وناپاک چیزوں سے روکا گیا۔ معاش کے ان غلط طریقوں سے بھی منع فرمایا گیا جو اسلام کے اصول معاش کے خلاف ہیں۔ اس سلسلہ میں اس کو بے روک ٹوک حصول معاش کی اجازت نہیں ہے کہ جو چاہے طریقہ معاش اختیار کر لے۔ انفرادی معیشت کو بھی قیود اور پابندیوں سے مقید کیا گیا ہے تاکہ نظام معیشت میں خلا پیدا نہ ہو۔ مندرجہ احکام کی روح یہی ہے۔

اسلامی نظام معیشت اور مساوات

اسلامی نظام معیشت میں مساوات کو بہت اہمیت دی گئی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام پر ایک ضرب کاری ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (سورۃ حم سجدہ:۱۰)

ترجمہ: ''اور اس زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس زمین میں فائدہ کی چیزیں رکھیں اور اس کے رہنے والوں کی غذائیں تجویز کیں چار دن میں جو برابر ہیں (طلب معیشت کے لحاظ سے سب حاجت مندوں کے لئے)''

اس مساوات سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ معیشت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ سوء للسائلین ○ سے مراد طلب معاش میں سب کی مساوات ہے یعنی بنی نوع انسان کا ہر فرد دوسرے فرد کی طرح طلب روزی میں برابر ہے جس طرح ایک فرد پر طلب معاش کے دروازے کھلے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فرد پر بھی باب معاش وا ہے۔ بایں ہمہ ضرور ہے کہ وسائل معاش میں بعض کو بعض پر ترجیح اور برتری حاصل ہو۔ یہ امر مساوات حصول معاش ایک بالکل جداگانہ چیز ہے۔

وسائل معاش میں بعض کو بعض پر برتری حاصل ہے

اسلام نے طلب معاش میں مساوات کو قائم رکھا ہے لیکن وسائل معاش کی فراوانی اور مساعی کا انداز جداگانہ ہے۔ اس لئے اس کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ یہ اپنی اپنی ہمت اور تدبیر ہے جتنا چاہے حاصل کرے۔ سمندر میں غواصی سے موتی بھی حاصل کئے جاتے ہیں اور مرجان بھی حاصل ہوتا ہے اور اسی سمندر میں جال پھینک کر مچھلیاں بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ جلب منفعت کے اعتبار سے یہ دونوں کوششیں اور ان کے نتائج یکساں کب ہیں۔ اس امر کی تصریح اور وضاحت اس ارشاد ربانی میں موجود ہیں۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ○ (سورۃ النحل:۷۱)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی، سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں (زیر دستوں) کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہو۔''

غور کیجیے رزق میں بعض کو بعض پر برتری حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی تاکید ہے کہ زیادہ روزی کمانے والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی روزی (رزق) کو اپنے زیردستوں پر لوٹا دیں تا کہ ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں وہ ننگے بھوکے نہ رہیں۔ یہ ارشاد باری ان لوگوں کے تمول اور سرمایہ داری پر ایک کاری ضرب ہے جو غریبوں کو ننگا بھوکا دیکھتے ہیں لیکن ان کے دل نہیں پسیجتے اور وہ ان کو اپنے مال سے متمتع نہیں ہونے دیتے۔ اسلامی معیشت کا یہ اصول اگر اس پر عمل کیا جائے کس قدر صلاح وفلاح کا پیامبر ہے۔ رزق کی اس کمی وبیشی کو قرآن حکیم میں متعدد مقام پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ (سورۃ الرعد:۲۶)

ترجمہ: ''اللہ جس کو چاہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہے (اس کے رزق میں) تنگی کر دیتا ہے۔''

اسی طرح یہ اشعار ہے۔

وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ ج

(سورۃ القصص:۸۲)

ترجمہ: ''اور یوں ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دینے لگتا ہے۔''

یہاں یہ خیال کرنا غلط اور شیطانی وسوسہ ہے کہ اگر مساوات معیشت کو قائم کرنا

مشیت خداوندی ہوتی تو بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی نہیں جاتی۔ ایمان تو اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ امر امور تکوینی سے ہے۔ تشریعی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امر کے مصالح سے واقف و باخبر ہے لیکن دنیائے تمدن کی یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اگر یہ معاشی مساوات ہوتی تو کارگاہ عالم کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا۔ ایک انسان کو ایک لقمہ نان حلق تک پہنچانے کے لئے سینکڑوں کام انجام دینے پڑتے۔ کیا وہ ان اَن گنت کاموں کو بغیر معاونین کے انجام دے سکتا ہے۔ کھیتی باڑی کے لئے آلات کی تیاری، ان آلات سے زمین کو قابلِ کاشت بنانا، بیج بونا، فصل کو پانی دینا، کھیت کاٹنا، غلہ سے بھوسا جدا کرنا، غلہ کا کھلیان لگانا، بازار میں اس کو فروخت کرنا، گندم کا پیسنا، آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا۔ غور کیجئے کہ ایک شخص ان متعدد، متنوعہ کاموں کو کس طرح انجام دے سکتا تھا۔ بیشک یہ ایک انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اب اگر تمام انسان معاش کے اعتبار سے مساوی ہوں تو یہ کم تر درجہ اور ادنیٰ معیار کے کام کون سرانجام دے۔ پس مصلحت خداوندی نے رزق اور معاش میں تفاوت درجات بنا دیئے تاکہ حصول معاش میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ بات بہت واضح اور ایک کھلی حقیقت ہے۔ انہی تفاوت درجات کو اللہ تعالیٰ نے معاش کی فضیلت، برتری اور کمتری سے تعبیر فرمایا ہے اور

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ (النحل ۷۱)

ارشاد کیا ہے اس لئے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حق معیشت اور طلب رزق میں تمام بنی نوع انسان برابر کے حق دار ہیں اور بلا تخصیص یہ فرما دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ

(سورۃ الاعراف۔ ۱۰)

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر بسایا اور اس میں تمہارے لئے روزی کا سامان پیدا کیا۔''

پھر اس سے مستفید اور بہرہ ور ہونے کی اجازت اس طرح مرحمت فرمائی۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝

(سورۃ البقرۃ: ۶۰)

ترجمہ: ”کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد سے مت نکلو فساد کرتے ہوئے“

اس طرح بہرہ اندوزی اور استفادہ کی کھلی اجازت ہے لیکن شر اور فساد سے روکا گیا ہے۔ اس طرح اسلام کے مقرر کردہ معاشی نظام کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہی ایک ایسا نظام ہے جو شر اور فساد سے پاک ہے اور انسان اس پر عمل پیرا ہو کر شر اور فساد سے محفوظ و مامون رہ سکتا ہے۔ درجات معیشت کا یہ فرق لوگوں کے مابین کسی ظلم و تعدی کا محرک نہیں بن سکے گا۔ اگر اسلامی معیشت کے اصولوں کو دیانت اور راستی کے ساتھ اپنایا جائے۔

اسلام نے اپنے نظام معیشت میں اس کا خاص خیال رکھا ہے اور درجات معیشت کے اس تفاوت میں اس کی گنجائش نہیں رکھی ہے کہ ایک فرد کی ترقی دوسرے فرد کی بربادی اور تباہی کا سبب بن سکے۔ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا ہے کہ جماعت کا ایک فرد عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور ایک فقر و فاقہ میں مبتلا ہو۔ زکوٰۃ، صدقات عشر فی اور انفال کا نظام اسی لئے قائم کیا ہے کہ وسائل معاش نہ رکھنے والا فرد معاشرہ میں ننگا اور بھوکا نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام معاش میں ان ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت کو ”اجتماعی نظام معاش“ کے تحت کر دیا جائے کہ کہیں بدعنوانی نہ پیدا ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ بھی تعین کر دیا ہے کہ ان ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت اور آمدنی کہاں کہاں خرچ کی جائے۔ اس سلسلہ میں کلیات قرآن حکیم میں موجود ہیں اور تفصیل احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ یہاں ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

مالدار طبقہ پر واضح کر دیا گیا ہے کہ:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (آل عمران: ۹۲)

ترجمہ: ”تم خیر کامل کبھی نہ حاصل کر سکو گے جب تک اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔“

ایک اور ارشاد ہے جس میں ترغیب وترہیب دونوں موجود ہیں۔ارشاد باری ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

(سورۃ المنافقون:۱۰)

ترجمہ:''اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کو اس سے پہلے ہی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی صفات میں بتایا ہے۔

وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (الذاریت:۱۹)

اکتناز واحتکار

اسلام کے نظام معیشت میں دولت وسرمایہ داری کے وہ طریقے قطعاً ممنوع اور ناقابل قبول ہیں جن سے سرمایہ کو پھیلنے سے روکا جائے اور اس کو اس طرح جمع کرلیا جائے کہ معاشرہ کے دوسرے افراد کو اس کے منافع سے تمتع کا موقع نہ مل سکے۔دولت کو اس طرح جمع کر کے محفوظ رکھنے کا نام اکتناز ہے۔اسی طرح زمینی پیداوار غلہ وغیرہ کو اس خیال سے جمع کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا کہ جب اجناس بازار میں گراں ہوں گی تو اس ذخیرہ کو فروخت کر کے کثیر منافع حاصل کیا جائے گا یہ احتکار ہے۔اکتناز کے لئے شدید وعید ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ (سورۃ التوبۃ ۳۵)

ترجمہ:''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی

پیشانیوں اوران کی کروٹوں اوران کی پیٹھوں کوداغا جائے گا۔ یہ ہے وہ جس کوتم نے اپنے واسطے جمع کررکھا تھا۔ سواب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔''

اس سے زیادہ سخت وعید اور کیا ہوگی۔ اکتناز پر یہ وعید اسی لئے ہے کہ دولت کو پھیلنے اور گردش سے روک کر صاحبانِ کنز و دولت نے معاشرہ کے غریب افراد پر معاش اور روزی کے دروازے بند کردیئے ہیں۔ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ دولت صرف دولت مندوں میں محدود ہوکر رہ جائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ (الحشر: ۷)

ترجمہ: ''تاکہ وہ مال تمہارے مالداروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔''

معاملت اور لین دین

لین دین اور خرید وفروخت ہماری تمدنی اور معاشی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ ایک انسان کو اس سے گریز ناممکن ہے۔

سود:

اسلام کے معاشی نظام پر نظر ڈالئے تو سب سے پہلے آپ یقین کی اس منزل پر پہنچیں گے کہ اسلام نے نظام معیشت کو معاشرہ کے لئے سودمند اور نافع بنانے اور فتنہ وفساد سے پاک رکھنے کے لئے تمام معاملات میں خواہ وہ لین دین ہو یا تجارت ہو یا خرید وفروخت ایسی تمام راہیں مسدود کردی ہیں جن سے محنت اور معیشت کے لئے کی جانے والی جدوجہد بیکار ہوجائے۔ اسلام نے حصول رزق ومعیشت میں جس طرح یہ اہتمام کیا ہے۔ اسی طرح محنت اور سرمایہ کے درمیان ایک ایسا توازن اور اعتدال برقرار رکھا ہے جو سراسر فلاح وصلاح پر مبنی ہے۔ چنانچہ سرمایہ داری کی سب سے بڑی لعنت اور فسادِ معاش کے سرچشمہ یعنی سود کو حرام کردیا ہے جو افزونی دولت کا ایک آسان طریقہ ہے لیکن غریب طبقہ کے لئے نکبت و فلاکت اور تہی دستی کے لئے ایک پیغام ہے جان لیوا پیغام!!

چونکہ سود کی لعنت، معاشیات کے اعتدال اور اس کے مفید توازن کو درہم و برہم

کرنے والی ہے۔اس لئے اسلامی معاشی نظام میں اس کوحرام قرار دیا گیا ہے۔

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (سورۃ البقرہ:۲۷۵)

ترجمہ:''اللہ نے بیع کوحلال قرار دیا اور سود کوحرام۔''

ایک اور ارشاد میں سود کی حرمت کے ساتھ ساتھ خیرات کی ترغیب کے لئے اس کے ثمرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے تاکہ مسلمان سود سے احتراز کرے اور خیرات،صدقات میں اس کا قدم آگے بڑھے جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں توازن و اعتدال از روئے معیشت پیدا ہو اور معاشرہ کے غریب لوگ اس خیر سے بہرہ اندوز ہو کر نکبت وفلاکت سے محفوظ رہیں۔ارشاد ربانی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○ (سورۃ البقرۃ:۲۷۶)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ سود (اور سودی کاروبار) کو مٹاتا ہے اور صدقات،خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناشکرے گنہگار کو معاف نہیں فرماتا ہے۔''

غور کیجئے کہ یہاں سودی کاروبار کی بربادی کی ترہیب کے ساتھ ساتھ ناشکرے گنہگار کا ذکر کیا گیا ہے یعنی سودی کاروبار کرنے والے اللہ کے ناشکر گزار بندے بھی ہیں اور اپنے سودی کاروبار کے اعتبار سے گنہگار بھی۔چاہئے تو یہ تھا کہ فراوانی دولت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے لیکن انہوں نے مزید دولت کی ہوس میں معاشرہ کو فساد وفلاکت میں مبتلا کرنے کے لئے اس دولت سے سودی کاروبار شروع کر دیا حالانکہ اس دولت میں غریبوں کا بھی حصہ تھا۔اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ناشکر گزار اور نافرمان بندے ہو گئے۔

سود کی حرمت میں صرف اخلاقی اصلاح کے محرکات ہی پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ اس میں معاشی مضمرات بھی ہیں۔سود کی بنیاد ظلم اور استحصال پر ہے اور اس کے ذریعے معیشت پر چند افراد کا اقتدار مسلط ہو جاتا ہے جو اسلام کے لئے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔چنانچہ اسلامی قانون میں بڑی شدت سے اس کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کو

قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر تم فلاح دارین کے خواہاں ہو تو اس گھناؤنے اور حرام کاروبار سے باز رہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ آل عمران:۱۳۰)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! سود در سود نہ کھاؤ! (چند در چند بڑھا کر) اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔''

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات گرامی میں سود کی مذمت، اس کے مضرات اور اس کی حرمت کے سلسلہ میں تصریحات موجود ہیں اور اس سے باز رہنے کی تاکید موجود ہے۔

تجارت اور حصول معاش

اس سے قبل اُمم سابقہ کی تاریخ میں مختصراً میں عرض کر چکا ہوں کہ تجارت قدیم الایام میں بھی حصول معاش کا ایک خاص اور اہم ذریعہ ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاش کی بلند و بالا عمارت اس رکن کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ ذریعہ معاش یعنی تجارت انفرادی حیثیت بھی رکھتی ہے اور اجتماعی بھی۔ اسلامی نظام معاش میں افراد معاشرہ کو اس سلسلہ میں بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ کچھ پابندیوں کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے یا کچھ پابندیوں کے ساتھ فرد کو تجارت کی اجازت ہے۔ یہ پابندیاں معاذ اللہ کسی قسم کا جبر و استبداد نہیں ہے بلکہ ان پابندیوں میں معاشرہ کی فوز و فلاح پنہاں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک تاجر جس طرح چاہے من مانی کارروائیوں سے معاشرہ میں اختلال پیدا کرے۔ اس کے لئے سرور کونین ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضابطہ عطا فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ (النساء:۲۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے

مت کھاؤ اگر باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو اس طرح کھا سکتے ہو۔"

تجارتی کاروبار انفرادی ہو یا مشترکہ ان دونوں کے بارے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کثرت سے ہیں کہ ان کی تفصیل اور ان کی جزئیات سے فقہ کی کتابیں معمور ہیں اور کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ معاملات میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تصریحی ہیں اور تاکیدی بھی۔ کتب فقہ میں یہ تصریحات ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔

تجارت اور دیانت

تجارت انفرادی ہو یا مشترکہ اس میں سب سے اہم چیز دیانت ہے جو تجارت کا ایک اساسی رکن اور خاص اصول ہے۔ تجارت میں دیانت سے پہلو تہی کرنے والوں کے لئے سخت وعید ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ (سورۃ المطففین: ۱ تا ۳)

ترجمہ: "بڑی خرابی ہے ان کمی کرنے والوں کے لئے یعنی ان لوگوں کے لئے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا بھر کرلیں اور جب ان کو ناپ کردیں یا تول کر تو گھٹا دیں۔"

اسی طرح تول اور وزن میں کمی کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِ ○ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○ (سورۃ الرحمٰن: ۸، ۹)

ترجمہ: "خبردار تول میں ڈنڈی مت مارنا، اور جو کچھ تول کر دو وہ ٹھیک تولو اور ترازو (تول) میں کمی نہ کرنا۔"

مزید تاکید اس طرح فرمائی گئی۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ○ (سورۃ الشعراء: ۱۸۲)

ترجمہ: ''اور تول کر دو برابر وزن کے ساتھ۔''

اس سلسلہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات گرامی سے صرف دو ارشادات پیش کر رہا ہوں۔

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التاجر صدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے اور امانت دار تاجروں کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی باب البیوع)

(۲) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التجار یحشرون یوم القیمۃ فجارا الامن اتقی و برہ و صدق ۔ (ترمذی)

ترجمہ: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تاجر فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ انہوں نے پرہیز گاری اور سچائی سے کاروبار کیا ہو (ان کے لئے ایسا نہ ہوگا)۔''

تجارت کا میدان بہت وسیع ہے اور اس کے متعدد شعبے ہیں۔ تجارت کے ہر باب میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی ارشادات ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں فقہ اہل سنت اس کی جزئیات اور متعلقہ احکام سے معمور ہے یہاں ان کی تفصیل کا موقع نہیں۔ جس طرح تجارت کی ہر فرد کو اجازت ہے انفرادی شکل میں کرے یا مشارکت میں باہمی رضامندی کے ساتھ! لیکن اس کو ہر ایک چیز کی تجارت کی اجازت اور آزادی نہیں ہے۔ اسلام نے چند اشیاء کی تجارت حرام کر دی ہے اس لئے کہ وہ معاشرہ کے لئے مفاسد کی بناء ہیں۔ شراب، دوسری مسکرات و منشیات، جوا، لاٹری، انشورنس ان میں بیسہ لگانا منع کر دیا گیا ہے اور ان کی تجارت کو 'عقود فاسدہ'' قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ تجارت معاشیات کا سب سے اہم رکن ہے اس لئے شریعت اسلامی میں اس کے بہت زیادہ احکام ہیں اور تجارت کی ہر اس صورت کو منع کر دیا ہے جس میں

لین دین کرنے والوں میں سے کسی فریق کی حق تلفی ہوتی ہو۔ الغرض سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی نظام میں خرابیاں پیدا کرنے والے تمام سوتوں کو بند کر دیا ہے اور جبر و تعدی کی تمام راہیں مسدود کر دی ہیں۔ جہاں نصوص قرآن و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاشرہ کی صلاح و فلاح کے لئے کسب معاش کی ترغیب دی ہے وہاں غلط طریقوں سے حصول معاش پر ترہیب بھی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے اسلام نے حصول معاش کے احکام کلیتہً بیان فرما دیئے ہیں۔

گداگری بھی کسب معاش کی ایک صورت ہے لیکن بہت ذلیل طریقہ ہے۔ معاشرہ اس کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ ایک قوم کے گداگر اس قوم کے ماتھے پر ذلت و رسوائی کا بدنما داغ ہیں۔ اسلام نے حصول معاش کے اس طریقہ کو بھی ناپسند کیا ہے اور اس کے انسداد کی تدابیر بھی کی ہیں۔ صدقات و خیرات کی ترغیب اسی لئے دی گئی ہے کہ ضرورت مندوں کی ضرورتیں اس مالی تعاون سے پوری ہو جائیں اور نادار افراد کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح ان پیشوں سے بھی کسب معاش کی ممانعت کی گئی ہے جن سے فواحش اور بد اخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی صراحت میں اس سے قبل کر چکا ہوں۔ گداگری اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات موجود ہیں۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں:

> تمہارے لئے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس بات کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرہ پر سوال کے داغ لئے ہوئے آؤ۔" (ابوداؤد)

الغرض اسلامی نظام معاش میں جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عطا فرمایا معاش کے تمام پسندیدہ اور مفید معاشرہ طریقوں کو اپنانے اور مفسد طریقوں سے بچنے کے احکام موجود ہیں۔ معاشی مساوات کے لئے بیش از بیش ذرائع کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال کا نظام قائم کر کے غریب اور نادار مسلمانوں کی کار برآری اور جو کشود کا فرمائی ہے۔ دنیا کے کسی نظام میں اس کی مثال

موجود نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، عشر فی، صدقات، سے حاصل ہونے والی آمدنی کو غریبوں اور ناداروں پر صرف فرما کر ان کو نکبت اور فلاکت کی پستی سے نکال کر معاشی اعتبار سے اس منزل پر پہنچا دیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ زکوٰۃ دینے کے لئے مستحق شخص کو تلاش کیا جاتا تھا اور وہ نہیں ملتا تھا۔ اس طرح آپ نے عملی طریقہ سے اپنے اس ارشاد گرامی کی توثیق فرما دی کہ:۔

ابن آدم کا یہ بنیادی حق ہے کہ اس کے لئے ایک مکان ہو جس میں وہ رہ سکے کپڑا ہو جس سے وہ اپنا تن ڈھانک سکے، کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی.........(ترمذی)

یہ تمام حقائق ثابت کرتے ہیں کہ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کا معاشی نظام بھی اس کے سیاسی و معاشرتی نظام کی طرح ایمانیات و اخلاقیات کا جامع اور بنی نوع انسان کی خیر و فلاح پر مبنی ہے اور وہ نہ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا دستور العمل ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک فلاحی دستور ہے جو اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کی دلیل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کافۃ الناس کی اس رہبری کا جامع اور کامل مصداق ہے جس کا باری تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ سبا:۲۸)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فلاحی نظام معیشت پر جو رسول برحق ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عطا فرمایا قرار واقعی طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

اسلام کا نظام اخلاق

فرداو اس کی ہیئت اجتماعیہ یعنی قوم کی ذہنی تربیت اور عملی تہذیب وشائستگی اور معاشرے میں ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لئے فلسفہ نظام حیات میں تہذیب اخلاق کوایک اہم مقام حاصل ہے۔تہذیب اخلاق کا دوسرا نام فضائل اخلاق ہے اس کا دائرہ اثر فرد سے شروع ہوکر اپنی وسعتوں کے اعتبار سے سیاست مدن سے مل جاتا ہے اوران ہی ارکان سہ گانہ یعنی تدبیر منزل، سیاست مدن اورتہذیب اخلاق پر فلسفہ نظری کی شاندار اور وقیع عمارت قائم ہے اور یہ سب کچھ محسن انسانیت، معلم اخلاق، سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات اورآپ کی عملی زندگی سے مستنبط ہے جوحکمت الٰہیہ کی تفسیر وتوضیح ہےاوراللہ تعالیٰ نے اسی کوحکمت کے مہتم بالشان اسم سے مسمیٰ فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ (سورۃ البقرۃ:۲۶۹)

اسلام کے نظام اخلاق میں نہ صرف فرد کی فوز وفلاح مضمر ہے بلکہ پورے معاشرے کی صلاح وفلاح اس میں پنہاں ہے۔اسی فوز وفلاح کے معیار نے اخلاق کو فضائل اخلاق اور رذایل اخلاق میں تقسیم کیا ہے۔ اخلاق، تعلیم وتربیت، تجربات و محرکات سے اثر پذیر ہوتے ہیں اوران میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن یہی عادتیں یعنی اخلاق، ممارست ومزاولت سے جب ملکہ بن جاتے ہیں تو پھر وہ اس تغیر وتبدل سے محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔بعض غیر مسلم محققین اخلاق کا خیال ہے کہ خلق پر اثر انداز ہونے والے دو محرکات بہت اہم ہیں یعنی زمان ومکان، لیکن اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

یہ زمان ومکان ایک مسلمان کے اخلاق پر اثر انداز نہیں ہوتے اس لئے کہ اس

سلسلے میں زمان ومکان اس کے ایمان کے بموجب مؤثر نہیں ہیں بلکہ حکم الٰہی اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کی اچھائی اور برائی کا معیار ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں اور اس کے عمل کے دائرے میں وہی اخلاق اچھے ہیں اور فضائل اخلاق میں داخل ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور جن عادات و اطوار یعنی اخلاق کی مذمت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے وہ ان کو رذائل اخلاق میں شمار کرتا ہے اور ان کو رذائل جاننا اس کے ایمان میں داخل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان ہی اخلاق کے حسن وقبح کا سب سے بہترین معیار ہے۔ یہ نہیں کہ اسلام نے اخلاق کے فضائل ورذائل میں ان کے حقیقی حسن وقبح کو پیش نظر نہیں رکھا ہے اور مصلحت سے کام لیا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ ہر خلق حسن اپنے اندر افادیت رکھتا ہے اس سے فرد کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور جماعت ومعاشرے کو بھی، یہ اور بات ہے کہ حرص وہوا ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیں اور ہم حسن کو قبح اور قبح کو حسن کہنے لگیں ونہ حقیقت کی نظر سے جب دیکھا جائے گا تو فضائل اخلاق فرد اور جماعت دونوں کے لئے مثمر خیر وبرکات ہیں اور رذائل اخلاق اسی طرح معاشرے میں یا فرد میں بدی اور برائی کے قبیح نتائج پیدا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اسلام کی نظر میں اخلاق کا حسن وقبح ایک اضافی یا نسبتی وصف نہیں ہے۔ تمام اخلاق فضائل جس طرح عرب کے ریگزار خطوں میں اور غیر متمدن طبقوں میں خیر و برکات کے نتائج بدیہی پیدا کرتے ہیں اسی طرح ترقی یافتہ اور متمدن معاشرے میں بھی نتائج حسن کے اعتبار سے ان میں کچھ فرق نہیں آتا جس طرح آج سے چودہ سو برس پہلے اخلاق حسن ''حسن'' تھے۔ آج بھی اسی طرح ان کی پاکیزگی اور تقدیس یا نفع بخشی میں کچھ فرق نہیں آیا ہے البتہ بسا اوقات محل استعمال یا مورد کے لحاظ سے وہ مثمر خیر نہ ہوں لیکن اس میں قصور اس مورد یا محل کی صلاحیت کا ہے اخلاق کی پاکیزگی، ان کا حسن ہونا اور خوب ہونا بہر صورت قائم ہے۔ سخاوت ایک خلق خوب یا فضیلت ہے لیکن جب آپ

ایک عادی سائل یا فقیر کے ساتھ اس خلق حسن کو کام میں لاتے ہیں لیکن اس کے باوصف آپ کی سخاوت گدا کو گداگری سے باز نہیں رکھتی تو اس سے سخاوت کے حسن ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اس سخاوت کا مورد ناقص تھا جس کے باعث آپ کی سخاوت کے اچھے نتائج مرتب نہیں ہوئے۔ سخاوت کا شرف تو اسی طرح قائم ہے۔ بس ایسی صورت میں ذاتی تجربے یا عمومی تجربے کی بنا پر آپ اپنے خلق حسن کے مورد کو بدل دیجئے اور ایسا موردِ محل تلاش کیجئے جہاں اچھے نتائج اخذ ہونے کا وثوق ہو۔

اسلام سے قبل برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا تھا اور اس کو ایک عمل حسن کہا جاتا تھا لیکن اسلام نے اس کی مذمت کی اور اس کو ایک عمل قبیح قرار دیا محض اس لئے کہ وہ بے حیائی تھی اور خلق عفت کے منافی تھا۔ آج بعض ترقی یافتہ ملکوں میں شبانہ تفریحی مجلسوں (نائٹ کلب) میں عریاں رقص کیا جاتا ہے۔ عریانی کی حالت میں بڑے فخر کے ساتھ تصاویر کھنچوائی جاتی ہیں اور ان کی نظر میں یہ کوئی فعل قبیح نہیں ہے لیکن ان کے ایسا سمجھنے سے اس کی قباحت اور برائی خوبی سے نہیں بدلی، جس طرح پہلے یہ عمل منافی عفت تھا۔ اسی طرح آج بھی ہے۔ اس قبیل کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

زمان و مکان کی نسبت سے اخلاق کے حسن و قبح کو آج بھی بعض معاشروں میں پرکھا جاتا ہے لیکن یہ وہ معاشرے اور مذاہب ہیں جو الہامی مذاہب نہیں ہیں بلکہ انسان کے ساختہ پرداختہ نظام ہائے زندگانی ہیں جن کو مذاہب کا نام دے دیا گیا ہے الہامی مذاہب صرف موسوی، عیسوی اور اسلام کہے جاسکتے ہیں لیکن یہودیت اور نصرانیت کی اصل صورت (یا الہامی صورت) خود مطلبی اور خود غرضی کی بنا پر اس کے پیروؤں نے بری طرح مسخ کردی ہے جس کے باعث ان کا الہامی نظام اخلاق بھی کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ آج یہودیت اور عیسائیت میں جو رذائل اخلاق پیدا ہو گئے ہیں یہ ان مذاہب کے متبعین کی پیشانی پر بدنما داغ سہی لیکن ان کی عیش کوش طبائع کو اس کی پروا نہیں۔ ان کا مذہب بدنام ہوتا ہے تو ہو وہ اپنی عیش و عشرت کی زندگی میں اصل تعلیمات کی پیروی

کر کے کیوں خلا پیدا کریں۔

تفو، برتو اے چرخِ گرداں! تفو!!

میں یہ بات سرسری طور پر نہیں بلکہ غور و فکر اور زبردست شواہد کے بعد آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ ادیان عالم میں صرف اسلام کا نظام اخلاق ہی ایسا نظام ہے جس میں اخلاقی قدریں، و اخلاقی خوبیاں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب و تاکید اور رذائل اخلاق کی تشریح اس سے اجتناب کے احکام اور ترہیب اور ان کے اچھے برے ہونے کا معیار آج بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح آج سے چودہ سو برس پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کی فوز و فلاح کے لئے قائم فرمایا تھا، اور فضائل اخلاق پر عمل فرما کر درس اخلاق دیا تھا۔ ایک معلم اخلاق کا اخلاقی درس اسی وقت اثر آفریں ہو سکتا ہے جبکہ اس معلم اخلاق کی خود اپنی زندگی ان اخلاق فاضلہ کی عملی تشکیل ہو اور جن رذائل سے وہ روک رہا ہے اس کی ذات گرامی ان سے پاک و صاف اور مجتنب ہو۔

فلسفہ اخلاق میں معلم اخلاق کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی اخلاقی تعلیم میں اثر بھی ہو، اگر دوسرے اس کی اخلاقی تعلیمات سے متاثر نہیں ہوتے ہیں تو یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اخلاق کی تعلیم دینے والی اس شخصیت کے اخلاق خود درجہ کمال کو نہیں پہنچے ہیں۔

سرورِ کونین، معلم اخلاق و رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ اخلاقی پر خالق کون و مکان کی یہ واضح تصدیق موجود ہے۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (سورۃ القلم:۴)

ترجمہ: ''بیشک آپ (اے محمد) اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں۔''

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں خود بھی ارشاد فرمایا ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

یعنی میری بعثت کی غرض و غایت یہ ہے کہ میں مکارم اخلاق کو درجۂ تمام و کمال پر

پہنچاؤں۔

اس تصدیق وتائید کے بعد یہ شبہ خود بخود زائل ہو جاتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقی کمالات کا ایک پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کی اثر آفرینی کی بھی تصدیق اس طرح فرمائی ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(سورۃ الجمعہ:۲)

یعنی یہ بتا دیا گیا کہ محسن انسانیت، ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ خدا کے احکام سناتا ہے اور اپنے پیکر بے مثالی کے فیض واثر سے ان کو پاک وصاف بھی بنا دیتا ہے۔ بداخلاقیوں کی کثافت سے ان کو پاک کرتا ہے، کفر وطغیان کی نجاستوں سے ان کی تطہیر کرتا ہے۔

تاریخ اسلام کے صفحات ان واقعات سے معمور ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آن کی آن میں صرف اپنے اخلاقی کمال سے تباہ حالوں کو سنوارا، بھٹکنے والوں کو سیدھے راستہ پر ڈال دیا۔ کفر کی ظلمت کے گرفتاروں کو حق کی روشنی سے آشنا کیا جو ناقص تھے ان کو کامل بنایا جو خطاکار تھے وہ نیکی کا پیکر بن گئے جو بصیرت سے محروم تھے ان کو بصیرت عطا فرمائی۔ دلوں کے اندھے آئینوں کی اس طرح صیقل کی کہ نور ایمان سے جگمگا اٹھے۔ یہ سب کچھ آپ کے اخلاق کا فیضان تاثر ہی تو تھا کہ قوم عرب جو بداخلاقیوں کے پست ترین نقطہ پر پہنچ چکی تھی اس کے مردہ ضمیر کو اس طرح حیاتِ نو بخشی کہ وہی قوم اخلاق کی بلندیوں پر پہنچ گئی اور اسی مردہ قوم کے افراد خود دوسری مردہ قوموں کے لئے مسیحا نفس بن گئے۔

اس اثر آفرینی کا کمال تو دیکھئے کہ اثر پذیر ہونے والے افراد کی رنگ ویکساں طبائع کے مالک نہیں تھے بلکہ مختلف الطبائع تھے اور ان متضاد ومختلف طبائع رکھنے والے افراد کو معلم اخلاق نے اس طرح درسِ اخلاق دیا کہ درس تربیت سے جو کوئی وابستہ ہوا بہت کم

مدت میں وہ فضائل اخلاق کا جامع بن کر اٹھا۔ یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں اس کی تفصیل پیش کروں۔ آپ کے فیض تربیت سے بہرہ اندوز ہونے والے متعدد اصحاب ہیں۔ حضرت ابوبکر عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی درس گاہ میں عادلانہ حکمرانی کے اصول سیکھے، حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم نے قناعت و خاکساری اور تواضع کا درس مکمل کیا۔ اصحاب صفہ کی جماعت میں وہ لوگ آپ کو نظر آئیں گے جو زہد و ورع کی دنیا کے فرمانروا ہیں۔ اسی درس گاہ اخلاق سے حضرت ابن مسعود، ابن عباس، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم محدث وفقیہہ کامل بن کر اٹھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بڑی جامع کمالات تھی۔ آپ ایک صاحب منزل، ایک باپ، ایک شوہر، ایک تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک واعظ، ایک خطیب، ایک مرشد، ایک معلم اور ایک زاہد و عابد کی تمام خوبیوں اور اس نوع کے تمام کمالات سے آراستہ تھے۔ ان عنوانات سے کسی ایک عنوان اور نوع کے تحت آپ کی شخصیت پر نظر ڈالئے، کہیں بھی آپ کو خلا نظر نہیں آئے گا۔

حضرت زینب و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما آپ کو بتائیں گی کہ آپ کیسے شفیق باپ تھے۔ حضرت خدیجہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما اور دیگر ازواج مطہرات سے تصدیق کیجئے کہ آپ کیسے بلند پایہ شوہر تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی آپ کو بتائیں گی کہ آپ کیسے امانت دار، معاملہ فہم اور باوقار تاجر تھے۔ اپنے تو اپنے ٹھہرے خیبر کے یہودیوں سے پوچھئے کہ ایک حاکم کی حیثیت سے آپ کی کیا شان تھی۔ غزوات کی تاریخ میں آپ کی سپہ سالارانہ شان پر نظر ڈالتے، جنگی تدبر اور فراست عسکری آپ کے قدم چومتے آپ کو نظر آئیں گے۔ حدود شرعی اور فصل قضایا کے لمحات میں آپ کی دُور بینی، قضاوت کی گہرائیوں کا مشاہدہ کیجئے، ان تمام کمالات کی جامعیت کے آئینے میں آپ کی پیغمبرانہ شان کا مشاہدہ کیجئے آپ کو نظر آئے گا کہ ایک آفتاب صداقت ہے جس کی ضیاء باریوں سے غریب و امیر، آقا اور غلام، جوان اور بوڑھے اپنے اپنے ظرف کے

مطابق یکساں طور پر ضیاء اندوز ہو رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہی خواہش لے کر بار یابِ خدمت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس آفتاب صداقت کا پرتو میرے آئینہ قلب پر پرتو فگن ہو۔ اس مشاہدہ سے فہم وادراک پر ایک حیرانی مسلط ہو جاتی ہے اور زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کتاب کا موضوع فلسفہ اخلاق نہیں ہے اور نہ ان صفحات میں اتنی گنجائش ہے کہ اخلاقی قوانین کی حقیقت، ان کی اصل اور ان کے اصل ماخذ پر کچھ لکھا جائے۔ یہ موضوع بڑا ابحث طلب ہے اور بہت سے اختلافات کا مورد بنا رہا ہے۔ اس راہ میں متعدد نظریئے قائم ہوئے ہیں اور ہر گروہ نے اپنے نظریہ کی تائید میں دلائل ومباحث کا ایک طومار پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمان کا نظریہ صرف یہی ہے کہ یہ قوانین اخلاق، وحی والہام سے ماخوذ ہیں اور ان کی اثر آفرینی کی تاریخ اس یقین پر شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطرت میں ان کو ودیعت رکھا ہے۔ یہ فطری قوت تحریک اور ماحول سے متاثر ہو کر اپنے اظہار کے لئے راہ نکال لیتی ہے یعنی اگر عمل نہیں تو اخلاقی قوت اسی طرح فطرت کے پردے میں روپوش رہے گی گویا عمل اخلاق کے لئے وہی حکم رکھتا ہے جو روح کے لئے جسد یا مادہ کے لئے ہیولیٰ۔

اسلام کی نظر میں کسی فطرت میں اخلاق کی ودیعت، اخلاق کا کمال نہیں ہے بلکہ یہ وجہ کمال اس وقت بن سکتا ہے جب اس کو قوتِ محرکہ باطن سے ظہور میں لائے چنانچہ معلم اخلاق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فطرت انسانی کی اس امانت کو ظہور میں لانے کے صحیح طریقے بتائے اور خود ان راہوں پر چل کر دکھایا اور اس وقت اس حاسہ اخلاقی کے معاشرتی، اجتماعی اور تمدنی فوائد نظروں کے سامنے آ گئے یعنی اس ودیعت، اس وجدان اور اخلاقی حاسہ کو جب بیرونی تحریک سے حرکت ہوئی اور اس کا جمود ٹوٹا تو وہ حاسہ قوۃ کے پردے سے نکل کر عمل میں آ گیا۔

اسلامی اخلاقیات میں یعنی اسلام کے اخلاقی نظریہ میں ہر خلق صرف ضمیر کی آواز نہیں ہے (جیسا کہ بعض غیر مسلم محققین اخلاقیات کا نظریہ ہے) بلکہ وہ خدا کا حکم ہے اس نے جس حاسہ کو برا قرار دیا ہے وہ برا ہے ہم اس کو برا سمجھتے ہیں اور اس کے غلط اور برے نتائج کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور حکم الٰہی نے جس حاسہ کو اچھا قرار دیا ہے وہ اچھا ہے۔ اس کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اور اس کے مفید اور اچھے نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہم اس کی عملی صورت میں خداوند تعالیٰ کا حکم بجالاتے ہیں۔

اخلاق کا ماخذ حکم خداوندی کو سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا عبادت ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اگر کسی نیک کام کی بجا آوری کو حکم خداوندی کے بجائے صرف اپنے ضمیر کی آواز سمجھ کر یا حصول مسرت یا تقاضائے وجدان خیال کر کے دوسروں کے فائدے کے لئے انجام دینا، اسلام کی نظر میں تزکیہ نفس و روح کا ذریعہ یا موجب ثواب نہیں بن سکتا وہ موجب ثواب مثمر اجر اس وقت ہوگا جب اس کو حکم خداوندی سمجھ کر کیا جائے گا۔

بارگاہِ ایزدی سے اس سلسلے میں یہ تنبیہہ موجود ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ (سورۃ البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: ''مومنو! اپنے صدقات اور خیرات، احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کے دکھانے کو مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر یقین نہیں رکھتا سو اس کے مال کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر دے۔ اسی طرح یہ ریاکار لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں

گے۔

اسی کے ساتھ عمل صالح میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اگر پیش نظر ہے تو ان کے لئے یہ نوید ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ

(سورۃ البقرۃ:۲۶۵)

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو جب اس پر مینہ پڑے تو دوگنا پھل لائے۔''

یہ تھا ''اخلاقی اعمال'' کا ضابطہ اور قرآنی نظریہ، اسی ضابطہ کی توضیح نہایت واضح اور جامع طور پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں موجود ہے:

انما الاعمال بالنیات و انما لامری مانوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امراة ینکحها فهجرته الی ماها جر الیه

...... (صحیح بخاری)

ترجمہ: ''جتنے ثواب کے کام ہیں وہ نیت ہی سے ٹھیک ہوتے ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے پھر جس نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اس کام کے لئے ہوگی۔''

جس طرح اسلامی عبادات کا ہر قسم کی دنیاوی اغراض، نفسانی اور ذاتی واسطوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ایسی عبادت بارگاہ الٰہی میں بطور عبادت قبول نہیں ہے۔ اسی طرح محسن انسانیت اور معلم اخلاق نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ عبادات کی طرح تمہارے اخلاق بھی دنیاوی اغراض سے پاک ہونا چاہئے اگر ایسا نہیں تو وہ مثمر ثواب و مقبول بارگاہ ایزدی نہیں ہوں گے۔ قرآنی احکام اور حدیث گرامی اس سلسلہ میں آپ کی

نظر سے گزر چکی۔

ہم کو قلب کی اندرونی کیفیت اور حاسہ کی درستی کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے جو ہمارے دل کی نگران ہے اور ہمارا معمولی سا معمولی عمل یا ہمارے کسی عضو کی حرکت اس سے پنہاں نہیں ہے۔ اس صورت میں انسان سے جو نیک عمل سرزد ہوگا وہ ایمان کی روشنی میں سرزد ہوگا۔ انسان جب تک خود کو اس ارفع و اعلیٰ ہستی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھے گا جو اس کے اعمال کی جزا و سزا پر قادر ہے اور ایک دن اسے اس کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ جب یہ اعتقاد قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو پھر اخلاق میں ریا کا شائبہ نہیں رہتا۔

اسی ایقان و ایمان سے حسن نیت پیدا ہوتا ہے پھر بندے کا ہر عمل صالح اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کرتا ہے۔ ان پر اپنا مال خرچ کرتا ہے نہ احسان جتاتا ہے اور نہ شکر کا خواہاں ہوتا ہے۔ بس وہ اتنا ہی کہنا کافی سمجھتا ہے۔

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (سورۃ الدھر:۹)

اسلامی نظریہ اخلاق کا یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جس نے اسلام کے اصلاحی عمل کو تندرو بنا دیا اور دعوت اسلام اس سرعت سے دلوں میں جاگزیں ہوئی کہ فتح مکہ کے وقت انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے مصلح اعظم کی قیادت میں رواں دواں تھا۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق کا معیار تمیز

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے قلب میں ایک ایسی فطری صلاحیت پیدا فرما دی ہے جس کے ذریعہ وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر لیتا ہے لیکن برے ماحول، بری صحبت سے اور احکام الٰہی سے شومیٔ قسمت کے باعث اعراض کرتے کرتے یہ زندہ احساس مردہ ہو جاتا ہے۔ جب بار بار وہ ضمیر کی اس آواز کو دباتا چلا جاتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے جو احساس اور ذہنی اذیت پیش آتی ہے وہ یکسر دب کر رہ جاتی ہے

گویا معیار تمیز کا شیشہ بار بار کی شناعت اور آلودگی گناہ سے چکنا چور ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس عمل صالح کے ارتکاب سے جو روحانی خوشی، ذہنی اہتزاز میسر آتا ہے وہ بھی اسی احساس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس طرح قدرت نے نیکی اور بدی کے راستوں کی نشاندہی فرما دی اور انجام سے بھی آگاہ فرما دیا۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ ''یہ دونوں راستے اس کو دکھا دیئے ہیں۔''

اور انسان کو اس سے باخبر کر دیا کہ

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا۝ (سورۃ الشمس: ۸)

ترجمہ: ''ہم نے ہر نفس میں نیکی و بدی الہام کر دی ہے۔''

یعنی نیکی اور بدی کا معیار انسان کا نفس یعنی اس کا ضمیر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں حضرت وابصہ بن معبدؓ سے اس طرح فرمایا جبکہ وہ نیکی اور بدی کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تھے۔

''اے وابصہؓ اپنے دل سے پوچھا کر، اپنے نفس سے فتویٰ لیا کر، نیکی وہ ہے جس سے دل میں اور نفس میں طمانیت پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے (دل میں کھٹک پیدا ہو) اور نفس کو تردد میں ڈال دے، خواہ لوگ تجھے اس کا کرنا روا ہی کیوں نہ بتائیں۔''

---------------(مسند امام حنبل)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حاسہ یا ضمیر کے ادراک واحساس کی کس قدر جامع طریقہ پر توضیح فرمائی ہے۔

فضائل کا سرچشمہ

فضائل اخلاق میں چار فضیلتیں تمام فضائل کا سرچشمہ ہیں یعنی

حکمت، عفت، شجاعت، عدالت

ان چاروں فضائل کے تحت متعدد انواع ہیں۔ ہر خلق کے طرفین ہیں ایک افراط

دوسرا تفریط اور اس کا اعتدال فضیلت خلق ہے۔ افراط وتفریط کے یہ دونوں پہلو شرف انسانیت اور اس کے کمال کے لئے مضرت رساں ہیں۔ وہ مضرت انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ ان دونوں جہتوں یا طرفین کو منافی اخلاق کہا گیا ہے اور وہ رذائل میں شامل ہیں یعنی کسی خلق کے دونوں رخ خواہ وہ افراط ہو یا تفریط دونوں رخ فضیلت کے منافی ہیں۔

تمام اولوالعزم پیغمبروں (علیہم السلام) نے جو بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے الہامی اور بذریعہ وحی عطا ہونے والی تعلیمات لے کر دنیا میں تشریف لائے اور تمام حکماء فلاسفر اور دانشوروں نے واضح طور پر یہ بتایا ہے کہ کسی خلق کی حالت اعتدال کا نام فضیلت خلق ہے اور ان ہی احوالِ اعتدال کو فضائل اخلاق، صراطِ مستقیم اور سواء السبیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انسان میں قوتِ غضب بھی ہے اور قوتِ شہوت بھی اس کی جبلت اور سرشت میں موجود ہے، عفت اور عدالت بھی اس کا مایۂ ضمیر ہے جب وہ ان قوتوں کو اعتدال پر رکھتا ہے تو اس کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اگر ان قوتوں میں افراط وتفریط رونما ہوتی ہے تو ان کو فضائل اخلاق کے بجائے رذائل سے تعبیر کیا جاتا ہے ان قوتوں کی حالت افراط و تفریط کو اس طرح موسوم کیا گیا ہے۔

تفریط	اعتدال	افراط
بلہ	حکمت	کرپنری (چالاکی)
جمود	عفت	شرہ
جبن	شجاعت	تہور
مظلومیت	عدالت	ظلم

عفت، شجاعت اور عدالت کے امتزاج اعتدال سے وہ فضیلت پیدا ہوتی ہے جس کو لسانِ شریعت میں ''حکمت'' کہا گیا ہے۔ ان اجناس فضیلت میں ہر جنس فضیلت کے

تحت متعدد انواع ہیں۔ ان انواع سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔ سب سے پہلے فضیلت حکمت کو لیجئے، اس کے تحت مشہور انواع یہ ہیں۔

انواع حکمت

حکمت کے یہ سات انواع مشہور ہیں۔

ذکا (ذکاوت)، سرعت فہم، صفائے ذہن، سہولت تعلم، حسن تعقل، تحفظ اور تذکر

انواعِ شجاعت

جنس شجاعت کے تحت گیارہ انواع ہیں۔

کبر نفس (احترام ذات جس کو علامہ اقبالؒ نے خودی سے تعبیر کیا ہے) نجدت، علو ہمت، ثبات، حلم، سکون، شہامت، تحمل، تواضع (جو کبر نفس کے خلاف نہ ہو)، حمیت، رقت

جنس عفت

جنس عفت کے تحت بارہ انواع ہیں۔ ان میں اوّل حیا ہے پھر رفق، حسن ہدی، مسالمت، دعت (یعنی شہوت کے وقت نفس کا سکوت) صبر، قناعت، وقار، ورع، انتظام (اندازہ امور دنیاوی) حریت، سخا

جنس عدالت

عدالت کے تحت بھی بارہ انواع ہیں یعنی صداقت، اُلفت، وفا، شفقت، صلہ رحم، مکافات، حسن شرکت، حسن قضا، (درست فیصلہ کا صدور) تودد، تسلیم، توکل اور عبادت

اس نکتہ پر پہنچ کر یہ ضروری ہوا کہ تمام اجناس فضائل کے تحت جس قدر بھی انواع ہیں ان کی تعریف کر دی جائے۔ خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اب میں جنس حکمت کی انواع کی مختصراً تعریف پیش کرتا ہوں تاکہ قاری کو یہ اندازہ ہو سکے کہ حکمت کا لفظ کس قدر جامع ہے اور اس کی انواع میں کس قدر وسعت ہے کہ علم اخلاق اس حکمت کا

زائد کو استعمال میں لائے!

تحفظ:

صور معقولہ یا محسوسہ کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھنا تحفظ ہے گویا یہ ایک ایسا ملکہ ہے کہ ان محفوظات کو جب چاہے بغیر کسی کلفت کے ان کا استحضار کر سکے۔

اب آیئے فضیلت شجاعت کی طرف جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس جنس فضیلت کے تحت گیارہ انواع ہیں۔ ان میں سب سے اوّل کبر نفس ہے یعنی نفس، مدح، ذم اور فقر وغنا سے متاثر نہ ہو ہر حال میں یکساں رہے اور ماحول کے انقلاب وتبدیلیوں سے اس کے اندر تبدل، انتقال، تاثر اور انفعال پیدا نہ ہو اور یہ ایک ایسا ملکہ شریف ہے کہ اس تک رسائی بہت دشوار ہے۔ سوائے اصحاب کاملین انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے دوسروں کا اس منزل تک پہنچنا دشوار ہے۔

نجدت:

یہ نفس کا وثوق ہے اپنے ثبات پر مبنی، یعنی مشکلات اور دشواریوں کے وقت یا مصائب سے دوچار ہونے کی صورت میں نفس جزع وفزع نہ کرے اور بے قراری و اضطراب کا اس سے صدور نہ ہو۔

علو ہمت:

علو ہمت یہ ہے کہ نفس کو اصل حقیقی کی طلب اور کمالِ نفسانی کے حصول میں اس دنیا کا نفع ونقصان ملحوظ خاطر نہ رہے اور نفع ونقصان اس راہ میں اس کے مانع نہ ہوں تا کہ ان کے حصول یا محرومی سے شادمانی اور غمگینی کے اثرات سے متاثر نہ ہو، یہاں تک کہ موت کا خوف بھی اس کے دل سے نکل جائے۔

ثبات:

رنج وآلام سے مقاومت ومقابلہ کی قوت کا نام ہے، ان کی زیادتی سے متاثر نہ ہو اور شکستگی حال اس کے وجدان میں کامیاب نہ ہو سکے!

حلم:

اس طمانیت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان جلد یا بدیر ہی نہیں بلکہ مطلقاً غضب سے مغلوب نہ ہو۔

سکون:

سکون، شجاعت کی وہ نوع ہے جو خصومت یا محاربات میں (جنگ و جدل) جو حرمت دین، ملک وملت کے تحفظ اپنی عزت نفس کی مدافعت کے لئے ضرورتاً درپیش آئے تو اس وقت بے قراری اور خفت کا اظہار نہ کرے۔

شہامت:

شہامت یہ ہے کہ انسان اپنے ذکر جمیل اور اجر جزیل کی ذخیرہ اندوزی کے لئے اہم اور امور عظام کی تحصیل پر پیش قدمی کرے جس کے ذریعہ وہ اجر جزیل کا حقدار قرار پائے یا اس کے نام کی شہرت ہو۔

تحمل:

فضائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے اکتساب میں نفس آلاتِ بدنی اور قوائے جسمانی کو استعمال میں لائے اور ان کے استعمال پر مشاق اور چابکدست ہو جائے۔

تواضع:

یہ ایسا ملکہ ہے کہ جب یہ انسان میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان اپنے آپ کو ایسے لوگوں پر جو جاہ ومال میں اس سے فروتر ہیں کوئی بڑائی نہیں جتاتا ان پر برتری کا اظہار نہیں کرتا۔ گویا یہ ملکہ افراد انسانی میں سرمایہ اشتراک ہے اس سے وحدت اصل اور قربت جبلی کا اظہار ہوتا ہے۔

حمیت:

حمیت یہ ہے کہ ملت وقوم اور دین کی حفاظت میں ان چیزوں کے دفع کرنے میں

جو دین وملت کو نقصان پہنچانے والی ہیں سستی کا اظہار نہ کرے اور اس میں کسل اور کاہلی کو روا نہ رکھے۔

رقت:

اپنے ابنائے جنس (انسان) کے مبتلائے رنج والم ہونے پر متاثر ہونا رقت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس مشاہدے سے اس کے اندر ایسا اضطراب پیدا نہ ہو جس کو دوسرے مشاہدہ کر سکیں۔

جنس عفت کے تحت گیارہ انواع ہیں۔ ان میں سب سے اوّل حیا ہے جس کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ الحیاء شطر الایمان۔

حیا:

حیا کے معنی یہ ہیں کہ نفس جب کسی امر قبیح کی قباحت سے آگاہ ہو جائے تو اس کے ارتکاب سے باز رہے تاکہ وہ مذمت کا مورد نہ بن سکے! اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''الحیاء خیر کلہ'' حیا خیر کل ہے۔

رفق:

وہ امور جو بطور احسان اور تبرع انسان میں پیدا ہوں نفس کا ان امور کا مطیع بن جانا رفق ہے۔

حسن ہدیٰ:

اپنی ذات کو کمالات سے آراستہ کرنے کی جانب نفس کا کامل طور پر راغب ہونا، حسن ہدیٰ ہے۔

مسالمت:

کسی معاملہ یا بحث پر مختلف آراء اور متضاد نظریات وخیالات کے تصادم کے موقع پر ان تمام آراء کو برداشت کر لینا اور سکون وطمانیت کے ساتھ ان کو سننا، یہ نہیں

کہ اپنی رائے کے خلاف کوئی رائے سن کر غصہ سے بگڑ جانا یہ مسالمت کے منافی ہے۔

دعت:

حرکت شہوت (تحریک خواہشات) کے وقت نفس کا پرسکون ہونا اور اس سے متاثر نہ ہونا۔

صبر:

نفس کا ہوا و خواہش سے اس طرح مقابلہ کرنا کہ اس کی مزاولت سے لذت قبیحہ کا اس سے آئندہ صدور نہ ہو یہی ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى بعض حضرات نے صبر کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک مطلوب سے صبر اور دوسری قسم مکروہ پر صبر جو قوت غضبی کے اعتدال کے تحت آتا ہے۔

قناعت:

نفس کا کھانے پینے کی اشیاء لباس وغیرہ اور دوسری ضروریات زندگی کے حصول میں بقدر ضرورت پر اکتفا کر لینا اور اس بقدر ضرورت کے اکتفا پر نفس کا مطمئن ہو جانا قناعت ہے۔

وقار:

نفس کا پر اطمینان ہونا اور شتاب کاری سے احتراز کرنا ''وقار'' ہے۔

ورع:

نفس کا خود کو نیک اعمال اور افعال پسندیدہ کا خوگر بنالینا ''ورع'' ہے۔

انتظام:

نفس کو دنیاوی کاموں کا ایک ایسے اندازہ پر رکھنا جو حسب مصلحت ہو اور جتنی نفس میں لیاقت ہو۔

حریت:

مکاسب جمیلہ ولائقہ سے اکتسابِ مال پر نفس کا قادر ہو جانا اور پھر اس مال کو مصارف فائقہ میں صرف کرنا، مکاسب ذمیمہ سے بچنا اور مال کو مصارف قبیحہ میں صرف کرنے سے روکنا حریت ہے۔

فضیلت سخاوت اور اس کے انواع

جنسی سخاوت کے تحت بہت سی انواع ہیں جن کا یہاں بیان کرنا دشوار ہے۔ سخاوت کا شجاعت سے ایک لطیف رابطہ ہے یعنی جب نفس میں خطروں کے تحمل اور پرخطر مقامات ومواقع پر جہاں انسان کو اپنی ہلاکت کا خوف ہو، ثابت قدمی پیدا ہو جاتی ہے اور جان قربان کر دینا بھی اس کو بڑی بات نظر نہیں آتی تو پھر مال ودولت کے نقصان کی یا اس کے خرچ ہو جانے کی اس کو کیا فکر ہو گی اور جہاں ضروری ہو وہاں مال خرچ کرنے میں اس کو کیا باک ہو سکتی ہے۔

سخاوت کی گراں مائیگی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

''دین اسلام کو آراستہ کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ سخاوت اور حسن خلق''

جنس عدالت:

جنس عدالت کے تحت ۱۲ انواع ہیں۔ ان میں سب سے اوّل صداقت ہے۔

صداقت:

دوستی صادق کا نام ہے اور صدقِ محبت کی علامت یہ ہے کہ شرعاً وعقلاً جس کو دوئی سے تعبیر کیا جائے یعنی نفاق سے اس کو دور رکھا جائے اور باہم اتحاد واتفاق کے رابطہ کو مستحکم رکھا جائے اس طرح کہ جو بات اپنے لئے پسند نہ کرے وہ دوست کے لئے بھی پسند نہ کرے اور جو اپنے لئے چاہے وہ دوست کے لئے بھی چاہے۔

اُلفت:

اُلفت یہ ہے کہ ایک گروہ کے آراء اور عقائد سے دوسرے لوگ متفق ہوں تو اس تالف اور اتفاق کو اُلفت کہا جائے گا۔

وفا:

وفا یہ ہے کہ غم خواری کی راہ سے تجاوز نہ کرے اور ادائے حقوق میں کوتاہی سرزد نہ ہوا۔

شفقت:

کسی شخص پر کسی مصیبت کے پڑنے سے نفس کا متاثر اور انفعال پذیر ہونا اور اس کے دور کرنے میں اپنی ہمت صرف کرنا یا بقدر ہمت اس کے دور کرنے میں سعی کرنا شفقت ہے۔

صلہ رحم:

اپنے عزیزوں کو اپنی آسودگی اور دولت و ثروت میں شریک کرنا، صلہ رحم ہے۔ جس طرح قرابت ظاہری کا حق ہے اسی طرح قرابت معنوی کا بھی حق ہے جو روحانی تعلق ہے اس کو قربت اور قرابت الٰہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مکافات:

انسان کو جس کسی سے کوئی نفع پہنچا ہو تو اس نفع کے مثل یا اس سے زیادہ نفع اس نفع پہنچانے والے کو لوٹا دے اسی طرح اگر کسی سے ضرر اور نقصان پہنچا ہو تو اس ضرر سے کم ضرر اس کو پہنچائے کمال نفس یہ ہے کہ جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ!! بہر حال حکمت میں مکافات کی یہی تعریف ہے۔

حسن شرکت:

حسن شرکت سے مراد یہ ہے کہ انسان شراکت معاملات میں ایسی روش اور معاملہ اختیار کرے کہ شرکاء کی شکستگی خاطر کا موجب نہ ہو۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اور اس طرح کہ قانون عدالت کی اس کی روش سے حفاظت ہوتی ہو۔

حسن قضا:

حسن قضا یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق جو اس پر عائد ہوتے ہیں ادا کرے اور اس سلسلہ میں خود کو منت و مذمت سے بچائے۔

تودّد:

اپنے ہمسروں اور افاضل کی دوستی کا حصول اور ان کے ساتھ خوش کلامی اور انعام و اکرام سے پیش آنا اور ایسے تمام دوسرے اسباب کا فراہم کرنا ہے جو جلب محبت کا سبب بن سکتے ہوں۔

تسلیم:

تسلیم یہ ہے کہ احکام الٰہی اور امور شرعی (اوامر و نواہی) اور اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرے۔ صحابہ کرام کی روش، مشائخ طریقت اور ائمہ کرام کی رسوم کو اپنائے اور خوشدلی کے ساتھ ان سب کو قبول کرے خواہ اس کی طبیعت کے ناموافق ہی کیوں نہ ہو۔

توکل:

توکل یہ ہے کہ ایسے امور میں جن کا سرانجام اور تکملہ انسان کی قدرت اور بس کی بات نہ ہو اور خیال بھی اس کی کار براری سے عاجز و درماندہ رہے تو کمی یا بیشی، تاخیر یا تعجیل کو کام میں نہ لائے۔ ان کو نعم الوکیل (باری تعالیٰ) کے سپرد کردے اور اس سلسلہ میں فضول و لایعنی خیالات کو ذہن سے جھٹک دے۔

عبادت:

عبادت یہ ہے کہ بندہ مالک حقیقی کی تعظیم و تمجید بجالائے اور احکام شریعت کا مطیع و فرمان بردار بن جائے۔ تقویٰ اختیار کرے اور معاصی سے مجتنب رہے۔ اسی مقام سے حکمت عملی کی حدیں شریعت سے مل جاتی ہیں اس لئے کہ تفصیل عبادت کا ادراک

شریعت ہی سے ہوسکتا ہے اور حکمت میں اشیاء سے بحث اسی لئے کی جاتی ہے کہ عقل استقلال کے ساتھ وہاں تک پہنچ سکے! احکام شرعی کی تفاصیل استقلال عقل کے حیطہ تصرف میں نہیں آسکتی ہیں۔ عقل کے مدرکات کی پہنچ ان امور (شرعی) میں ایک طرح کا اجمال ہے اس لئے کہ اسرار شریعت کے نہاں خانہ تک سوائے نور نبوت کے نہیں پہنچا جا سکتا۔ اسی وجہ سے احکام فقہی من حیث الاجمال، حکمت عملی میں داخل ہیں اور من حیث التفصیل اس سے خارج ہیں۔

مذکورہ بالا انواع پر بادنیٰ تامل آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ ان انواع فضائل اور ان کی باہمی ترکیب سے جو اخلاق پیدا ہوتے ہیں ان کا استقصا ممکن نہیں ہے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

مکارم اخلاق کی تعلیم کی تکمیل ہی آپ کی بعثت کا مقصد خاص تھی! اور آپ کی ذات والاشان کو اللہ تعالیٰ نے مظہر کمالات انسانیت، اسی لئے بنایا تھا کہ بنی نوع انسان آپ کی پیروی کر کے دنیا میں ایک صالح معاشرہ قائم کر سکے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: ''تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں پیروی کا کامل نمونہ ہے۔''

اس موقع پر آپ کی متجسس نگاہیں ان فضائل کے ان پہلوؤں کو ضرور تلاش کریں گی جو بصورت تفریط وافراط ہر فضیلت کے ساتھ موجود ہیں اور جن کو شرعاً اور عرفاً اور معلمین اخلاق کے یہاں رذائل سے تعبیر کیا گیا ہے! آپ کا یہ تجسس بجا ہے میں ان پہلوؤں کو رذائل اخلاق کے تحت، فضائل اخلاق کی بحث ختم کرنے کے بعد پیش کروں گا۔ یہاں میں ان فضائل اخلاق کے سلسلہ میں احکام قرآنی اور ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کروں گا کہ یہ تمام فضائل اسی صحیفۂ ربانی اور مشکوٰۃ

نبوت کی تجلیات ہی سے اخذ کئے گئے ہیں! میں پہلے علم وحکمت کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے علم وحکمت بھی ایک عظیم معجزہ ہے۔

تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) علیہ السلام نے ان الفاظ میں باری تعالیٰ کے حضور میں اپنی ہی نسل ابراہیمی میں پیدا ہونے والے اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عطائے حکمت کے لئے بہت ہی خضوع وخشوع سے یہ دعا مانگی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ ط (سورۃ البقرۃ:۱۲۹)

ترجمہ: ''یعنی اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود ان ہی (کی قوم) سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل (علیہ السلام) کی یہ دعا قبول فرمائی اور قربان جایئے کہ حضرت خلیل (علیہ السلام) کی استجابت دعا میں آپ کے دعائیہ الفاظ کو شامل فرما دیا اور ارشاد کیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج

(سورۃ آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ: ''اہل ایمان پر اللہ نے یہ بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جو اس کی آیات ان کو سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔''

پہلے انعام الٰہی کا لفظ کتاب سے اظہار فرمایا ہے۔ وہ ظاہر ہے کہ یہی قرآن مجید و فرقان حمید ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے اور جس کے نزول کی تکمیل ۲۳ سال کی مدت میں ہوئی جس کی شہادت قرآن حکیم خود اس طرح دیتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ (سورۃ الدھر:۲۳)

ترجمہ:''ہم نے آپ پر یہ قرآن بتدریج اُتارا ہے۔''

اور دوسرا انعام الٰہی یہی ''حکمت'' ہے یہی علم و دانش، فہم و فراست، شعور ذات و شعور کائنات اور اسرار حق کا منبع و مخزن ہے۔ یہ حکمت ظاہر و باطن کی تطہیر کا سبق ہے۔ معاشرت و تمدن کو سنوارنے والا دستور العمل ہے۔ عروس حیات انسانی کا زیور ہے کارگاہ ہستی کا حسن اسی سے وابستہ ہے۔ اس دار العمل کی پاکیزگی و نظافت اور خیر و استحسان اسی کے دم سے ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمت کے اس عظیم سرچشمہ کا مالک بنایا باوصف اس کے کہ آپ نے کسی سے درس حکمت نہیں لیا۔ کسی کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ نہیں فرمایا۔

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت　　　بہ غمزۂ سبق آموخت، صد مدرس شد

(حافظ)

شیخ سعدیؒ نے کہا

یتیمے کہ ناکردہ ابجد درست　　　کتب خانہ چند ملت بہ شست

یہ دونوں تخیل اسی آیت کے ترجمان ہیں جو زیب عنوان ہے۔ اس نبی امی کے بارے میں مزید توضیح اس طرح کی گئی اور آپ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (سورۃ الاعراف:۱۵۷)

اس ارشاد باری میں آپ کے اُمی ہونے کی پھر تصدیق فرمائی گئی اور اسی کے ساتھ آپ کے کمال نبوت کے دیگر خصائص بھی ارشاد فرما دیئے گئے۔ جن کو میں یہاں معرض تشریح میں نہیں لاؤں گا، سورۃ العنکبوت (آیت ۴۸) میں آپ کے اُمی ہونے کی مزید

صراحت اس طرح ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (سورۃ العنکبوت:۴۸)

جس بشارت الٰہی میں آپ کی بعثت کو احسان عظیم قرار دیا گیا ہے اس میں یہ صراحت فرمادی گئی کہ وہ نبی محترم تمہارا تزکیہ نفس بھی فرماتے ہیں اور حکمت کا درس بھی تم کو دیتے ہیں۔ اب آپ ان فضائل اخلاق پر نظر ڈالئے اور بغور ان کا جائزہ لیجئے تو آپ پر یہ امر بخوبی روشن ہو جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درسِ حکمت کس طرح دیا اور تزکیہ نفس کے لئے فضائل اخلاق کی تعلیم کس طرح دی! یہ تمام فضائل اخلاق قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل فرما کر اور اپنے ارشادات گرامی سے ان کی توضیح وتشریح اس طرح فرمائی کہ زمانۂ کفر و جاہلیت کے رذائل ان فضائل اخلاق سے بدل گئے جو فرد کے لئے بھی اور معاشرے کی تطہیر اور آراستگی کے لئے بھی ضروری ہیں۔

آپ کے مطالعہ سے گزر چکا ہے کہ قوت علمیہ کے اعتدال کا نام حکمت ہے اور قوت غضبیہ کا اعتدال شجاعت ہے اور قوت شہوانیہ کے اعتدال کو عفت قرار دیا گیا ہے اور ان تینوں فضائل کے جمع ہو جانے سے فضیلت عدل پیدا ہوتی ہے۔ یہی چاروں فضائل ''اُمہات اخلاق'' ہیں جن کے تحت بے شمار محاسن اخلاق یا ان کی فروع ہیں اور ان ہی کے عدم اعتدال یا تفریط و افراط سے بے حد و اندازہ رذائل پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام کی تعلیمات نے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ عمل اور ارشادات نے اخلاقی فضائل پر بہت زور دیا ہے اور ان کی تعلیم کو اوّلیت دی ہے کہ انسان میں بدی کی جو قوتیں پنہاں ہیں ان فضائل اخلاق سے مٹ جاتی ہیں گویا ان کا وجود ہی نہیں تھا۔

اسی بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

ترجمہ: ''میں مکارم اخلاق کے تکملہ کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔''

اخلاق اور اصلاح معاشرہ

اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں شعور و وجدان کی قوتیں ودیعت فرمائی ہیں جن کی مدد سے وہ نیک و بد اور اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے لیکن اس راہ میں ماحول سب سے زیادہ کارفرما رہا ہے اور آج بھی ہے، حد ہے کہ اس ماحول ہی کے اثر سے انسان پستی میں اتنا گر جاتا ہے کہ اپنے خالق اور منعم حقیقی ہی کو بھول جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہبری اور ہدایت کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا جو پیغمبر یا رسول ہدایت انسانی کے لئے مامور ہوا اس نے سب سے پہلے معرفت خداوندی کا شعور انسان میں بیدار کیا اور اس کے بعد اس کی اخلاقی قوتوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے قدم اٹھایا، دنیا میں ہر قوم میں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے معرفت خداوندی کے بعد تربیت اخلاق پر اپنی قوت تبلیغ صرف نہ کی ہو اور اس کو اپنی دعوت کا مدار و نصب العین نہ بنایا ہو، یہ ضرور ہے کہ دعوتِ تربیت کے انداز زمان و مکان کے اعتبار سے کچھ مختلف رہے۔

قدرت نے انسان کے اندر ایک ایسی فطری حس ودیعت فرمائی ہے کہ فطری طور پر وہ بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند بعض کو اچھا سمجھتا ہے اور بعض کو برا! یہ حس تمام انسانوں میں یکساں نہیں ہے بلکہ مابین تفاوت پایا جاتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی شعور انسان نے بعض اخلاق پر اچھائی کا اور بعض پر برائی کا بحیثیت مجموعی یکساں حکم لگایا ہے زمان و مکان ان اخلاق کے خوب و ناخوب پر اثر انداز نہیں ہو سکے ہیں۔ مثلاً صدق، انصاف، ہمدردی، ایفائے عہد، دیانت و امانت، سخاوت، صبر و تحمل، ثبات و قرار ہمیشہ ایسے اوصاف رہے۔ ہیں کہ انسان نے بحیثیت مجموعی ان کو اچھا کہا ہے اور جھوٹ، ظلم،

بدعہدی، خیانت، خودغرضی، بخل اور بزدلی کو برا سمجھا گیا ہے۔

عرب جاہلیت طرح طرح کی قبیح عادتوں کے شکار تھے لیکن سخاوت، مہمان نوازی اور دیانت کو وہ بھی اچھا سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری میں ان اوصاف کو سراہا گیا ہے۔ یہ اچھائی اور برائیاں ہر دور میں پائی گئی ہیں اور ہر زمانے میں ان کا اعتراف کیا گیا ہے۔ بعض اوصاف اپنی عملی حیثیت سے اگر ظہور پذیر نہیں ہوتے تو اس سے ان کے اچھا ہونے میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا وہ ہر حال میں خوب ہی رہے ہیں۔ انسان کی فطرت میں حسن و قبیح کے اس شعور کو ودیعت کر دیا گیا ہے۔ یہی وہ کلیہ ہے جس کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَاo (سورۃ الشمس)

ترجمہ: ''پھر نفس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی گئی!''

اس نکتہ پر پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خوبیاں ''خوبیاں'' تسلیم کر لی گئی ہیں اور برائیوں کو ہمیشہ برا ہی سمجھا گیا ہے تو پھر دنیا میں اخلاقی نظام بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ مختلف نظامہائے اخلاق کا وجود تو اس کی شہادت دے رہا ہے کہ اخلاق حسنہ کو حسنہ سمجھنے اور رذائل اخلاق کو رذائل سمجھنے میں اختلاف ہے۔ اس کا باعث توازن کا فقدان ہے۔ قوت نافذہ اور محرکات کا فرق اور سب سے اہم فرق ماخذ کا ہے۔ اخلاق کا ماخذ قرآن حکیم ہے اور اس کا نظام اخلاق دنیا کے تمام نظامہائے اخلاق میں متوازن اور جامع ترین ہے۔ سوائے اسلام کے کسی نظام اخلاق کے لئے وہ قوت نافذہ موجود نہیں ہے جو انسان کو فضائل اخلاق پر عامل اور رذائل اخلاق سے دور رکھ سکے۔ یہ قوت نافذہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات و نیکی اور بدی کی جزاوسزا پر ایمان ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم غیب وشہود ہے۔ کوئی حرکت، کائنات کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی ایمان وایقان ایک مسلمان کے لئے قوت نافذہ ہے۔ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض مسلمانوں سے ایسے گناہ سرزد ہوئے کہ کوئی دوسرا ان سے آگاہ نہیں تھا لیکن

ان کے ایمان کی قوت نافذہ، قانون نافذ کرنے والے ادارے کے سربراہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آتی ہے اور وہ عرض کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک فرما دیجئے یعنی میرا گناہ جس سزا کا مستحق ہے وہ سزا مجھے دے دیجئے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس جرم کی سزا سنگساری یعنی موت ہے لیکن اس کے ایمان کی قوت نافذہ کا کمال تو دیکھئے کہ وہ خود سزا کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ اس نے خدا کا قانون توڑا تھا وہ خدا کے خوف اور آخرت کے اندیشہ پر ایمان کامل رکھتا تھا اس لئے آخرت کی سزا سے بچنے کے لئے دنیاوی سزا کا طلب گار ہوا یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ قوت ایمان و ایقان کا عطیہ ہے ہر مسلمان میں موجود ہے تو پھر مسلمان سے گناہ کیوں سرزد ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قوت نافذہ ہر مسلمان میں کامل نہیں ہے اور یہ اس کی بدبختی ہے۔ آج ہم جن بداخلاقیوں کا شکار ہیں اس کا باعث یہ ہے کہ جزاوسزا پر ایمان تو ہے لیکن نفس امارہ کا غلبہ اس ایمانی قوت کو دبا دیتا ہے اور پھر بار بار کی اس برائی کے اعادہ سے وہ قوت نافذہ جو کبھی فضائل اخلاق کی طرف لے جاتی تھی۔ اس قدر کمزور پڑ جاتی ہے کہ پھر حسن عمل کی طرف اعادے کی اس میں سکت نہیں رہتی۔ اس طرح دنیا نے ہم کو شکار کر لیا ہے۔ آخرت کو ہم فراموش کر چکے ہیں۔

آئی ہے بے حیا مرا ایمان لوٹنے
دنیا کھڑی ہے دولت دنیا لئے ہوئے

چوری، ڈاکہ، رشوت ستانی اور دوسرے جرائم اس وجہ سے سرزد نہیں ہو رہے ہیں کہ اسلامی نظام اخلاق میں خامی ہے بلکہ اس نظام اخلاق پر عمل پیرا کرنے والی قوت نافذہ کمزور ہو گئی۔ اسی لئے آج اصلاحی تحریکیں بھی دب کر رہ جاتی ہیں:

اسلامی نظام اخلاق کی ہمہ گیری

ہمہ گیری بھی اسلامی نظام اخلاق کی ایک اہم خصوصیت ہے کہ انسان کا ہر فعل ارادی (عمل) اس کے تحت آجاتا ہے زندگی کا کوئی عمل اس کے دائرے سے خارج نہیں

ہے۔ یا تو وہ عمل نیک ہوگا یا اس کے خلاف برا ہوگا۔ اسلام کے ضابطہ اخلاق میں اس کی صراحت و وضاحت آپ کو حسن وقبیح کے تعین کے ساتھ ضرور ملے گی۔ اسی خصوصیت کی بناپر اسلام کے اخلاقی نظام کو کامل کہا گیا ہے۔

اسلامی نظام اخلاق اپنے مقصد کے اعتبار سے

محاسن اخلاق یا فضائل اخلاق کی مقصدیت صرف رضائے الٰہی اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اسی اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع ہی رضائے الٰہی کا حصول ہے جو بندے کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے، کیا دنیا کا کوئی شرف اس کی برابری کر سکتا ہے کہ بندہ اللہ کا محبوب بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا!

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(سورۃ آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: ''اے محبوب فرما دیجئے کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔''

پس اسلامی نظام اخلاق پر عمل پیرا ہونا اللہ کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بن جانا ہے جو دارین کی سب سے بڑی دولت ہے جو اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت ہے اور اسی سے اخلاق اور ایمان کے باہمی تعلق کا پتہ چلتا ہے کہ اخلاق ایمان ہی کے مختلف مظاہر ہیں۔ یعنی ایمان تمام فضائل اخلاق کی قوت نافذہ ہے۔ جتنی یہ قوت نافذہ طاقتور ہوگی اتنے ہی محاسن اخلاق کمال پر ہوں گے اور جتنی کمزوری ہوگی اتنا ہی اخلاق کے محاسن میں کمزوری پیدا ہوگی۔ ایمان دراصل وہ قوت ہے جو اس کو اخلاق حسنہ کے اپنانے پر آمادہ کرتی ہے اور اخلاق سیہ یا رذائل اخلاق سے باز رکھتی ہے۔

اخلاق اور قانون اسلامی

اسلام نے اخلاق کے سلسلے میں اس کی قوت نافذہ کو اس حد تک آزاد چھوڑا ہے

جہاں تک اس کی حدیں قانونِ اسلامی سے نہیں ٹکراتیں۔ جب قانون اسلامی سے اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو پھر قانون حرکت میں آ جاتا ہے۔ فضائل اخلاق ومحاسن اخلاق میں تو اس تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ جتنی چاہیں سخاوت کریں لیکن ان حدود سے تجاوز نہ کریں جو شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ ایثار، تواضع، صبر وتوکل، محاسن وفضائل اخلاق ہیں۔ ان کا تصادم قانون اسلامی سے نہیں ہوتا لیکن رذائل اخلاق کی مضرت چونکہ صرف انفرادیت تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پورے معاشرے سے ہے اس لئے اگر وہ معاشرے کو نقصان پہنچانے والی حدوں تک پہنچ جاتا ہے تو وہاں اس کی سزا کے لئے اسلامی قانون سزا موجود ہے۔ جھوٹ ایک برائی ہے اس کی قباحت ظاہر کر دی گئی اور اس کے لئے ممانعت بھی موجود ہے لیکن ایک انسان جھوٹ بولتا ہے اور اس سے معاشرے کو کوئی نقصان یا جماعت پر ظلم نہیں ہوتا تو وہ سزا سے بچا رہتا ہے کہ اس کا نقصان اس کی ذات تک محدود ہے اور وہ گناہ پر گناہ کر رہا ہے لیکن جب یہی جھوٹ شہادت (گواہی) میں بولا جاتا ہے تو چونکہ جماعت اور معاشرے کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس لئے اس پر قانون کا نفاذ ہوگا۔ یہی جھوٹ جب بہتان اور قذف کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس کے باعث معاشرے کی عمومی صلاحیت مجروح ہوتی ہے تو پھر اس پر حد جاری کی جاتی ہے۔ یہی حال چوری اور زنا کا ہے۔ اس طرح جب اخلاق سیہ معاشرے کے لئے موجب آزار اور محرک فتنہ وفساد بن جاتے ہیں تو پھر اسلام اپنے قانون کے نفاذ سے کام لیتا ہے۔ اسلامی حدود (سزاؤں) کا یہی مقصود ہے اور ان کا اجرا اسی وقت ہوتا ہے جب افعال انسانی معاشرتی صلاح وفلاح کو برباد کرتے ہیں۔

اسلام کے نظام اخلاق کی روح، اصلاح انسانیت ہے اگر وہ متوازن، جامع اور کامل نہیں ہوتا تو وہ انسانیت کی صلاح وفلاح کا دعویدار نہیں ہوسکتا تھا۔ اس سے قبل آپ اعتدال اور افراط وتفریط کے اعتبار سے اخلاقیات کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اسلامی نظام اخلاق کی سب سے بڑی خوبی اس کا یہی اعتدال ہے۔ اسلام کا ایک مخصوص تصور کائنات

اور مخصوص تصورِ انسانیت اور اس کا مقصد حیات ہے اسی پر اسلام کے نظام اخلاق کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ نظام اخلاق کسی انسان کا خودساختہ نہیں ہے بلکہ انسان کے خالق نے جو اس کی فطرت کے تمام مقتضیات سے بالکلیہ واقف ہے۔ اس کے لئے ایسا نظام اخلاق اپنے معلم اخلاق رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمادیا جو انسان کے سنوارنے اور اس کے احوال کی اصلاح کرنے والا ہے!

قرآن حکیم میں فضائل اخلاق کو مختلف سورتوں میں ان کے موارد و اطلاقات کے اعتبار سے بیان فرمایا ہے، ان تمام احکام متفرقہ کو جمع کر لیجئے۔ مکارم اخلاق کا ایک حیرت آفریں، دل نشیں مجموعہ آپ کے سامنے ہوگا۔ میں یہاں ان متفرق ارشادات باری کو پہلے پیش کر رہا ہوں پھر ہر ایک فضیلت یا حسن خلق کے سلسلے میں قرآن حکیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو پیش کروں گا۔ یہ احکام سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ہیں۔

فضائل اخلاق

قرآن حکیم اور ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں

سورہ بقرہ کی اس آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ (بذل مال) ایفا سے عہد اور ثبات قدم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ (سورۃ البقرۃ:۱۷۷)

''ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں و یتیموں، مسکینوں اور راہ گیروں، سائلوں اور گردنیں چھڑوانے ہیں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔''

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورۃ آل عمران:۱۳۴)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور

غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔"

سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْمُنْفِقِیْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ (سورۃ آل عمران:۱۷)

ترجمہ: "یعنی اور وہ لوگ صبر کرنے والے ہیں اور راست باز ہیں، فروتنی کرنے والے ہیں (اور آخیر شب میں) اُٹھ اُٹھ کر گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔"

سورہ رعد میں ایفائے عہد، اہل قرابت اور حق داروں کے حقوق کی ادائیگی اور برائی کے بدلے لوگوں سے بھلائی کرنے کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ○ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ○ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ○ (سورۃ الرعد:۲۰تا۲۲)

ترجمہ: "وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور قول باندھ کر پھرتے نہیں، اور وہ لوگ جو جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور حساب کی برائی سے اندیشہ رکھتے ہیں اور وہ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا چاہنے کے لئے اور نماز قائم رکھی اور ہمارے دیئے ہوئے (مال) سے ہماری راہ میں چھپے اور ظاہر کچھ خرچ کیا، اور برائی کے بدلے بھلائی کر کے ٹالتے ہیں، انہیں کے لئے پچھلے گھر کا نفع ہے۔"

سورۃ المومنون میں یہ چند اوصاف واخلاق حسنہ بیان فرمائے گئی اور بیکار باتوں

سے اعراض، پاک دامنی اور عفت شعاری، امانت و دیانت اور ایفائے عہد:

ارشاد فرمایا:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

(سورۃ المومنون:۱ تا ۸)

ترجمہ: ’’بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہین کہ ان پر کوئی ملامت نہیں، تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں۔‘‘

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (سورۃ الفرقان:۶۳)

ترجمہ: ’’اور رحمٰن کے وہ بندے جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔‘‘

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (سورۃ الفرقان:۶۷)

ترجمہ: ’’اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں، اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔‘‘

اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ج

(سورۃ الفرقان:۶۸)

ترجمہ: ''اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ہے ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے۔''

آیات مندرجہ بالا میں عاجزی، فروتنی، تحمل اور بردباری، اعتدال و میانہ روی، راستی، متانت اور سنجیدگی کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

سورۃ المعارج میں سخاوت، عفت و عصمت، امانت و دیانت ایفائے عہد اور سچی گواہی کے اوصاف اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ○ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ○

(سورۃ المعارج:۲۴ تا ۳۳)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جن کے مال میں ایک معلوم حق ہے، اس کے لئے جو مانگے اور جو مانگ بھی نہ سکے تو محروم رہے اور وہ جو انصاف کا دن سچ جانتے ہیں اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں، اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا اپنے ہاتھ کے مال کنیزوں سے کہ ان پر کچھ ملامت نہیں پس جو ان دو کے سوا (زوجات و مملوکات) اور چاہے پس وہی حد سے بڑھنے والے ہیں، اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں

اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں۔"

یہ آیات قرآن پاک کی ان متعدد آیات میں سے ہیں جن میں فضائل اخلاق مذکور ہیں، ان چند آیات میں آپ کے مطالعہ سے جن فضائل اخلاق کی توصیف گزری وہ یہ ہیں۔

صدق، ایفائے عہد، انفاق فی سبیل اللہ، سخاوت، عفت، عفو و درگزر دیانت، خرچ میں میانہ روی اعتدال، ثبات قدم، غصہ کو ضبط کرنا، احسان اہل قرابت اور حق داروں کے حقوق کی ادائیگی، برائی کا بدلہ اچھائی، نکمی اور بیکار باتوں سے اعراض۔"

فضائل و محاسن اخلاق کا دائرہ یہیں تک محدود نہیں ہے۔ میں نے آغاز کلام میں قوائے غضبیہ، قوت شہوانی وحکمت کے اعتدال سے پیدا ہونے والی متعدد انواع آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ میں اب ہر نوع یعنی خلق حسن کو جداگانہ آپ کے سامنے قرآن حکیم اور ارشادات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں پیش کروں گا۔ یعنی ہر فضیلت کے لئے قرآن میں جو کچھ فرمایا ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں جو ارشاد ہے تا کہ مشہور فضائل اخلاق کے سلسلے میں آپ بصیرت اندوز ہو سکیں اور یہ اندازہ ہو جائے کہ سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرتی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس اصلاح کی معاشرے کو کس قدر ضرورت تھی اور آج بھی ہے آپ نے اُمت کو ان فضائل اخلاق سے آراستہ فرمایا کہ اس اُمت کا ہر فرد ان سے سر بلند ہو کر دوسروں کے لئے بھی معلم اخلاق بن گیا اور عصر جاہلیت اور بے دینی کے ملکات ان کے حاسہ فکر سے صرف دب ہی نہیں گئے بلکہ مٹ گئے۔

حکمت

حکمت، فضائل اخلاق کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ یہ وہ عطیہ الٰہی ہے جس سے تمام پیغمبر علیہم السلام نوازے گئے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ

(سورۃ آل عمران:۸۱)

ترجمہ: ’’اور (یاد کرو) جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء (علیہم السلام) سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت سے دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس رسول پر اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرف داری بھی کرنا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے حکمت کو خیر کثیر فرمایا جس کا باعث یہ ہے کہ یہ جمیع فضائل اخلاق کی جامع ہے اس بناء پر خیر کثیر ہے۔ اس موضوع (فضائل اخلاق) کے آغاز میں آپ حکمت کے بہت سے انواع کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان میں سے ہر نوع فلاح انسانی کی ممد و مددگار ہے۔ معاشرے کو سنوارنے اور سدھارنے والی ہے۔ اس لئے فرمایا

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (سورۃ بقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: ’’اور جس کو حکمت ملی اس کو حقیقت میں بڑی خیر (کی دولت) مل گئی۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو حکمت سے نوازا اور خاتم المرسلین (صلی اللہ علیہ

وسلم) کی ذات گرامی پر اس عطیہ کبریٰ کا تکملہ فرمادیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔

وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ط (سورۃ بقرۃ:۲۳۱)

ترجمہ:''اور یاد کرو اللہ کا احسان (یعنی تمہیں مسلمان کیا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا) جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب و حکمت اتاری، تمہیں نصیحت دینے کو۔''

اس حکمت کی نسبت اور اس کی قبولیت کی استعداد سے آل ابراہیم (علیہ السلام) کو بھی نوازا گیا۔

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۝

(سورۃ النسآء:۵۴)

ترجمہ:''پس ہم نے تو ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔''

اسی بناء پر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عن ابی هریرة قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کلمة الحکمة قالة الحکیم فحیث وجدها فهو احق لها ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ:''(بطریق) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمت کی بات حکیم (مومن) کی متاع گم شدہ ہے جہاں کہیں اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے .... (ترمذی وابن ماجہ)''

وہ حکمت جس سے پیغمبروں کو سرفراز اور سربلند فرمایا گیا دو طرح کی ہے۔ ایک

حکمت تشریعی دوسری حکمت تبلیغی، حکمت تشریعی خاص ہے اور صاحب شریعت کے لئے مخصوص ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ (سورۃ النحل:۱۲۵)

ترجمہ: ''حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے!!''

اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کلیہ حکمت کی آئینہ دار ہے۔

وہ احکام شریعت صادر فرماتے ہیں، دوسری حکمت تبلیغی کا دائرہ عام ہے لیکن اس کا سرچشمہ بھی رسول اور صاحب شریعت کی ذات گرامی ہے۔ آدابِ حکمت متبعین رسالت بھی دوسروں کو سکھا سکتے ہیں لیکن حکمت تشریعی کی خلاف ورزی یا عدم اطاعت کا اس میں شائبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ پھر وہ حکمت نہیں رہے گی بلکہ عصیاں شعاری ہوگی۔

صدق

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَo

(سورۃ الزمر:۳۳)

ترجمہ: ’’اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے۔ (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو توحید الٰہی لے کر آئے) اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی (یعنی حضرت ابوبکر الصدیق و جملہ مومنین) یہی ڈر والے ہیں۔‘‘

فضائل اخلاق میں اس فضیلت کو بڑی اہمیت ہے، یہ صفت بہت سے فضائل کا سرچشمہ ہے، صدق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے رسولوں کی بھی۔

صدق قول کی سچائی، عمل کی سچائی، دل کی سچائی کا نام ہے پیغمبروں کا وصف خاص ہے۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّاo (سورۃ مریم:۵۴)

ترجمہ: ’’اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتاتا۔‘‘

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَo (سورۃ الصفت:۳۷)

ترجمہ: ’’بلکہ وہ تو حق لائے ہیں اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق فرمائی ہے۔‘‘

جنت میں صاحبانِ صدق کی معیت کو ایک انعامِ الٰہی قرار دیا گیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صدیقین کا مرتبہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اپنا انعام یافتہ قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ (سورۃ النسآء:۷۰)

ترجمہ: ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کیسے اچھے یہ رفیق ہیں جو کسی کو میسر آئیں۔ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔''

صادقین (صاحبانِ صدق) کو باری تعالیٰ نے بے حد سراہا اور انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ ان صادقین کی تعریف و توصیف، سورۃ بقرہ، سورۃ النسآء، سورۃ آل عمران، سورۃ الانعام، سورۃ الاعراف، سورۃ التوبہ، سورۃ یونس، سورۃ ہود، سورہ یوسف، سورۃ الانبیاء، سورۃ النور، سورۃ الشعراء، سورۃ النمل وغیرہا میں آپ مطالعہ کر سکتے ہیں۔

حقیقت میں ''صدق'' بڑی خوبیوں، نیکیوں اور مکارمِ اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ صدق کی خوبی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ صدق، رسولوں اور پیغمبروں کا سب سے پہلا وصف ہے وصدق المرسلین۔ اس پر شاہد ہے اور اس وصف اور فضیلت کا ان سے اس طرح ہر موقع و محل پر اظہار ہوتا ہے کہ ان کو ''صدیق'' سے خطاب کیا جاتا ہے (یعنی بڑے ہی سچے)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ۝ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۝ (مریم:۱۴)

ترجمہ: ''اور کتاب میں ابراہیم کا حال بیان کرو کہ وہ بڑے سچے اور نبی تھے''۔

قصص القرآن اور تذکار الانبیاء کا قرآن پاک میں مطالعہ کیجئے۔ میں ان سورتوں

کی نشاندہی کر چکا ہوں، ان کو صدیقین کے عظیم خطاب سے یاد کیا گیا ہے اور ان کا وصف خاص قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت اور انعامات کا وعدہ جن لوگوں سے فرمایا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمان پذیری کے بعد سب سے اول وہی لوگ ہیں جو قول وفعل کے سچے ہیں۔ ان ہی راست باز افراد کے حق میں فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا○ (سورۃ الاحزاب:۳۵)

صدق کا انحصار صرف قول ہی پر نہیں ہے اگر چہ عام طور پر سچ بولنے ہی پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے بہت وسیع معنی ہیں یعنی بات میں سچائی، ارادہ میں سچائی، نیت میں سچائی، عزم کے پورا کرنے میں سچائی، عمل میں سچائی، دین داری کے مراتب ومقامات میں سچائی، ان تمام اقسام پر امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بلند پایہ کتاب احیاء العلوم میں ''منجیات'' کے تحت قرآن وحدیث کے استدلال کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہ تمام اقسام یا صدق کی تمام جہتیں قول وعمل اور قلب کی سچائی کے تحت آجاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صفت صدق سے مالا مال فرمایا تھا کہ آپ کے اعلانِ نبوت سے قبل بھی تمام عرب بالخصوص مکہ میں آپ صادق اور امین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ کا عظیم ترین دشمن ابوجہل آپ کی دعوت ایمان کے جواب میں صرف یہ کہہ سکا کہ

''میں تم کو جھوٹا تو نہیں کہہ سکتا لیکن تم جو دعوت پیش کر رہے ہو اس کو میں قبول نہیں کر سکتا۔''

آپ کی پہلی دعوت ایمان جو کوہِ صفا پر تشریف لے جا کر آپ نے دی اس وقت بھی ساری قوم نے آپ کے صادق ہونے کی تصدیق و تائید کی تھی۔ سیرت النبی اور شمائل نبوی اس فضیلت صدق کے آئینہ دار ہیں۔ میں یہاں اختصار کے باعث سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثالیں پیش نہیں کر سکوں گا۔

صدق کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات موجود ہیں جن کو کتب احادیث خصوصاً صحاح ستہ میں منضبط کیا گیا ہے۔ میں یہاں چند ایسی احادیث پیش کر رہا ہوں جن میں حضور اکرم علیہ التحیۃ والثناء نے صدق کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کے اختیار کرنے پر شدت سے تاکید کی ہے۔

عن عبداللّٰه بن مسعود قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البرو ان البر یهدی الی الجنة و ما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند اللّٰه صدیقا و ایاکم ، والکذب ان الکذب یهدی الی الفجور وان الفجور یهدی الی النار وما یزال الرجل یکذب و تحری الکذب حتی یکتب عند اللّٰه کذابا

(متفق علیہ)

ترجمہ: ''(بطریق) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچ بولنا اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے یہاں (اس کا نام) سچوں میں لکھ لیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچو اس لئے کہ جھوٹ بدی (گناہ) کا راستہ دکھاتا ہے اور گناہ دوزخ

کی راہ دکھاتا ہے اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے یہاں (اس کا نام) جھوٹوں میں لکھ لیا جاتا ہے'' (بخاری اور مسلم نے روایت کیا)

حضرت صفوان بن سلیم تابعیؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ!'' کیا مسلمان نامرد بھی ہوسکتا ہے، آپ نے فرمایا ہاں ہوسکتا ہے، پھر پوچھا کیا بخیل بھی ہوسکتا ہے۔ آپ نے جواب دیا، ہاں ہوسکتا ہے پھر دریافت کیا کہ ''جھوٹا بھی ہوسکتا ہے'' آپ نے فرمایا ''نہیں'' اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان کا خاص وصف راست گوئی اور صدق ہے۔ (مؤطا امام مالک)

متعدد اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے یہ ارشاد گرامی مروی ہے کہ ''مومن ہر خصلت پر پیدا ہوسکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ پر نہیں۔''

یعنی مومن میں ہر خصلت ہوسکتی ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی صفت اس کے اندر نہیں ہوگی۔ جھوٹ کو جو صدق کی ضد ہے منافق کی صفت بتایا گیا ہے۔ ان ارشاداتِ گرامی سے ظاہر ہے کہ صدق سے ایمان اور جھوٹ سے نفاق پیدا ہوتا ہے۔

کردار و گفتار کی راستی معاشرے کی اصلاح اور اس کی اصلاح و فلاح کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس خلق عظیم سے مسلمانوں نے سربلندی حاصل کی جب تک کردار و گفتار کی راستی ان کا شیوہ رہا وہ دنیا پر چھائے رہے جب یہ خوبی ان سے رخصت ہوئی ان کی اس عظمت و سربلندی کو بھی زوال آگیا۔ آج بھی جن لوگوں میں کردار و گفتار کی یہ راستی موجود ہے ان کا احترام اور ان کی عظمت اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گی۔

عفت و پاک دامنی

عفت و پاک دامنی ایک عظیم فضیلت ہے اور فضائل اخلاق میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عفت اگرچہ ایک فضیلت ذاتی ہے لیکن اس کا دائرہ اثر معاشرے سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے۔ معاشرہ کے افراد اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ان میں بھی صلاح پیدا ہوتی ہے۔

قوت شہوانیہ جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اس کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے اور اعتدال پر نہ رکھا جائے تو اس سے معاشرہ میں بے حیائی، آبرو باختگی اور فواحش کا ظہور ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے امتیازی اور خصوصی اوصاف میں ''عفت'' ایک وصف خاص ہے، فضائل چہارگانہ میں آپ عفت کے انواع کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ جس طرح اس قوت کی افراط سے بہت سے رذائل پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اس کی تفریط بھی اپنے دامن میں عیوب اور خطا کاریوں کو لئے ہوئے ہے۔

عہد جاہلیت کی تاریخ میں انسان بے شرمی کے کاموں میں جس طرح مبتلا تھا ان کی شاعری اس پر شاہد ہے عرب کے ماہانہ میلوں میں جو بازاروں کی شکل میں لگتے تھے۔ وہ فسق و فجور کا ایک عوامی مظاہرہ ہوتے تھے اور عفت و پاک دامنی و پاکبازی کے نام سے بالکل نا آشنا تھے۔ یہ ایک سیل تند رو تھا، اسلام کے ضابطہ اخلاق نے اس پر ایک مضبوط بند باندھا اور عفت باختگی کو قابل تعزیر قرار دیا گیا۔ اس کے لئے رجم (سنگساری سے موت) کی سزا مقرر کی گئی!

قوت عفت کا اعتدال شریعت کے قوانین کا اتباع ہے۔ قوت شہوانیہ کے صرف

کے لئے اسلام نے جو قوانین مقرر کئے ہیں ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ قوت شہوانیہ کے اعتدال کا راستہ شریعت نے اس طرح متعین کیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (سورۃ المومنون: ۵ تا ۷)

ترجمہ: ''اور وہ (مسلمان) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ (باندیوں) سے (اپنی خواہش شہوت کو پورا کرتے ہیں) تو ان پر کچھ الزام نہیں لیکن جو اس کے علاوہ کے خواستگار ہوں تو وہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔''

اس قانون شریعت کے مطابق اپنی قوت شہوانیہ کی روک تھام اور اس کو اس اعتدال شرعی پر رکھنے والے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے اور اس میں پاک دامن مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ ذیل کی آیت کریمہ میں دیگر اوصاف وفضائل اخلاق کے ساتھ عفت اور پاک دامنی کی جزا بھی بیان کر دی گئی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب: ۳۵)

ترجمہ: ''بے شک جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں اور مومن ہیں مطیع فرمان ہیں (مرد اور عورتیں)، راست باز ہیں (مرد اور عورتیں) صابر ہیں۔ اللہ کے

آگے جھکنے والے ہیں (مرد اور عورتیں) صدقہ دینے والے ہیں (مرد اور عورتیں) روزہ رکھنے والے ہیں اور (مرد اور عورتیں) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (مرد اور عورتیں) اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے (مرد اور عورتیں) ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی اس سلسلے میں بہت ہی ہمہ گیر اور جامع ہے۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعالما جئت به (شرح السنه)

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہش نفس اس چیز کے تابع نہ ہو جائے، جسے میں لایا ہوں۔''

خواہش نفسانی یا قوت شہوانیہ کا سب سے گھناؤنا عمل زنا ہے۔ یہی فروج کا عدم تحفظ ہے اور جس طرح حفاظت فروج کے اجر کی نوید و بشارت موجود ہے۔ اسی طرح اس کے عدم تحفظ یعنی زنا کی سخت سزا ہے یعنی ''حد'' اس سلسلہ میں رذائل اخلاق میں مزید کچھ عرض کیا جائے گا۔

فضیلت عفت کے تحت یہ بارہ انواع ہیں۔

اوّل حیا، دوم رفق، سوم حسن ہدیٰ، چہارم مسالمت، پنجم رحمت، ششم صبر، ہفتم قناعت، ہشتم وقار، نہم ورع، دہم انتظام، یازدہم حریت اور دوازدہم سخایا سخاوت،

ان انواع مذکورہ بالا سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ ''عفت'' کتنے فضائل اخلاق کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ عفت کے تحت جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کے معنی عرفی کے تحت بیان کیا ہے۔ عفت کے ظاہری مفہوم اور پاک دامنی کے سلسلے میں

مردوں کی طرح عورتوں پر بھی قیود عائد ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کے احکام میں پردے اور زنا کے تحت بیان کروں گا۔

بہر نوع فضیلت عفت انسان سے ہر حال میں میانہ روی اور اعتدال کی خواستگار ہے اگر افراط کی راہ پر قدم رکھا تو پھر وہ لذتوں اور راحتوں کا بندہ بے دام بن جائے گا جو اس کے اخلاق کو تباہ کرنے والا راستہ ہے اور پھر اس کے اثر سے معاشرہ ''لذتیت'' کا شکار ہو جائے گا جیسا کہ ''لذتیت'' کے پرستاروں کا مسلک ہے۔ اس دور میں اکثر مشاہدہ سے گزرا ہے کہ تہذیب و شائستگی کا دعویٰ کرنے والی قوموں کے افراد اسی ''لذتیت'' کا شکار ہو کر تباہ حال میلے کچیلے جسم اور کپڑوں کے ساتھ سڑکوں کے کنارے پڑے رہتے ہیں اور اپنی تہذیب و اخلاق کے دیوالیہ پن کا ثبوت دیتے ہیں، راکٹ اور ہیروئن کی لذت کا شکار ہو کر تباہی کے اس کنارے پر پہنچ جاتے ہیں جہاں اصلاح کی کوششیں بارآور نہیں ہوتیں۔ اور اگر تفریط کی راہ پر قدم رکھا اور تمام جائز خواہشات کے تمتع سے اعراض کیا تو یہ بھی منافی عفت ہے ان کا یہ عمل رہبانیت کی دلیل ہے اور اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس میں مفقود ہے۔

فلسفہ اخلاق کی رُو سے زندگی کی بہترین راہ عمل یہی ہے کہ لذتوں اور خواہشوں سے اس حد تک فائدہ اٹھایا جائے اور ان سے محظوظ ہوں جہاں قدم اخلاق حسنہ یا فضائل اخلاق کی حدوں سے باہر نہ نکلے اس لئے کہ جن لذتوں سے بہرہ اندوزی، اخلاق حسنہ کی حدود کے اندر ہے وہ فرد اور جماعت کے لئے عبادت کا حکم رکھتی ہے اور اس سلسلہ میں یہ حکم موجود ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف:۳۲)

ترجمہ: ''اے رسول! ان سے فرماؤ کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا

جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی ایک چیزیں ممنوع کر دیں، کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصتاً ان ہی کے لئے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو علم رکھنے والے ہیں۔"

اور اس حکم کے ساتھ ان باتوں اور ان امور پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت فرمادی جو فواحش ہیں اور ظلم و زیادتی کو منع فرمادیا، شرک سے روکا اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتوں کو منسوب کرنے سے منع فرمایا، آیت مندرجہ کے ساتھ ہی ساتھ یہ حکم فرمایا کہ

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ الاعراف:۳۳)

ترجمہ: "اے رسول! ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں، بے شرمی کے کام خواہ کھلے ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کے کام اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک کرو جس کے لئے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے بارے میں تمہیں علم نہ ہو (کہ وہ حقیقت میں اسی نے فرمائی ہے)"۔

پس عفت کے تمام تقاضوں میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

سخاوت

سخا یا سخاوت ایک مشہور حسن خلق یا فضیلت ہے، علم الاخلاق کے نقطہ نظر سے سخاوت ایسا ملکہ ہے جو خرچ میں اعتدال کو ملحوظ رکھتا ہے، بخل اور اسراف اس کے تفریط وافراط کے پہلو ہیں۔

صدق کے بعد اسلام کی یہ دوسری اہم اور بنیادی فضیلت اور تعلیم اخلاق ہے، سخایا سخاوت کے معنی ہیں اپنے کسی حق کو بطیب خاطر کسی دوسرے کے حوالے کر دینا، اس کی بہت سی صورتیں ہیں جو اپنے اپنے محل کے اعتبار سے مستحق اجر و قابل ستائش ہیں مثلاً اپنا حق کسی کو معاف کر دینا، اپنا بچا ہوا مال کسی کو دے دینا، اپنی ضرورت کو نظر انداز کر کے اپنا مال کسی دوسرے کو دے دینا۔

سخاوت صرف مال ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اپنے جسم کی توانائی، دماغ کی قوت کو دوسرے کے لئے خرچ کرنا بھی سخاوت ہے۔ اسی طرح حق کی حمایت میں اپنی جان کو اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈالنا یا کسی دوسرے کی جان بچانے کے لئے ایسا عمل کرنا جو خود اپنی جان کے لئے خطرہ ہو۔ یہ بھی سخاوت ہے اور ان تمام اقسام یا انواع سخاوت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اپنی ذات سے (جس میں مال بھی شامل ہے) دوسروں کو فائدہ پہنچانا یہی بنیادی نقطہ پھر بہت سے اخلاقی کاموں کی بنیاد بن جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے اس فضیلت پر بہت زور دیا ہے سخاوت کے جذبے کو بہت ابھارا گیا ہے جب تک یہ وصف انسان میں پیدا نہیں ہوگا وہ انفاق فی سبیل اللہ کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا، سورۃ البقرہ کی تیسری آیت میں اس حاسہ کو بیدار کیا گیا ہے اور متقی حضرات

کا وصف خاص قرار دیا گیا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ:۳)

اس انفاق فی سبیل اللہ کا دائرہ صرف مال وزر ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جو کچھ بندوں کو ان کی راحت وتن آسانی کے اسباب وسامان عطا فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، ان کو دیتے ہیں جو اس سے محروم ہیں۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

صدقات وخیرات کی اساس یہی فضیلت ہے، یہ حسن خلق، اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ اکثر مسلمان نادار تھے ان کو سہارا دینے میں بہت کام آیا، کافروں کی یورشوں کے وقت مسلمانوں نے اسلامی لشکر کی بے سروسامانیاں جس طرح دور کیں وہ تاریخ اسلام کے صفحات پر ثبت ہیں۔ اگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سخاوت اور فیاضی بندوں کے ہر قسم کے حقوق کی اساس ہے۔

سخاوت کی ترغیب کے لئے بار بار یہ بتایا گیا ہے کہ یہی تمہارا زادِ آخرت ہے۔ یہ انفاق فی سبی اللہ اس دن تمہارے کام آئے گا جب نہ خرید وفروخت ہوگی، نہ دوستی کا سہارا اور وسیلہ ہوگا نہ سعی وسفارش کا وہاں کام ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط (سورہ بقرہ:۲۵۴)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو، وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہے نہ کافروں کے لئے دوستی اور نہ شفاعت۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب آفریں تحریک نے دلوں پر اس طرح دستک دی اور آپ کے سچے اور دل نشین اقوال نے کفر وطغیان، عصیان اور سرکشی، فخر ونمود اور

دولت پرستی کی قدیم رسموں اوران کی اقدار کو حسن اخلاق اور راستی سے اس طرح بدلا اور تقویٰ کا ایسا سبق دیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ دلوں میں اس طرح بیدار ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خود دریافت کیا کرتے تھے کہ حضور فرمائیں! ہم کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ بعض حضرات کرام تو اپنی کل متاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے پاس لا کر ڈھیر کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ایثار اور سخاوت کے جذبے کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط (سورۃ بقرہ:۲۱۹)

یعنی آپ کے اصحاب (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں کتنا مال خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو!''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ وحی نازل ہوئی اور آپ نے مسلمانوں کو اس حکم سے آگاہ فرمایا کہ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (سورۃ آل عمران:۹۲)

ترجمہ: ''یعنی تم ہرگز اس وقت تک نیکی سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتے جب تک اللہ کی راہ میں اس چیز کو خرچ نہ کر دو جو تم کو محبوب ہے۔''

اس حکم کے نزول کے بعد ایک گرامی منزلت صحابی (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ) حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم الٰہی نازل ہوا ہے اور میرا ایک باغ ہے جو مجھے اپنے اموال میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ میں اس کو خدا کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لئے پیش کرتا ہوں۔ آپ اس کو قبول فرما لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں کو دے دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حکم الٰہی بجا لائے۔

سخاوت کی صفت دل میں پیدا ہوئے بغیر انفاق فی سبیل اللہ کی راہ طے نہیں ہو سکتی،

جب مسلمان میں یہ فضیلت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر انفاق فی سبیل اللہ میں مال تو مال وہ اپنی جان بھی پیش کر دیتا ہے۔ غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ میں مال و جان کے اس ایثار کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کی متعدد صورتیں ہیں۔ اس انفاق میں زکوٰۃ تو فرض ہے اور اس کی مقدار بھی معین ہے خواہ سونا، چاندی ہو یا جانور ملکیت میں ہوں یا مال تجارت ہو سب پر یہ زکوٰۃ (جبکہ بقدر نصاب ہو) فرض ہے۔ اس کی شقیں اور ادائیگی کے احکام میں یہاں معرض بیان میں نہیں لاؤں گا۔ قرآن و حدیث اور کتب فقہ میں اس کی صراحتیں مذکور ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کا ایک کلیہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس میں ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ دونوں کی صراحت فرمائی گئی۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ: ''نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ (اصل) نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو یوم آخر کو، ملائکہ اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو (دل سے) مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا (دل پسند) مال، رشتے داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر مدد کے لئے سوال کرنے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کو راست باز [illegible] متقی فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (بقرہ:۱۷۷)

اس انفاق فی سبیل اللہ کی کوئی حد معین نہیں کی گئی ہے۔ اس کو انسان کے حاسہ سخاوت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ جتنا چاہے خرچ کرے اور پھر اس کا کرم نامتناہی دیکھئے کہ

مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنے کو "اللہ کو قرض دینا" قرار دیا یعنی قرض حسنہ جبکہ نہ وہ مال کا ضرورت مند، نہ اس کو مال کی احتیاج بلکہ یہ فرما کر ہمارے جذبہ سخاوت کو مزید اُبھارا ہے۔ قرآن حکیم میں انفاق فی سبیل اللہ کے اجر کے سلسلے میں بہت سی دل نشین اور محرک عمل تمثیلات بھی ہیں جن کا مقصد اصلی یہی ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت سوچ و چار اور تامل سے کام نہ لے۔ مختصر یہ ہے کہ

"ایک فلاحی معاشرے کے لئے یہ فضیلت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔"

ارشادات نبوی ﷺ

سخاوت کی فضیلت اور اس کے اجر کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ عمل اور آپ کے ارشادات گرامی بھی اس راہ میں ہماری رہنمائی اور ترغیب کے لئے موجود ہیں!

۱- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں بندے صبح کرتے ہوں مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک ان میں سے کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما، دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ بخیل کے مال میں ہلاکت دے۔ (بخاری و مسلم)

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے بندے تو میری مخلوق پر خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (بخاری و مسلم)

سخاوت اور انفاق سبیل اللہ کے سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہیں اور کتب احادیث میں موجود ہیں جن سے افراد معاشرہ کی صلاح و فلاح اور ملت اسلامیہ کی بہبودی کی راہیں کھلتی ہیں۔

دیانت

معاشرتی تعلقات اور سماجی روابط میں تجارت ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ تجارت ہو یا لین دین کے معاملات ہوں اس اخلاقی خوبی یعنی دیانت و امانت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قوموں کی دنیاوی ترقی تجارت سے وابستہ ہے اور تجارتی ترقی کا راز دیانت وامانت میں مضمر ہے۔ کاروبار بڑا ہو یا چھوٹا ہر ایک میں دیانت شرط ہے۔ لین دین قرض کا ہو یا نقد کا سودا ہو ہر ایک میں دیانت کی ضرورت ہے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرنا تجارتی دیانت ہے اور اس کے خلاف کرنا بددیانتی ہے۔ اسی بددیانتی سے معاشرے میں خرابیاں اور فساد پیدا ہوتا ہے جب کسی قوم کے بیشتر لوگ بددیانتی کرنے لگتے ہیں تو اس سے پوری قوم پر حرف آتا ہے اور خدا کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ زمانے میں بھی رسوائی ہوتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ایک کاروباری قوم تھی اور تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کے باعث تجارت میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ دنیا کی بہت سی قوموں سے اپنے محل وقوع کے باعث ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ جب حرص و ہوا میں پھنس کر انہوں نے کاروبار میں خیانت سے کام لینا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے اس قوم میں جو قوم مدین کہلاتی تھی حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ

''اور قوم مدین میں ان ہی کی برادری کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔''

آپ اقوام مہلوکہ ومغضوبہ کے سلسلہ میں اس قوم کا تفصیلی حال مطالعہ کر چکے ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے اس بددیانت پر تباہ کن عذاب نازل فرمایا جس کے دو ہی اسباب تھے ایک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ان کا کفر و شرک اور دوسرے لین دین اور ناپ تول میں خیانت، حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں شر و فساد اور سکون وطمانیت میں اختلال کے محرکات میں سب سے بڑا محرک یہی ہے جب چند افراد کے بجائے پورا معاشرہ اور ساری قوم میں یہ وبا پھیل جاتی ہے تو اس سے ہزاروں برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ تجارت اور آپس کے لین دین میں دیانت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جب اس کو پامال کر دیا جاتا ہے اور قوم سے یہ وصف رخصت ہو جاتا ہے تو اس قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اس سلسلے میں متعدد احکام ہماری رہنمائی، راست بازی اور دیانت کے سبق آموز موجود ہیں۔ سورہ رحمٰن میں ارشاد فرمایا گیا جس میں ناپ تول کے سلسلہ میں واضح ہدایت موجود ہے۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ (سورۃ الرحمٰن: ۸،۹)

ترجمہ: ”اور تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ۔“

اس طرح ترازو میں ہیر پھیر کرنا جس کو عوام میں ڈنڈی مارنا کہتے ہیں۔ اس کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

سورۃ المطففین میں فرمایا گیا!

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْوَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝ (سورۃ المطففین)

ترجمہ: ”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان (لوگوں) کو ناپ کر (یا تول کر) دیں تو گھٹا کر دیں۔“

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت، بعثت، سے قبل اس قدر مشہور تھی کہ آپ کی دیانت کا شہرہ سن کر اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کاروبار تجارت سپرد کیا اور حضور علیہ تحیۃ والثنا کی دیانت کے باعث اس سال ان محترمہ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اس سے قبل کبھی اتنا فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کی یہ دیانت ہی اس امر کی محرک ہوئی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے ممتاز و مشرف ہوئیں! آپ کی بعثت کے بعد کافروں نے آپ پر گوناگوں الزام رکھے لیکن وہ یہ ہمت نہیں کر سکے کہ آپ کو خائن و کاذب کہہ سکیں بلکہ وہ آپ کو امین کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ایک عظیم دیانت دار تھے اور قوم کو اور امت کو بھی بار بار اس کا سبق دیا فرماتے ہیں۔

عن رافع بن خدیج قال قیل یا رسول اللّٰہ ای الکسب اطیب؟

قال عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرود ...... (مشکوٰۃ)

ترجمہ: ''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول سب سے زیادہ اچھا کسب (کمائی) کون سی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا (دستکاری) اور وہ تجارت جس مین تاجر بے ایمانی (بے دیانتی) اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔''

دیانت ایک ایسی فضیلت ہے جو معاشرہ کے لین دین میں اور تجارت میں بڑی اہمیت رکھتی ہے وہ قومیں جو بددیانت ہیں۔ کبھی فروغ نہیں پاسکتیں۔ افسوس کہ آج اس ہدایت کو ہم بھولتے جا رہے ہیں جس سے ہماری انفرادی اور قومی ساکھ کو دھچکا لگ رہا ہے۔

امانت

دیانت کی طرح امانت بھی ایک فضیلت یا حسن خلق ہے اس کا اطلاق بھی عموماً دیانت پر کیا جاتا ہے لیکن اس کا دائرہ تجارت تک محدود نہیں ہے بلکہ سماجی معاملات اور معاشرتی امور تک وسیع ہے۔ کسی نے آپ کی تحویل میں جو کچھ مال و متاع برائے تحفظ دیا ہے اس کو بجنسہٖ اور بعینہٖ اس شخص کو واپس کر دینا امانت ہے۔ امانت بڑی سے بڑی چیز سے بھی وابستہ ہو سکتی ہے اور معمولی سی معمولی چیز بھی امین (صاحب امانت) کے لئے اسی طرح اہم ہے جیسے گرانمایہ اور گراں بہا شی یعنی امانت کے لئے کسی چیز کی قیمت شرط نہیں ہے بلکہ سپردگی کے بعد اس کا تحفظ اور اس کی بعینہٖ واپسی امانت ہے۔

امانت کا تعلق جس طرح مال سے ہے اسی طرح قول و اقرار سے بھی ہے اور قانون و اخلاق سے بھی ہے۔ حق کی ادائیگی بھی امانت ہے، راز داری بھی امانت ہے دوسروں کے راز کو خود تک محدود رکھنا بھی امانت ہے، صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے، اپنی خدمات کو شرائط خدمات کے مطابق پورا پورا بجالانا بھی امانت ہے۔ یہ تمام تفصیلات احکامِ الٰہی میں اور شارع علیہ السلام کے ارشادات میں موجود ہیں۔

کوئی شخص آپ کے پاس اپنی کوئی چیز بغرض تحفظ رکھ دیتا ہے اس میں آپ کو ذرا سا بھی تصرف کا حق نہیں ہے اگر آپ رَتی بھر بھی تصرف کریں گے تو خائن قرار پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (سورۃ النسآء:۵۸)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے

حوالے کردیا کرو (جبکہ وہ طلب کریں)“

پاک باز اور نیک عمل مسلمانوں کی صفت ایفائے عہد کے ساتھ ساتھ امانتوں کے تحفظ کو بھی بتایا گیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ (سورۃ المومنون:۸)

ترجمہ: ”اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں (وعدہ پورا کرتے ہیں اور امانت لوٹا دیتے ہیں)“

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوراق اُلٹ کر دیکھئے آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کے جانی دشمن آپ کو ”امین“ کے لقب سے یاد کرتے تھے، مکی زندگی میں وہ کون سی ایذا تھی جو دشمنوں نے آپ کو نہیں پہنچائی بایں عداوت وہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے کہ ان کو آپ کی امانت پر بھرپور اعتماد تھا۔ شب ہجرت آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید کی تھی کہ صبح کو میری غیبت میں تم ان دشمنانِ دین وایمان اور ایذا پہنچانے والوں کی امانتیں ان کو واپس کر دینا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر بھرپور عمل فرمایا اور اعلان کر کے ان لوگوں کو بلایا جن کے اموال بطور امانت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں تھے۔ کمال امانت ودیانت دیکھئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، مجنون، شاعر کہنے والوں میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امانت میں خیانت کی۔

امانت ایک ایسا وصف اور فضیلت خلق ہے کہ ہر نبی اور رسول اس وصف سے متصف ہوتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری شریعت کے امین تھے۔ آپ سے زیادہ صاحب امانت اور کون ہوسکتا تھا۔

عدل

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ النحل:۹۰)

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔“

عدل کے معنی

عدل کے معنی لغت میں کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا ہے کہ کوئی حصہ بھی کم وبیش نہ ہو، عدل ہماری معاشرتی زندگی کا ایک اہم تقاضہ اور اس کو سنوارنے والا، اخلاق میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ قدیم اقوام کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان ظالم و جابر ارباب اختیار یا فرماں رواؤں کے یہاں عدل بالکل ناپید تھا۔

شریعت اسلام اور اسلامی نظام اخلاق میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور اس وصف نے اسلامی ریاست کے استحکام میں بڑا کام کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کہیں سر مو بھی عدل سے تجاوز، انصاف کرنے میں نہیں پائیں گے۔

عدل کی اہمیت اور خوبی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ ”عدل“ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ (سورۃ المومنون)

اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عدل کے معنی شرع میں حق و انصاف کے ہیں۔ عدل دو طرح کا ہے۔ عدل قولی اور عدل فعلی! عدل قولی کو حق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عدل فعلی کو انصاف

سے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے اس وصف کو متعدد جگہ ظاہر فرمایا ہے۔ ایک ارشاد باری تعالیٰ تو گزر چکا ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط (سورۃ الانعام:۱۱۶)

ترجمہ: ''تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نظامِ کائنات میں خود عدل قائم فرمایا۔ اس کی یہ بادشاہت پورے انصاف کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ اس کائنات میں اس کا عدل ہر آن و ہر ساعت جاری و ساری ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا م بِالْقِسْطِ ط (سورۃ آل عمران:۱۸)

ترجمہ: ''خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے (بھی یہ گواہی دی) وہی خدا انصاف کے ساتھ قائم ہے۔''

عدل کی ضرورت صرف حکمرانی اور سلطنت کے نظم و نسق ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ضرورت ہے اور جس شعبہ زندگی میں نظامِ عدل کا فقدان ہے وہ ابتری سے محفوظ نہیں رہ سکتا دنیا کا نظام اسی عدل پر قائم ہے جو قومیں تباہ و برباد ہوئیں وہ اسی نظامِ عدل کے قائم نہ کرنے سے ہوئیں۔ آپ مللِ قدیمہ کی تاریخ میں اس کا مطالعہ کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن فضائل اخلاق کو اپنانے کا حکم دیا ہے ان میں سب سے پہلے عدل و انصاف ہی کا حکم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ النحل:۹۰)

اس حکم میں عدل کو احسان پر مقدم کیا ہے۔ عدل کا تعلق قانون سے ہے اور جہاں

فرد سے اخلاق کا مطالبہ ہے وہاں اوّل نظامِ عالم کی مصلحت کے پیش نظر عدل کا حکم ہے اوراس کے بعد احسان کی تاکید کی گئی ہے۔ جب تک عدل کے ذریعہ اجتماعی زندگی نہیں سدھرے گی۔ اس وقت تک کسی فرد کا احسان مثمر خیر و برکات نہیں ہوسکتا ہے۔ احسان ایک فرد کا ذاتی عمل ہے اور عدل سے جماعت، قوم اور مملکت کی خیر و فلاح وابستہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان حکمران عدل پر قائم رہے دنیا میں ان کی سربلندی کے ڈنکے بجتے رہے لیکن جب وہ اس راہ سے ہٹے بحیثیت مجموعی پستی اور نکبت کا شکار رہے۔ شریعت نے اس قانون عدل کو ہر ہر قدم پر ملحوظ رکھا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں اس کا نفاذ کیا، قانون شریعت اسلامی میں عدل کے جو اصول اور مواد معین کئے ہیں ان کی اسلامی قانون میں وضاحتیں موجود ہیں۔ میں یہاں اختصار کے باعث ان کی تفصیلات میں نہیں جاسکتا۔

عدل یا انصاف دو نوع کا ہوتا ہے ایک عدل انفرادی یعنی وہ عدل جو فرد کی صفت ہے اور دوسرا عدل اجتماعی یا ملکی، عدل اجتماعی کے بارے میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام پیش کئے جاچکے ہیں۔ اب میں عدل انفرادی کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ عدل انفرادی جیسا کہ اس کی اضافت سے ظاہر ہے فرد سے تعلق رکھتا ہے یعنی ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کرنا ہے۔ ہر فرد کو جو حق پہنچتا ہے اور اس کو جو حق جماعت یا انفرادی زندگی میں پہنچتا ہے اس سے وہ بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس راہ میں کوئی اس کا مانع و مزاحم نہیں ہے لیکن وہ یہ فائدہ اس طرح اٹھا سکتا ہے کہ دوسرے کے حق پر آنچ نہ آئے۔ کیونکہ دوسرے کے حق کو نقصان پہنچانا منافی عدل ہے اور اس کا نام ظلم ہے۔

ایک تندرست و توانا شخص اپنی تندرستی و توانائی سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ توانائی کا غلط صرف یعنی چوری، نقب زنی، زبردستی کسی کا مال چھین لینا وغیرہ اسی لئے ظلم ہیں کہ اس عمل سے دوسروں کے حقوق کو نقصان پہنچتا ہے یا ان کی ادائیگی سے روکا جاتا ہے۔ وہ تاجر ظالم ہے جو پیمانہ کم کر کے دوسروں کو دیتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں

اس نے دوسرے کا حق مارا جو حق ادا کرنا تھا وہ ادا نہیں کیا۔

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (سورۃ ھود:۸۶)

ترجمہ: ''پیمانہ بھر کر دو اور ٹھیک انصاف کے ساتھ تولو۔''

مندرجہ بالا دونوں حکم ناپ تول، یعنی روزانہ کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہیں اور پورا پورا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معاشرہ جب اس روزمرہ کے معاملات میں سدھر جائے گا تو پھر یقیناً دوسرے امور میں بھی اس سے عدل و انصاف سرزد ہوگا! وزن اور پیمانوں میں کمی بظاہر ایک حقیر اور معمولی سی چیز ہے لیکن ظلم کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک پورے ملک اور ساری قوم کے لئے تباہی کا پیغام بن جاتی ہے۔

روزمرہ کے لین دین میں بعض اوقات تحریر کی ضرورت پڑ جاتی ہے اس کے لئے انصاف کی تاکید موجود ہے تاکہ یہ شعبہ بھی ظلم سے محفوظ رہے اور یہاں بھی عدل سے کام لیا جائے۔ سورۃ بقرہ میں یہ حکم موجود ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ اور تمہارے باہمی معاملہ کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے کہ کتابت میں عدل کے خلاف کرنا بھی آئندہ مفاسد کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جدال و قتال کی نوبت آتی ہے یا عدالت سے رجوع کیا جاتا ہے اس وقت تحریر کی موجودگی میں ایک فریق کو محض کاتب کے ظلم سے نقصان پہنچتا ہے۔

گواہی اور عدل

گواہی جس کو عرفِ عام میں شہادت کہا جاتا ہے اس میں بھی عدل کی بڑی ضرورت ہے۔ اس کے لئے بھی حکم موجود ہے اور ایک خاص نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ گواہی کی صورت میں دوستی اور قرابت کے لحاظ و پاس سے عدل کا سررشتہ ہاتھ سے چھوڑنا بھی عدل کے منافی ہے اور اس سلسلہ میں یہاں تک تاکید ہے کہ کسی کی عداوت یا دشمنی بھی تم سے جھوٹی بات زبان سے نہ نکلوائے اس کو سچی گواہی کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالنے دینا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ (سورہ مائدہ:۸)

ترجمہ: ''مسلمانو! خدا واسطے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔''

یعنی کسی کی دوستی اور محبت تم کو انصاف کی راہ سے نہ ہٹائے اور اسی طرح کسی کی دشمنی بھی تم کو انصاف سے مانع نہ ہو۔ یہی وہ درسِ انصاف تھا جس نے غیروں سے بھی اسلام کی انصاف پسندی کو منوا لیا، اسی عدل وانصاف کی بدولت بہت ہی کم مدت میں مسلمان دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکمران بن گئے۔ یہود ونصاریٰ بھی اپنے مقدمات فیصلے کے لئے سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور آپ کے فیصلوں کو بے چون وچرا قبول کر لیتے تھے۔

عدل وانصاف، دشمنی، دوستی اور محبت کی منزلوں سے گزارتا ہوا مسلمان کو ایک اور کٹھن منزل پر لے آتا ہے اور وہ دشوار گزار اور کٹھن منزل خود اس کی ذات ہے یعنی مسلمان اپنے نفس کے معاملہ میں بھی عدل وانصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے اور انصاف کا سررشتہ اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور عدل کے معاملہ میں کسی کی مفلسی یا غربت کا احساس اس کو غلط راستہ پر نہ ڈالے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت ہی کڑی منزل ہے لیکن سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ کی رہنمائی میں مسلمان اس کٹھن منزل سے بھی ثابت قدمی کے ساتھ گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا

فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْراًo (سورۃ النساء:۱۳۵)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو خواہ تمہاری گواہی کی زد (اس کا نقصان) تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار یا غریب ہو، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنے خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلوتہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔''

عدل کے سلسلہ میں حکم مندرجہ بالا کس قدر وقیع ہے اور کس طرح عدل کے خلاف ہر ایک پہلو کو واضح کر کے اس سے پہلوتہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ خود اپنی ذات اور والدین سے زیادہ اور کون عزیز ہو سکتا ہے لیکن بتا دیا گیا کہ عدل کی راہ میں نہ اپنی ذات کی اور نہ ماں باپ کی رعایت روا رکھو نہ عزیزوں اور قرابت داروں کی قرابت کا اس معاملہ میں پاس کرو۔ نہ تو انگر کی تو انگری سے مرعوب ہو کر عدل کی راہ سے ہٹو اور نہ کسی غریب کی غریبی تمہارے عدل میں حائل ہو۔ اسی طرح شہادت دینے میں توڑ مروڑ کر یا لگی لپٹی بات کہنے سے روکا گیا ہے۔

عدل شہادت کے سلسلے میں یہ جامع و مانع دستور العمل مسلمانوں کو دے دیا گیا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی قانون شہادت نہیں ہو سکتا۔ یہ قانون شہادت حقیقت میں ظلم کا قلع قمع کرنے والا ہے اور معاشرہ کو برائیوں سے پاک و صاف کرنے والا ہے۔ اسلام کے مانند جامع عدل و انصاف و گواہی کا قانون اور کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک شق دو گروہوں یا دو متخاصم جماعتوں میں فیصلہ کرنا بھی ہے۔ اس صورت حال میں بھی عدل و انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے۔ اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا!

''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے (گروہ) پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے تم بھی لڑو اور یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کر لے تو دونوں میں برابری کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف اور عدل کو پیش نظر رکھو (عمل کرو) بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو درست رکھتا ہے۔''

(سورۃ الحجرات:۹)

جس طرح عدل فرد اور جماعت کے لئے ضروری ہے یعنی انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اس کی تائید کی گئی ہے اسی طرح حکومت اور سلطنت کے کار پردازوں اور ان حضرات کے لئے جن کے ذمے فصل قضایا کی اہم ذمہ داری ہے بہت ہی ضروری اور لازمی ہے اس کے بغیر مظلوم کی دادرسی ممکن نہیں ہے چنانچہ اس سلسلے میں یہ واضح حکم موجود ہے۔

اِنَّ اللّٰـهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورۃ النسآء:۵۸)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں، امانت رکھنے والوں کے سپرد کرو اور یہ کہ جبکہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

اسی انصاف نے دشمنوں کے دل موہ لئے اور ان کو اسلام کے مذہب حق اور سچا دین ہونے کا یقین ہوا، اور ان کو اسلام کے دامن کے سوا اور کہیں امن و امان نظر نہ آئی اور چند ہی سال میں اسلام کے لاکھوں بدترین دشمن حیات طیبہ ہی میں اسلام کے وسیع دامن کے سائے میں آگئے۔ اسلام کا عدل، انسانیت کی ہر جہت کو محیط ہے وہ اس کی یا قوم کی معاشرتی زندگی ہو یا سیاسی یا معاشی احوال ہوں۔ ہر ایک گوشہ زندگی اسی عدل کی بدولت سنورتا ہے اور تابناک ہوتا ہے۔

بخاری شریف میں ایک حدیث مبارکہ ہے کہ

''قیامت کے روز جب خدا کے سایہ کے بجز کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ اس دن ساتھ شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا، سات میں ایک امام عادل ہوگا۔''

ایک اور حدیث میں عادل حکمران کا مرتبہ بتایا گیا ہے، ارشاد فرمایا گیا

عن عبداللہ بن العمرو بن العاصؓ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المقسطین عند اللہ علی منابر من نور عن یمین الرحمن و کلتا یدیه یمین الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وماولوا ...... (رواہ المسلم)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عادل منصف حاکم اللہ کے حضور میں نور کے منبروں پر خداوند تعالیٰ کے داہنے ہاتھ (طرف) پر ہوں گے اور خدا کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، وہ عادل حکمران جو اپنے احکام میں اپنے گھر والوں پر اور اپنی حکومت میں عدل کرتے ہیں'' .... (مسلم)

عدل کی راہ میں یہ چند امور رکاوٹ بنتے ہیں اور انصاف کرنے والے کو عدل کے راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ ان میں محبت اور ذاتی نفع کے تقاضے بہت نمایاں ہیں۔ اس سے قبل ایک ارشاد باری تعالیٰ پیش کر چکا ہوں جس میں یہ صراحت موجود ہے کہ اپنا ذاتی نفع یا نقصان یا محبت و شفقت کو عدل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنانا چاہئے۔ اکثر والدین اپنی اولاد کی دراز دستیوں اور زیادتیوں کو طرح دے جاتے ہیں۔ ایک شفیق دوست کی دوستی انصاف کے تقاضے پورا کرنے کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ذاتی منفعت کی تحریک دوسروں کے حقوق غصب کرنے پر اُکساتی ہے۔ یہ تمام امور منافی عدل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان محرکات سے محفوظ و مامون رکھے۔

احسان

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ النحل:۹۰)

عدل کے سلسلے میں کچھ تصریحات آپ کے مطالعہ سے گزریں، عدل ہی کے ساتھ ''احسان'' کا حکم دیا گیا ہے۔ احسان یا بھلائی کرنا، ایک ایسی جامع صفت ہے جس کا اطلاق ہر نیکی پر ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کی مختلف الوقوع صورتوں کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ اس سلسلہ میں خود باری تعالیٰ نے ایک کلیہ ہماری رہنمائی کے لئے پیش فرمادیا ہے تاکہ ہم اس راہ میں افراط و تفریط کا شکار نہ ہوں، فرمایا گیا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (سورۃ المائدہ:۲)

ترجمہ: ''نیکی اور تقویٰ (کاموں میں) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو لیکن گناہ اور برائیوں میں تعاون مت کرو۔''

اس حکم سے ظاہر ہے کہ اچھائی اور پرہیزگاری کے کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرو اور ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ، پس یہ احتیاط رکھنا ضروری ہے کہ تمہاری یہ بھلائی، نیکی اور تعاون گناہ کے کاموں میں اور برائیوں میں نہ ہو۔ ورنہ یہ بھلائی کرنا بھی غارت ہوگا اور تم بھی مجرم بنو گے۔ پس بھلائی اور احسان کی ایک عام صورت یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ نیک کاموں میں ایسا سلوک کرنا جس سے ان کو سکون اور آرام ملے احسان ہے۔

احسان بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے اس صفت سے (بلا

تشبیہ و تمثیل) انسان کو بھی بہرہ ور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے احسانات حیطہ شمار میں نہیں آ سکتے۔ پس انسان یہ خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرح اس کی مخلوق پر احسان کرے۔

احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور ان کو ان کی بھلائی اور احسان کا اجر عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (سورۃ توبہ:۱۲۰)

ترجمہ: ''بے شک اللہ احسان کرنے والوں کی مزدوری (اجر) برباد نہیں کرتا۔''

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (سورۃ آل عمران:۱۳۴)

ترجمہ: ''اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''[۱]

اللہ تعالیٰ نے احسان کے مستحقین افراد سے اپنے بندوں کو آگاہ فرما دیا ہے اور اس کی حکمت کے قربان کہ ایسی ترتیب اس حکم میں بیان فرمادی ہے جو معاشرہ کے سدھارنے میں بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے اور فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔''

ارشاد فرمایا ہے

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ

---

[۱] محسنین کے اجر کے سلسلے میں بورۃ بقرہ میں ۳ آیتیں، آل عمران میں ۲، سورۃ المائدہ میں ۲، سورۃ الانعام میں ۱، سورۃ الاعراف میں ۲، سورۃ التوبہ میں ۲، سورۃ ھود میں ۱، سورہ یوسف میں ۵، سورۃ الحج میں ۱، سورۃ القصص میں ۱، سورۃ العنکبوت میں ایک جگہ محسنین کے اجر اور ان کی پذیرائی کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ لقمان میں ایک جگہ، سورۃ الصفت میں ۴ جگہ محسنین کے عمل، احسان پر پذیدگی کا اظہار باری تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ عمل احسان اس کی بارگاہ میں کس قدر مقبول اور پسندیدہ ہے۔ کتاب کے اوراق کی تنگ دامنی کے باعث میں ان تمام آیات یعنی ۳۲ آیات کو پیش نہیں کر سکا ہوں۔ میں نے حوالے پیش کر دیے ہیں۔ مطالعہ فرمائیں۔

الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (سورۃ النسآء:۳۶)

ترجمہ: ''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھے برتاؤ (حسن سلوک) سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسائے سے، ہم نشیں دوست اور مسافر اور لونڈی، غلاموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں احسان کا معاملہ برتو۔''

اس ترتیب میں فطرت انسانی کے تقاضے کو بڑی خوبی سے پورا کیا گیا ہے اور معاشرت میں ان مستحقین سلوک کے ساتھ حسن سلوک عظیم خیر و برکات کا مثمر ہے۔ نیکی اور بھلائی گھر سے شروع ہو کر تمام افراد معاشرہ کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کر کے نوع انسانی کے دلوں کو موہ لیا۔ احسان نیک عمل کا ایسا درجہ ہے جس میں پوری قابلیت، اہلیت اور اپنے تمام وسائل صرف کرنا اور دل و جان سے اس کی تعمیل کرنا اصل مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک بندہ اپنے تمام وسائل کو اس حکم کے تحت کام میں لاتا ہے تو خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب احسان کے اس مفہوم سے بالکل نا آشنا تھے۔ ان کی شاعری میں اس کا ذکر ضرور ہے لیکن عملی اعتبار سے تو وہ اس کو بھی تجارت سمجھتے تھے اور احسان کے بدلے ہر وقت احسان کے منتظر رہتے تھے اور اگر احسان کا بدلہ احسان سے نہیں ملتا تھا تو پھر وہ ہجو پر اُتر آتے تھے۔ مسلمانوں نے احسان کے اس کلیہ پر عمل پیرا ہو کر کمزوروں کو سہارا دیا۔ غریب رشتہ داروں کو غربت اور نکبت سے رہائی نصیب ہوئی۔ یتیموں کی بے چارگی دور ہوئی اور ان کو بھی معاشرے میں زندہ رہنے کا حق مل گیا۔ غلاموں کی حالت سدھر گئی آقا اور غلام میں اسی احسان کی بدولت محبت اور اخوت پیدا ہوئی۔ ان کو معاشرے میں تحصیل علم کے مواقع نصیب ہوئے اور ان کو وہ بلند

درجہ اور مرتبہ اس علم کی بدولت حاصل ہوا کہ مسلمان ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے۔ ایسے محدثین کی فہرست بہت طویل ہے جن کے نسب پر شومیٔ قسمت سے ''غلامی'' کی چھاپ لگی تھی لیکن مسلمانوں کے اس حسن سلوک اور احسان نے ان کو وہ مواقع فراہم کر دیئے کہ وہ دنیائے علم کے (بحیثیت محدث ومفسر وفقیہہ) تاجدار بن گئے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ اسی اخلاقی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

قصور والوں کے قصور کو معاف کر دینا (بشرطیکہ وہ اجرائے حد کے دائرے میں نہ آتے ہوں) اور ان کی خطا کاری کے مقابل میں اپنے غصہ کو پی جانا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں احسان کا درجہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے محبوب بندوں میں شمار کرتا ہے۔

قرض کا معاف کر دینا یا قرض دار کو ادائیگی قرض کے لئے مہلت دینا بھی احسان ہے۔ اسی نیکی اور بھلائی نے اسلامی معاشرہ کو بڑی تقویت پہنچائی۔ الغرض احسان کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے۔ بھلائی اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے والی نیکی کا ہر کام اس کے دائرے میں آ جاتا ہے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں بہت سے ارشادات مروی ہیں جن میں ان تمام طبقات کے افراد کے ساتھ احسان کرنے کے بارے میں تاکید اور اس کا اجر بیان فرمایا ہے جو سورۃ النسآء کی آیت ماسبق میں بیان ہوئے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کے افراد اس راہ پر گامزن ہو جائیں تو ہمارے معاشرے میں بھی وہ خدا شناسی، خدا بینی، فلاح وصلاح پیدا ہو جائے جو صدر اسلام میں تھی۔

تواضع وخاکساری

تواضع کبر کی ضد ہے اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے اور اسی کی صفت ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

(سورۃ الجاثیہ: ۳۷)

ترجمہ: ''اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے''

تواضع کا یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان پستی اور دنائت کو چھونے لگے اور اپنی خودی کے تقاضوں سے دست بردار ہو جائے بلکہ تواضع سے مراد اخلاقیات میں تکبر اور غرور سے بچنا ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول مکرم کو یہ تعلیم دی کہ کافروں اور مشرکوں کے ظلم و زیادتی کے مقابلہ میں عفو و درگزر سے کام لیں اور مسلمانوں کے ساتھ نہایت شفقت، مہربانی اور تواضع سے پیش آئیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ الحجر: ۸۸)

ترجمہ: ''اور مسلمانوں کو اپنے رحمت کے پردوں میں لے لو۔ (شفقت سے پیش آؤ) اسی تواضع کا ایک دوسری جگہ اس طرح حکم دیا گیا۔''

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ الشعراء: ۲۱۵)

ترجمہ: ''اپنا بازو جھکا رکھو ان کے لئے جو ایمان والے تمہارے ساتھ ہیں۔''

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حلم و تواضع کے صدہا واقعات

موجود ہیں۔ مومنین کے ساتھ رافت ومحبت اور حلم وتواضع کا برتاؤ تو الگ بات ہے آپ تو کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بھی حلم اور تواضع سے پیش آتے تھے ہاں جہاں میں آپ نے اس حلم وتواضع سے منع فرمایا ہے کہ اس موقع پر اس کے اظہار سے کم ہمتی و پستی پیدا ہوتی ہے اور وہ ایسی جگہ مضر ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا یہ وصف بہت پسند ہے۔ اسی لئے عبادت میں خضوع و خشوع کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تواضع کو اپنے خاص بندوں کا وصف بتایا ہے اور ان کو عباد الرحمٰن کے معزز وصف سے متصف فرمایا ہے۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (سورۃ الفرقان:۶۳)

ترجمہ: ''اور رحمت والے خدا کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی اور فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کریں تو ان کو سلام کریں اور الگ ہو جائیں۔''

ماں باپ کے ساتھ اولاد کو اسی فروتنی اور عاجزی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ ان سے بات کرنے میں کبر اور بڑائی کا شائبہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (سورہ بنی اسرائیل:۲۴)

ترجمہ: اور (اے بندے) ماں باپ کے لئے عاجزی کا بازو مہر ومحبت سے جھکا دے۔

یعنی ان کے ساتھ مہر ومحبت کے باعث عاجزی اور فروتنی کا اظہار کیا۔

جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کی ہیں اور سورۃ لقمان میں ان کو بیان کیا ہے۔ اس میں اس فروتنی اور تواضع کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ

صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (سورۃ لقمان: ۱۸،۱۹)

ترجمہ: ''اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رُخ پھیرا نہ کر اور تو زمین میں اتراتا نہ چل بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا ہوا، اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بیشک سب آوازوں میں بری آواز گدھوں کی ہے۔''

آیات بالا میں تواضع کے جو مختلف مظاہر بیان فرمائے گئے۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تبختر و تکبر سے گفتگو میں کام نہ لیا جائے۔ بے رُخی کے ساتھ بات کرنا بھی تکبر کی نشانی ہے۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلا جائے بلکہ چال میں میانہ روی ہو اور فروتنی کا اظہار ہوتا ہو کیونکہ یہ اتراتا پن ہے اور اللہ کو یہ اترانا پن پسند نہیں ہے۔ اسی طرح آواز میں کرختگی نہیں ہونی چاہئے کہ اس سے غرور کا پتہ چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ غرور کو پسند نہیں فرماتا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب بات کہی ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

تواضع کا اظہار بلند مرتبہ اور صاحبانِ جاہ و منصب سے اگر ہو تو یہ پسندیدہ بات ہے یعنی فضیلت خلق ہے اگر بے چارا منگتا اور گدا اس خاکساری کا اظہار کر لے تو یہ کوئی خوبی نہیں کہ یہ فروتنی نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کی فطرت اور طینت ہے۔ صرف جہاد میں اس فروتنی اور تواضع سے کام لینا منع ہے کہ اس سے جماعت مجاہدین کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور فتح شکست سے بدل سکتی ہے چنانچہ اس موقع پر اسلام نے بجائے فروتنی کے کبر کو پسند کیا ہے۔

عفوودرگزر

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (الشوریٰ:۲۵)

ترجمہ: ''اور وہی (اللہ) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی برائیوں کو معاف فرماتا ہے۔''

پس عفوودرگزر اس کی شان ہے اور وہ ذات جو بندوں پر ان کے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے اگر عفوودرگزر سے کام نہ لے تو پھر خطا کاروں کا کہاں ٹھکانہ ہے! اسی لئے اس کی شانِ رحیمی نے اپنے بندوں کے لئے عفوودرگزر کو اپنایا ہے اور ہم کو بھی اس عفو درگزر سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ o (سورۃ آل عمران:۱۳۴)

ترجمہ: ''اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عفوودرگزر کا ایک پیکرِ عظیم تھے۔ آپ نے اپنے دشمنوں کو ہمیشہ معاف فرمایا، جو لوگ آپ کی جان کے دشمن تھے اور جن کی عداوت کے باعث آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا ان سے بھی آپ نے عفوودرگزر سے کام لیا۔ فتح مکہ کے روز جب یہی جانی دشمن پورے طور پر آپ کی گرفت میں تھے اور آپ نہایت آسانی سے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لے سکتے تھے اس موقع پر بھی بجائے غیظ وغضب کے آپ نے درگزر سے کام لیا اور فرمایا۔

تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ "اذھبوا انتم الطلقا"
یعنی آج تم پر کوئی گرفت اور باز پرس نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔
کیا دنیا معافی اور درگزر کی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟
معافی اور درگزر کی فضیلت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تم دوسروں کے قصور معاف کرو اور درگزر سے کام لو میں تمہارے قصور معاف کر دوں گا۔
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ النور:۲۲)
ترجمہ: "اور (مسلمانوں کو) چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"
عفو و درگزر کی جزا اس سے عظیم تر اور کیا ہو سکتی ہے کہ عفو و درگزر کرنے والے کی خطاؤں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے، عفو و درگزر کی جزا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے اور کتنی دل نشین ترغیب ہے۔
اللہ تعالیٰ نے مومنین کی دوسری صفتوں کو جس طرح بیان فرمایا ہے اسی طرح معافی اور درگزر کو بھی ان کی صفت قرار دیا ہے۔
وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○ (سورۃ الشوریٰ:۳۷)
ترجمہ: "اور جب ان کو غصہ آئے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔"
یعنی غیظ و غضب میں آ کر انتقام نہیں لیتے بلکہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔
سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام اور دعوت توحید میں یہودیوں اور مشرکوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بسا اوقات ایسی صورت حال پیش آ جاتی تھی کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے سیرت طیبہ میں اس عفو و درگزر کے حیرت انگیز متعدد واقعات موجود ہیں اور ایسے اہم اور نازک مقام اس سلسلے میں آ گئے ہیں جہاں عفوو

درگزر انسان کے بس کی بات نہیں لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مواقع پر بھی عفوو درگزر سے کام لیا اور مسلمانوں کے لئے ایک بہت ہی بلند مثال قائم فرمائی۔ آپ نے مسلمانوں کو بھی صبر و تحمل کا حکم دیا اور کافروں کی برائی کا جواب بھلائی سے دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝

(سورۃ المومنون:۹۶)

ترجمہ: ''اور بدی کا دفعیہ (توڑ) ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو اور وہ جو کچھ تمہاری نسبت کہتے ہیں وہ ہم کو خوب معلوم ہے۔''

اس حکم کی مزید توضیح اور عفو و درگزر کا حکم اس ارشاد باری میں موجود ہے اور یہودیوں کے جوڑ توڑ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی جو تدابیر وہ کرتے تھے اس کی وضاحت ہے!

وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ (سورۃ البقرہ:۱۰۹)

اللہ تعالیٰ نے عفوو درگزر کے سلسلے میں ایک ایسا کلیہ بیان فرمادیا ہے کہ معاشرے میں اس کے نتائج کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور وہ کلیہ یہ ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورۃ الجاثیہ:۱۵)

ترجمہ: ''یعنی جس نے اچھا کیا وہ اس نے اپنے بھلے کے لئے کیا اور جس نے برا کیا اس نے خود اپنا برا کیا، پھر تم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ (جہاں اچھائی اور برائی کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا)''

لیکن یہ عفوو درگزر حقوق العباد کے سلسلے میں ہے، حقوق اللہ میں عفوو درگزر کا حق

بندے کو نہیں دیا گیا ہے کہ اپنے حق کے اتلاف کو وہی معاف کر سکتا ہے کوئی دوسرا اس کا مجاز نہیں۔ اسی بنا پر کفر و شرک اور عصیانِ الٰہی ایسی خطائیں ہیں جن کے عفو و درگزر کے مسلمان مجاز نہیں۔ اسی طرح جہاد (کفار سے قتال) بھی اللہ کا حق ہے۔ مسلمانوں نے جس راہ میں عفو و درگزر کو اپنا شیوہ نہیں بنایا وہ معاملہ دین کا ہے۔ واضح طور پر فرما دیا گیا کہ نفاذ حدود میں رافت و عفو و درگزر سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

سورۃ نور کی آیت ۲ میں ارشاد کیا گیا ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ الآیہ

ترجمہ: "یعنی زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارو، اور تم کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے۔"

مدنی زندگی میں منافقین کی ریشہ دوانیاں، سازشیں اور اسلامی اصلاحی تحریک کو زک پہنچانے کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے۔ ان کی خطائیں اور جفا کاریاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے ناقابل برداشت بن جاتی تھیں اور وہ بارگاہ رسالت سے اذن کے طالب ہوتے کہ ان کو قتل کر دیا جائے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مواقع پر بھی ان حضرات سے عفو و درگزر کے لئے فرماتے اور خود بھی معافی اور درگزر سے کام لیتے۔ عبداللہ ابن ابی کی منافقانہ سازشیں اسلام کی مدنی زندگی کا ایک نہایت ہی دل خراش باب ہے لیکن سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر عفو و درگزر کو اپنایا اور اس عفو و درگزر کے بڑے ہی دُور رس نتائج بر آمد ہوئے۔

عفو و درگزر کا وہ مرحلہ بہت ہی سخت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی کی عزت و ناموس پر حملہ کرتا ہے۔ واقعہ اِفک میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار مسطح بھی شریک تھے جن کی کفالت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب بہتان تراشی میں وہ شریک ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی کفالت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ بارگاہِ الٰہی سے وحی نازل ہوئی۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

(سورۃ النور:۲۲)

ترجمہ: ''اور تم میں سے جو لوگ صاحب احسان (فضل) اور کشادہ روزی ہیں۔قرابت والوں، محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی امداد) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ چاہئے کہ ان کے قصور معاف کردیں اور ان سے درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حسب سابق ان کی مالی امداد پھر فرمانے لگے لیکن ایک طرف ان کی خطا سے معافی و درگزر کا حکم ہوا اور دوسری طرف ان مسلمانوں پر حد قذف جاری کی گئی جن کی اسلام کے لئے بڑی خدمات تھیں لیکن وہ اپنی سادگی اور سہل انگاری کے باعث واقعہ افک میں ملوث ہوگئے تھے اور اس کی تشہیر کا موجب ہوئے تھے۔

عفو و درگزر ایک اخلاقی کمال ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینا جماعت کا قانون ہے لیکن حد سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔طاقت اور قوت انتقام کے باوجود عفو و درگزر ایک شیوہ مرضیہ ہے یعنی مسلمان یہ قدرت اور قوت رکھتا ہے کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے لے لیکن اس قوت اور طاقت کے باوصف وہ معاف کر دیتا ہے۔یہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝ (سورۃ الشوریٰ:۴۰)

ترجمہ: ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے اس پر بھی جو معاف کر دے اور

صلح کرے تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

اسلام نے عفو و درگزر میں اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے۔ طاقت اور قوت رکھتے ہوئے عفو و درگزر خودداری کے منافی نہیں۔ خودداری تو وہاں مجروح ہوتی ہے کہ برائی کا بدلہ لینے کی طاقت بھی نہیں تو سوائے عفو و درگزر کے کیا چارہ۔

عفو و درگزر کے سلسلہ میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات گرامی موجود ہیں۔

درگزر اور معافی کا اجر

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) یا ربّ من اعز من عبادك عندك ! قال من اذا قدر غفر

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا "اے میرے رب تیرے نزدیک بندوں میں سے کون سا بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ بندہ جو بدلہ لینے کی قدرت رکھتے ہوئے معاف کردے۔"

وقار و تمکنت اپنے اندر پیدا کرنے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینے اور احسان کرنے کے سلسلہ میں ترمذی میں یہ جامع حدیث موجود ہے۔

"حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر شخص کی پیروی کرنے والے نہ بنو۔ یوں نہ کہو کہ اگر لوگ میرے ساتھ احسان کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ بلکہ اپنے اندر وقار و تمکنت، تحمل اور بردباری پیدا کرو۔ اگر لوگ احسان کریں تو احسان کرو اور اگر برا کریں تو تم ظلم نہ کرو۔"

ایثار

ایثار سخاوت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے یعنی دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا اور یہ بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار منزل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اس منزل سے بھی آسانی سے گزر جاتے ہیں۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) تو پیکر ایثار تھے خود بھوکے رہتے اور دوسرے بھوکے بندوں کو شکم سیر کراتے۔ اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کی ضرورت پوری کرتے۔ ہجرت کے بعد جب مہاجرین کرام بے سروسامان سرزمین مدینہ میں پہنچے تو انصار کرامؓ کے بے مثال ایثار نے ان کو سہارا دیا اپنے مال و متاع میں ان کو شریک کیا۔ اپنے کھیت اپنے باغ اپنے مکان مہاجرین کو پیش کر دیئے! غیور مہاجرین نے جب سنبھالا لیا اور تجارت و حرفت کے ذریعہ اپنا پیٹ بھرنے لگے تو یہ کھیت اور باغات اگرچہ ان کو واپس کر دیئے گئے لیکن ان حضرات نے واپسی کی توقع پر یہ عمل نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا۔ اس لئے بارگاہ الٰہی میں ان کے اس عمل کی پذیرائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی تعریف فرمائی۔

سورۃ حشر کی آیت (۶) میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور ان کے اس ایثار کی جزا کو اس طرح ظاہر فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى

اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ۖ وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (سورۃ الحشر: ۹)

ترجمہ: ''اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جنہوں نے (مہاجروں کی آمد سے قبل) اس مقام (مدینہ) میں اور ایمان میں جگہ پکڑی اور محبت رکھتے ہیں اس سے جو اپنا گھر چھوڑ کر ان کے پاس چلا آیا اور ان (مہاجروں) کو دیئے جانے سے دل میں کوئی مطلب نہیں رکھتے (کوئی رشک نہیں پاتے) اور اپنے اوپر تنگی (فاقہ) ہی کیوں نہ ہو ان (مہاجر بھائیوں) کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیکر ایثار تھے۔ سائل کو کبھی منع نہیں فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفتہً و ہدیۃً کوئی چیز پیش ہوتی اور حضور اکرم کو اس کی اس وقت شدید ضرورت بھی لاحق ہوتی جب بھی آپ بے تامل طلب کرنے والے کو وہ چیز عطا فرما دیئے۔

اکثر ایسا ہوتا کہ کاشانۂ نبوت میں کھانے پینے کا کچھ سامان نہ ہوتا اور مہمان آ جاتا تو آپ اس مہمان کو صحابہ کرام میں سے کسی کے سپرد فرما دیتے اور وہ میزبانی کا شرف حاصل کرتے لیکن اس طرح کہ خود کو اور اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر مہمان کا شکم سیر کراتے۔ اس جذبۂ ایثار نے جس کے لئے کوئی حد معین نہیں ہے۔ صدر اسلام میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کو بڑی حد تک دُور کیا۔ آئے دن کفار مکہ مدینہ منورہ پر یورشیں کرتے اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم ہوتا کہ خورد و نوش کا سامان بہم پہنچانا بھی مشکل ہوتا لیکن جذبہ ایمانی ان کو ایثار کی راہ دکھاتا اور وہ اپنا سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر رکھ دیتے۔

ایثار کا ثواب اور اجر آخرت میں سخاوت سے کہیں زیادہ ہے اس لئے کہ سخاوت

میں تو انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے دوسروں کو وہ چیز یا مال وزر دے دیتا ہے جو اس کی احتیاج وضرورت سے زیادہ ہوتا ہے لیکن ایثار میں جیسا کہ آغاز کلام میں کہا گیا ہے کہ وہ خود حاجت رکھتے ہوئے اپنی حاجت پوری کرنے والی چیز بے تامل دوسروں کو دے دیتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہم نے کبھی تین دن (مسلسل) شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حالانکہ ہم کھا سکتے تھے لیکن ہم ایثار کیا کرتے تھے۔''

آپ کی صحبت کی برکت سے یہ وصف صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں بھی پیدا ہو گیا تھا اور آپ کی اتباع نے عامۃ المسلمین کو بھی اس ایثار کا درس دیا لیکن رفتہ رفتہ ہم اس وصف خاص کو ہاتھ سے کھوتے چلے گئے اور آج ایثار تو کیا سخاوت بھی نام ونمود کے لئے کی جاتی ہے جو رائیگاں جاتی ہے۔ ایثار کے سلسلہ میں متعدد حکایات وواقعات کو پیش کیا جا سکتا ہے جو تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ اس لئے میں اس سے صرف نظر کرتا ہوں۔

شجاعت

شجاعت ایک بہت ہی اہم فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفتیں بیان فرمائی ہیں ان میں قدیر، قوی، قادر، مقتدر، قوی، جبار، قاہر، غالب اور عزیز بھی اپنی صفات قرار دی ہیں اور کوئی بھی ان صفات میں اس کا مثیل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات قدرت و جبروت، قہر و غلبہ سے اس نے اپنی مہربانی اور کمالِ رافت سے بندوں کو بھی کچھ حصہ مرحمت فرمادیا ہے۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیرووں اور متبعین میں شجاعت و بہادری کے وصف کو بروئے کار لانے کا حاسہ بیدار کیا ہے۔ اسلام سے قبل اسی قوت غضبی کے اعتدال سے بہت ہی کم کام لیا گیا۔ اسلام سے قبل اس وقت سے دوسروں کا استیصال، کمزوروں پر ظلم و ستم، جنگ و جدال اور خونریزی ہی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس لئے نیک طینت لوگ بھی خیال کرتے تھے کہ اس جذبہ کو فنا کر دیا جائے۔ اصل میں یہ اس قوت یا جذبہ کا قصور نہیں تھا بلکہ قصور تھا اس کے غلط استعمال کا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اصلاح عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان کی تعلیمات نے اس قوت کے غلط اور صحیح استعمال کا ایک میزان مقرر فرمایا اور اس قوت کو آپ نے سراہا اور یہ تعلیم دی کہ معاشرہ سے برائیوں کے استیصال کا کام اس وقت سے لینا چاہئے حق کے قیام میں اس کو بروئے کار لانا اور اسی کی مدد سے باطل کو مٹانا چاہئے۔ نیکی اور صلح و آشتی بجائے خود اچھی چیزیں ہیں لیکن اگر یہ قوت موجود نہ ہو تو ظلم و ستم کا مقابلہ اور باطل قوتوں کا استیصال کس طرح ہوسکتا ہے۔ ان برائیوں اور باطل قوتوں کے مقابلہ میں اس جوہر مردانگی کو کام میں لانا ہی جہاد ہے اس ارشاد باری میں............

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

میں صابرین کے یہ معنی نہیں کہ سختی اور تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کر کے بیٹھ رہیں اور مدافعت کی کوشش نہ کریں بلکہ اس کے معنی ہیں ''ثابت قدم'' رہنے کے، ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے اور ایسا عمل کرنے والوں کو متقی کہا گیا ہے۔ مسلمانوں کا یہی وصف تو تھا جس نے تمام عرب وعجم کو زیر کر لیا اور صرف عرب وعجم ہی نہیں بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک ان کے زیر نگیں آگئے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو باری تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ○ (سورۃ الانفال:۱۵)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔''

مسلمانوں میں جذبہ شجاعت کی قوت نافذہ ان کا ایمان تھا۔ یہی ایمان اس شجاعت اور بہادری کی روح ہے۔ اسی جذبہ ایمان کی قوت نافذہ نے مسلمانوں میں شجاعت کے لئے ایسے جوہر پیدا کر دیئے تھے جس کی بدولت گنتی کے مسلمانوں نے کفر و طغیان کی وہ ساکھ جو ہزاروں اور لاکھوں افراد کے زور اور بل پر بندھی تھی۔ آن کی آن میں توڑ کر رکھ دی۔ غزوات کی تاریخ اس پر شاہد ہے میں ان واقعات کا یہاں اعادہ نہیں کروں گا۔

میدان جنگ میں ثبات قدم بھی بہت ضروری ہے اگر چند افراد کے میدان سے پاؤں اکھڑ جائیں تو اس کے بڑے ہی مضر اثرات دوسروں پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسی لئے ثباتِ قدم کی تاکید کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال:۴۵)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم کو کسی گروہ سے (جہاد) میں مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔''

یہی ذکر الٰہی ان کی طمانیت، سکونِ خاطر اور ثبات قدم کا پشتیبان بن جاتا تھا اور اس طرح جان توڑ کر مقابلہ کرتے کہ کافروں کے پاؤں اکھڑ جاتے، ان مسلمانوں کی اس ثبات قدم، شجاعت اور کافروں کے مقابلہ میں ان کی بہادری کو اس طرح سراہا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (سورۃ الفتح:۲۹)

ترجمہ: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں پر بہت زور آور اور قوی ہیں۔''

بہادری اور شجاعت بدن کی فربہی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ دل کی وہ طاقت ہے جس کا مدار ایمان پر ہے لیکن بایں ہمہ اسلام نے مادّی اور جسمانی شجاعت پیدا کرنے سے بھی منع نہیں فرمایا ہے لیکن مسلمان کی شجاعت کی بنیاد اس جسمانی طاقت پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد صحیح ایمان اور غیر متزلزل یقین ہے۔ یہ فضیلت شجاعت اس اساس پر جب تک قائم رہی مسلمان دنیا کی اقوام پر غالب رہے اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی بشارت کے بہترین نتائج سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔

مکارم اخلاق کے سلسلے میں بہت کچھ عرض کر چکا ہوں اور متعدد فضائل اخلاق کے بارے میں قرآن حکیم کے احکام اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر چکا ہوں۔ مسلمان جب ان فضائل اخلاق کو اپناتا ہے تو ان سے مزید محاسن و مکارم اخلاق اس کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً صاحب ایثار میں اس کے ایثار کی صفت کے باعث رفق و ملاطفت پیدا ہو جاتی ہے اور استغناء کا وصف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایثار ہی توکل کا درس دیتا ہے۔ وہ خوش کلامی کا خوگر ہوتا ہے۔ مرد شجیع میں استقامت اور پامردی اس میں صفت

شجاعت پیدا کر دیتی ہے۔ صادق سے حق گوئی کے سوا اور کوئی کلام سرزد نہیں ہوتا۔ یہ تمام مکارم اخلاق ان فضائل اربعہ ہی کی انواع ہیں جن کی صراحت میں نظام اخلاق کے سلسلے میں کر چکا ہوں۔

حلم و بردباری، رفق و ملاطفت، خوش کلامی، اعتدال و میانہ روی، خودداری یا عزت نفس، صبر و توکل، استغناء وغیرہ یہ تمام مکارم اخلاق ان ہی فضائل اربعہ کی انواع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس پر عمل کا حکم دیا ہے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ان محاسن و مکارم اخلاق کی آئینہ دار ہے اور سلسلے میں آپ کے ارشادات موجود ہیں۔

یہی اسلام کا وہ نظام اخلاق تھا جس نے بہت تھوڑی مدت میں دلوں کی کایا پلٹ دی۔ دشمن دوست بن گئے، جان کے درپے آزار جاں نثاری میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی آرزو کرنے لگے۔ مال و زر کے دام محبت میں گرفتار ان ہی مکارم اخلاق سے جب متاثر ہوئے اور ان خوبیوں کو اپنایا تو ایثار کے پیکر بن کر نمودار ہوئے۔ صبر و قناعت کے ایسے خوگر ہوئے کہ حرص و ہوا ان سے کترانے لگے اور نانِ جویں پر قناعت ان کی عادت ہوگئی۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے لیکن ان کے توکل نے ان اموال پر کبھی حرص و طلب کی نظر نہیں ڈالی۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ فاضلہ کا سبق اپنے اسوۂ حسنہ سے ایسا دل نشیں کر دیا تھا کہ اس کو کسی آن بھی انہوں نے فراموش نہیں کیا۔ فراموش کرنا کیا کہ خود دوسروں کو ان مکارم کا سبق اپنے قول و فعل سے دیتے رہے اور دنیا میں سربلندی حاصل کرتے چلے گئے اور آخرت کے اجر کی ان کے حساب میں ذخیرہ اندوزی ہوتی رہی۔ ان حضرات نے ان مکارم اخلاق کو عقل کے پیمانوں سے کبھی نہیں ناپا بلکہ اپنے خالق کا حکم اور اپنے رہبر و رہنما کا ارشاد گرامی سمجھ کر ان کو اپنایا، جہاد فی سبیل اللہ میں اگر جاں نثاری اور جاں سپاری کو عقل کے پیمانے سے ناپا جاتا تو مسلمان اس طرح کفن بردوش غزوات و میدانِ جنگ میں دس کے مقابلہ میں اکیلا کس طرح نبرد آزما ہو سکتا تھا۔ وہاں تو معاملہ تھا

عشق ومحبت کا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اور عشق ومحبت میں پہلا سبق ہی یا پہلی شرط اطاعت ہے۔ مسلمانوں کو بتادیا گیا تھا اور آج بھی یہ درس، درس تازہ ہے کہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (سورۃ النسآء:۸۰)

ترجمہ: ''جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

جب تک مسلمانوں نے اس سبق کو نہیں بھلایا سر بلندی ان کے قدم چومتی رہی۔ معاشرہ فلاح وصلاح سے آراستہ و پیراستہ ہوتا رہا اور جیسے جیسے ہم اس راہ سے ہٹے گئے پستی میں گرتے چلے گئے۔ اور آج ہمارے معاشرے کی تمام خرابیوں کی اصل اور اس کی اساس ہماری یہی بے عملی ہے۔ درسِ اخلاق موجود ہے۔ دعویٰ محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہے لیکن عمل مفقود ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مکارم اخلاق کے بجائے ہم رذائل اخلاق کے خوگر ہو گئے ہیں کون سی اخلاقی برائی ایسی ہے جس کی چھاپ ہم پر نہیں لگی ہے۔ الا ماشاء اللہ! ہم کو جن اخلاقی رذائل سے روکا گیا تھا اور جن سے کنارہ گیر ہو کر ہم فوز وفلاح کی بلندیوں پر پہنچ گئے تھے۔ آج ہم ان ہی رذائل کا شکار ہیں اور انہی برائیوں کے خوگرد عادی ہیں۔ ان رذائل اخلاق پر نظر ڈالئے۔ ان کی گھناؤنی تصویر دیکھئے اور پھر اس کے نتیجے میں دنیا و دین دونوں کا خسران دیکھئے ان پر عمل پیرا ہو کر سب سے اوّل تو ہم معصیت الٰہی کی اس مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں جس کی سزا سے بچنا دشوار ہے۔ دین کا گھاٹا تو اپنی نظروں سے اوجھل ہے لیکن اس گھاٹے سے خبردار کر دیا گیا ہے پھر جس کی محبت کے ہم داعی ہیں اس دعویٰ کی صداقت کس طرح تسلیم کی جائے کہ ہمارے قول وفعل دونوں ہی اس کا بطلان کر رہے ہیں۔ فضائل اخلاق کے سلسلہ میں اللہ

تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی اور ہم کو سیدھا راستہ دکھایا اسی طرح رذائل کے گمراہ کن اور ہلاکت آفریں نتائج سے بھی باخبر کردیا ہے۔

قرآن حکیم میں رذائل اخلاق کے لئے لفظ رذائل استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ان برے اخلاق کے متعدد ایسے صفاتی نام لئے گئے ہیں جن سے ان کا برا ہونا ظاہر ہوتا ہے ان کو سیئہ، منکر، فاحشہ یعنی سوء، مکروہ (ناپسندیدہ) خطاء اثم اور عدوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ ناپسندیدہ عمل اور کون سا ہوسکتا ہے جو باری تعالیٰ کے حضور میں اور داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں مکروہ، منکر اور خطاو گناہ ہے۔ رذائل اخلاق کے لئے یہ تمام الفاظ قرآن حکیم میں استعمال ہوئے ہیں لیکن لفظ منکر زیادہ استعمال ہوا ہے۔ یہ تمام رذائل فرد کے لئے بھی اور معاشرہ کے لئے بھی تباہ کن ہیں جب معاشرے کے افراد ان برائیوں میں گھر جاتے ہیں تو معاشرہ سے صلاح وفلاح رخصت ہو جاتی ہے۔ کس قدر بدنصیب ہے وہ قوم جس کے افراد برائی کو برائی سمجھتے ہیں لیکن صرف زبان سے کہتے ہیں اگر اس کے برا ہونے پر یقین ہوتا تو پھر وہ برائی عملی جامہ نہیں پہن سکتی تھی۔

برائیاں اور بداخلاقیاں معاشرہ میں یک بارگی سب کی سب پیدا نہیں ہوتی ہیں بلکہ رفتہ رفتہ یہ بڑھتی جاتی ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ہر طرف برائیاں پھیل جاتی ہیں اور پوری قوم اس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ باستثنائے چند، جب قوم کے قدم برائیوں میں اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو خدا کے نیک بندے ان کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں لیکن ان کی اس آواز کو بے وقت کی راگنی کہہ کر سننا گوارا نہیں کیا جاتا۔ دنیا کی لذتیں ان کی قوت تمیز کو اس طرح مردہ کر دیتی ہیں کہ پھر وہ برائی کو برائی ہی نہیں سمجھتے، بس جب دروغ وعدہ خلافی، خیانت و بددیانتی، رشوت، غداری دغا بازی، بے حیائی، بہتان تراشی، چغل خوری، غیبت، چوری، ڈاکہ، جبر و استحصال معاشرے کے افراد کے رگ وپے میں سرایت کر جائے تو فوز وفلاح کی توقع کرنا بے سود وعبث ہے۔

رذائل

دروغ

رذائل میں بہت سی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کا سر چشمہ دروغ یا جھوٹ ہے اسی سے ہر قسم کی قولی اور عملی برائیاں ظہور میں آتی ہیں جھوٹا اپنی ذات کے لئے ہی برائی اور خرابیوں کا بیج نہیں بوتا بلکہ اس کا خراب اثر اس کی اولاد، رشتہ داروں اور بڑھتے بڑھتے تمام معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ بارگاہ الٰہی میں اس کا جرم نا قابل معافی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ○ (سورۃ المومن:۲۸)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ تعالیٰ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو بے باک جھوٹا ہو۔‘‘

جھوٹا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔ یہودیوں، کافروں، منافقوں اور شیطان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم بتایا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ مسلمان کو سوائے اس کذب کے مستحق لعنت قرار نہیں دیا ہے۔ اس سے بڑی بدبختی ایک مسلمان کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ مستحق لعنت قرار دیا جائے۔

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ (سورۃ النور:۷)

ترجمہ: ’’اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔‘‘

منافقوں کے جھوٹے ہونے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت بھی پیش فرمائی۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ○ (سورۃ المنافقون:۱)

ترجمہ: ’’اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔‘‘

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ منافق کی پہچان تین باتیں ہیں جب کہے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے، جھوٹے بات کہنا، وعدہ کر کے پورا نہ کرنا تو قولی جھوٹ ہے اور امانت میں خیانت عملی جھوٹ ہے۔

جھوٹ تنہا ایک برائی نہیں بلکہ اس ایک برائی سے انسان میں بہت سی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جس کا ہم کو آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اسلام نے جھوٹ کی تمام خطرناک اور فتنہ انگیز صورتوں کو ان کے مدارج کے لحاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ایک ارشاد گرامی ہے کہ

''یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی (برادرِ دینی) سے ایک جھوٹی بات کہو حالانکہ وہ تم کو سچا سمجھتا ہو''

جھوٹ کی سب سے خطرناک صورت وہ ہے جس سے کسی کے ننگ و ناموس پر حرف آتا ہو۔ لوگوں کے حقوق تلف ہوتے ہوں اور ایک صالح معاشرتی نظام میں خلل واقع ہوتا ہو۔ ایسے جھوٹ کو بجائے کذب کے ''زور'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ○ (سورۃ الحج:۳۰)

جھوٹی شہادت، بہتان اور اتہام تراشی یہ تمام رذائل ''زور'' میں شامل ہیں ''زور'' کی قباحت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو ''شرک'' کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ زور، کذب، بہتان، معاشرہ کے لئے ناسور کا حکم رکھتے ہیں اور اس سے ایک صالح نظام حیات کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

''جھوٹ'' کی آفت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''دروغ نفاق کا ایک دروازہ ہے۔''

جھوٹ'' ہر فرد کے لئے موجب ننگ و عار ہے چنانچہ مشہور بزرگ ابن سماک کہتے

ہیں کہ

''میں جھوٹ اس وجہ سے نہیں بولتا کہ مجھے اس (راست گوئی) پر اجر ملے گا بلکہ میں اس وجہ سے جھوٹ نہیں بولتا کہ مجھے اس سے ننگ و عار آتی ہے۔''

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کہا ہے کہ ''جھوٹ زبان کی آفت ہے'' جھوٹ کی بدترین صورت جھوٹی قسمیں کھانا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ اسی لعنت میں بری طرح گرفتار ہے۔ روزانہ معمولی سی معمولی بات پر قسم کھا کر اس کی راستی کا یقین دلاتے ہیں۔ اپنے قول پر خدا کو شاہد بناتے ہیں۔ دراصل اس طرح قسمیں کھانے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ لوگ اس کی بات پر یقین نہیں رکھتے۔ بس وہ اپنی بات پر یقین دلانے کے لئے قسمیں کھاتا ہے اور اس طرح قسمیں کھانے سے اس شخص کا جھوٹ خود بخود کھل جاتا ہے۔ اس طرح قسمیں کھانے والے کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح مذمت فرمائی ہے۔ اور اس کی بات ماننے سے منع فرمایا ہے اور اس کو ذلیل کہا ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ (سورۃ القلم: ۱۰)

ترجمہ: ''اور بہت زیادہ قسمیں کھانے والے ذلیل (شخص) کا کہنا نہ مان۔''

خیانت

خیانت جس کو عام طور پر بد دیانتی کہا جاتا ہے اس کے معنی ہیں ایک فرد کا حق جو کسی دوسرے فرد کے ذمہ واجب الادا ہو۔ اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنا بد دیانتی یا خیانت ہے۔ اگر کسی شخص کی کوئی چیز کسی کے پاس بطور امانت رکھی ہو، اس میں بے جا تصرف کرنا، اس چیز میں سے کچھ خرچ کر دینا، کسی کو دے دینا یا امانت رکھنے والا جب اپنی امانت واپس طلب کرے تو اس کو واپس نہ کرنا یا اس چیز کی شکل وصورت بگاڑ دینا یہ تمام باتیں خیانت میں داخل ہیں۔ اسی طرح کسی کی پوشیدہ بات کسی کو معلوم ہے وہ اس کو کسی دوسرے پر ظاہر کر دے یہ بھی خیانت ہے۔ اپنے فرائض منصبی کو جو حکومت کی طرف سے یا نجی طور پر کسی کے ذمے ہیں ان کو پورا پورا بجا نہ لانا بھی خیانت ہے۔ اسی طرح کوئی ایسی بات کرنا جس سے قوم کو یا حکومت کو یا کسی شخص کو بغیر وجہ نقصان پہنچانا یا اس کے قاعدے کے خلاف کام کرنا بھی خیانت ہے۔ اسی کو غداری کہا جاتا ہے جب وہ ملک و ملت کے خلاف ہو اور اگر اس کا تعلق فرد سے ہے تو اس کو دغابازی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح قول وفعل کا تضاد یعنی زبان سے کچھ کہنا اور عمل اس کے خلاف کرنا بھی خیانت ہے۔ اسلام نے ان تمام خیانتوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے، مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال: ۲۷)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ باہمی

امانتوں میں جان بوجھ کر بددیانتی کرو، اور تم تو جانتے ہو۔''

اللہ اور اس کے رسول کا اقرار کر کے اس اقرار کو پورا نہ کرنا بھی خیانت ہے یعنی اللہ اور رسول کے احکام بجا نہ لائے جائیں۔ یہ دین کی خیانت ہے۔ ملت کی خیانت یہ ہے کہ ملت کے راز دشمنوں تک پہنچائے جائیں اور در پردہ ان کی مدد کی جائے۔ باہمی امانتوں میں خیانت کرنا اللہ کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (سورۃ النسآ: ۵۸)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ادا کر دیا کرو۔''

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی کہ تم کافروں اور مشرکوں کی وہ امانتیں واپس کر دینا جو میرے پاس بطور امانت انہوں نے رکھی ہیں۔ امانت رکھنے والا خواہ مسلمان ہو یا مشرک اور کافر، اس کی امانت واپس کرنے کا حکم صریح موجود ہے۔ اس میں دوست یا دشمن کی تخصیص نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کو ایک بہت ہی برا باطنی ساتھی فرمایا ہے۔ صحیحین میں ایک ارشاد گرامی کے بارے میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اور دعا مانگتے تھے۔

''الٰہی مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت برا اندرونی ساتھی ہے۔''

خیانت معاشرے میں بہت سی برائیوں کو پیدا کرتی ہے۔ سب سے پہلے تو اس سے دو شخصوں کے درمیان عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے پھر یہ عداوت ایذا رسانی اور ظلم و ستم، دھوکہ دہی اور فریب کاری کے راستے پر لگا دیتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے خیانت سے روکا ہے تاکہ معاشرہ کی فوز و فلاح میں خلل واقع نہ ہو۔

خلف عہد یا وعدہ خلافی

وعدہ خلافی ایک ایسا خلق ذمیمہ ہے جس کی برائیاں بادی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں لیکن ایک قوم کا کردار اور افراد کا اخلاقی معیار اسی سے جانچا جاتا ہے کسی قوم کی عزت اسی وقت دوسرے کرتے ہیں۔ یا اس کے افراد کو سراہتے ہیں جو اپنے وعدے کے سچے ہوتے ہیں۔ وعدہ ایک ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔ عہد کی اس سے زیادہ اہمیت کیا ہو سکتی ہے کہ ایزد تبارک وتعالیٰ حساب وکتاب کے وقت اس کی باز پرس فرمائے گا۔ اس کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (سورۃ بنی اسرائیل: ۳۴)

ترجمہ: ''بے شک وعدہ کی باز پرس ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بھی ایفائے عہد کا بار بار اظہار فرمایا ہے اور اس کو اپنی عظمت کی نشانی گردانا ہے۔

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرہ: ۸۰)

حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (سورۃ الرعد: ۳۱)

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ (سورۃ الحج: ۴۷)

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الروم: ۶)

فرما کر اس امر کو موکد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا ہے۔ اس سے

ظاہر ہے کہ ایفائے عہد کی کتنی عظمت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفائے عہد کی سخت تاکید فرمائی ہے اور وعدہ خلافی کو منافق کی نشانی بتایا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی صراحت اس طرح فرمائی گئی ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝ (سورۃ التوبہ:۷۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا ہے جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا۔ اس سبب سے سو انہوں نے اللہ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔

۱- جب بولے جھوٹے بولے۔

۲- جب وعدہ کرے خلاف کرے (اس کو پورا نہ کرے)

۳- اور جب امانت دار بنایا جائے تو امانت میں خیانت کرے۔ (بخاری و مسلم)

اس سلسلہ میں مزید ارشادات گرامی موجود ہیں۔

ہمارے معاشرے میں وعدہ خلافی جیسے عظیم روگ اور خلق رذیلہ کو ایک معمولی سی بات سمجھ لیا گیا ہے جس کا مشاہدہ آئے دن ہر شخص کو ہوتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری قوم اور معاشرہ سے اس برائی کا خاتمہ کر دے۔

بخل

بخل بھی جھوٹ کی طرح بہت سی برائیوں کی اساس ہے۔ یہ سخاوت کی حد تفریط ہے اسی سے انسان میں بددیانتی، خیانت، بے مروّتی، حرص و ہوس، بے رحمی، بدسلوکی اور پستی (دنأت) کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے جھوٹ کی طرح اس کی بھی شدت سے مذمت کی ہے۔

بخل سے صلہ رحمی پر کاری ضرب لگتی ہے معاشرہ کا ہر فرد آسودہ حال نہیں ہوتا۔ بہت سے ایسے افراد ہوتے ہیں جو وسائل کی نایابی اور جسمانی کمزوری کی بنا پر تنگ دست ہوتے ہیں۔ ننگے بھوکے رہتے ہیں۔ یتیموں کی حالت اور بھی زبون وزار ہوتی ہے۔ معاشرہ کی اسی خرابی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا ہے۔ بخل مسلمان کو انفاق فی سبیل اللہ کی راہ پر چلنے میں مانع ہوتا ہے۔ بخیل ننگے بھوکے لوگوں کو دیکھتا ہے۔ محتاجوں کی حالت زار اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے لیکن اپنی دناءت طبع، حرص، لالچ، کم ہمتی اور مال وزر کی محبت بے اندازہ کے تحت وہ ان ضرورت مندوں کی ضرورت پوری نہیں کرتا اور صاحب مال کے اس بخل سے معاشرہ میں طرح طرح کی برائیاں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بخل کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

(سورۃ آل عمران: ۱۸۰)

ترجمہ: ''اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی بلکہ یہ بات (بخل) ان کے لئے بہت ہی بری ہے۔ عنقریب قیامت کے دن وہ جس میں بخل کیا تھا، ان کے گلے کا طوق ہوگا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بخل کی برائی دوزخ تک پہنچانے والی ہے جو عمل کی جزا و سزا پر یقین نہ رکھنے کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ بخل درحقیقت ان ہی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے جو اعمال کی جزا و سزا پر دلی اعتماد نہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اعمال کی پاداش اور جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتا ایسا شخص اپنے مال و زر کو دوسروں پر آسانی سے خرچ نہیں کرسکتا۔

بخل کی مذموم صفت پر ایک اور وعید یہ ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝

(سورۃ محمد: ۳۸)

ترجمہ: ''ہاں! تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ سو بعض تم میں سے ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔''

اپنے مال کو جوڑ جوڑ کر رکھنا اور اس کو خدا کی راہ میں بخل کے باعث خرچ نہ کرنے کے

بدلے دوزخ میں ڈالا جانا یقینی ہے۔ ویل لکل ھمزة لمزة۞

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۞ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۞ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ۞ (سورۃ الھمزہ:۲ تا ۴)

منقول ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے ابلیس کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ تیرا بڑا دشمن کون ہے اور زیادہ دوست کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زاہد بخیل میرا سب سے بڑا دوست ہے کیونکہ وہ محنت سے عبادت کرتا ہے لیکن اس کا بخل اس کی عبادت کو برباد کر دیتا ہے اور اس کو ناچیز بنا دیتا ہے اور فاسق سخی میرا سب سے بڑا دشمن ہے وہ اچھا کھاتا ہے، اچھا پہنتا ہے اور عیش کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کے باعث اس پر رحم فرمائے اور اس کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے......

(احیاء العلوم امام غزالیؒ)

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں کہتے ہیں کہ بخل کے سلسلہ میں میرا نظریہ اور مسلک یہ ہے کہ جو شخص نان پز کو روٹی اور قصاب کو گوش محض اس لئے پھیر دے کہ وزن میں کم ہے ایسا شخص بخیل ہے اور جس شخص پر قاضی نے زن و فرزند کا نفقہ مقرر کر دیا ہے وہ زن و فرزند کو اتنی ہی مقدار میں دے اور اس میں تھوڑا سا اضافہ بھی روا نہ رکھے وہ بخیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بخل کو دل کے میل سے تعبیر فرمایا ہے۔

اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ۞

(سورۃ محمد:۳۷)

پس حقیقت میں بخل یہ ہے کہ جو شے اس کے پاس دینے کے لائق ہو وہ طلب کرنے والے کو نہ دے۔ حق تعالیٰ نے مال کو ایک حکمت کے تحت پیدا کیا ہے جب حکمت الٰہی کا منشاء یہ ہے کہ مال اس کی راہ میں دیا جائے پس نہ دینا بخل کی علامت ہے اور دینے کے لائق وہی شے ہے جس کو دینے کا شرع یا مروت حکم دے اگرچہ مروت کے واجبات اور حد مروت کے تقاضے جدا جدا ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں بخل مذموم ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بخل کی مذمت میں بہت ہی جامع ہے

عن ابی هريرة قال، قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا يجتمع الشبح والايمان فی قلب عبدا بدا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرص، بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں ہرگز جمع نہیں ہوتے۔ (نسائی)

غیبت

کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی نسبت یا اس کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس کو ناگوار گزرتی ہو، اگرچہ کہنے والا سچ بات ہی کیوں نہ کہتا ہو وہ غیبت ہے اگر وہ بات کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں کہی گئی ہے دروغ اور جھوٹ ہے تو پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ ایسی ہی بات جس سے کسی کی برائی ظاہر ہوتی ہو خواہ اس کا تعلق اس کے قول و فعل سے ہو یا اس کی شخصیت کے بارے میں ہو غیبت میں داخل ہے۔

اسلامی نظامِ زندگی میں اس مقصد کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں اور ایک دوسرے کے قول و فعل سے دوسروں کا ننگ و ناموس محفوظ رہے۔ ہر اس بداخلاقی کا جائزہ لیجئے جس کی شریعت نے روک تھام کی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے اس میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ باہمی تعلقات میں اختلاف و ناگواری پیدا نہ ہو۔

سورۃ الحجرات کی ان آیات میں مجموعی طور پر ان چند بداخلاقیوں (اخلاق ذمیمہ) کو بیان کر دیا گیا ہے جو معاشرہ کو صالح بنانے اور صالح معاشرہ کے بگاڑ کا باعث ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۝

(سورۃ الحجرات: ۱۱ تا ۱۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! نہ تو مردوں پر ہنسنا چاہئے کہ عجب ہے (کہ جن پر) ہنستے ہیں وہ ان ہنسنے والوں سے خدا کے نزدیک بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی برا ہے اور جو ان حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچا کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو (ایک دوسرے کے راز نہ ٹٹولو) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا، تم خود اس کو ناگوار سمجھتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

آیات محولہ بالا میں متعدد گناہوں (رذائل) کو بیان فرمایا گیا ہے جس میں غیبت کو خاص طور سے صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔ غیبت اور بہتان ایک دوسرے سے بہت قریب قریب ہیں۔ ذیل کی حدیث پر غور کیجئے جس میں غیبت اور بہتان کی صراحت ہے اور منع کیا گیا ہے۔

ذکرك اخاك بمايكره قيل ارأيت ان كان فی اخی؟ قال ان كانه فيه ما تقول فقد اغبتته وان لم يكن فيه ما تقول نقد بهته

(مسلم وابوداؤد)

ترجمہ: ''(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے کہ اس کو ناگوار گزرے، عرض کیا گیا کہ اگر

میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو تو اس صورت میں آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔"

ان ارشادات سے واضح ہے کہ کسی شخص کے پیچھے کوئی الزام لگانا بہتان ہے اور اس کے واقعی عیبوں کو بیان کرنا غیبت ہے خواہ اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد یہ فعل بہر صورت حرام ہے۔ البتہ کسی شرعی ضرورت میں اس کو رخصت ہے۔

غیبت زبان سے کہنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے اور کنایوں سے بھی ہے۔ یہ سب صورتیں حرام ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت کے بارے میں ہاتھ کے اشارے سے میں نے کہا کہ فلاں عورت پست قد ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے غیبت کی ہے تم تھوک دو جب میں نے تھوکا تو منہ سے سیاہ خون کا لوتھڑا نکلا۔

غیبت سے بہت سے مفاسد کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اتحاد اور اتفاق کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ عداوت اور دشمنی کو فروغ حاصل ہوتا ہے جس سے معاشرہ کے سکون میں خلل پیدا ہوتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن کر ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے ہیں۔

آج معاشرے میں یہ غیبت بہت عام ہے چار آدمی جہاں بیٹھے بس دوسروں کی برائیاں شروع ہو گئیں یا تو بہتان طرازی ہو گی یا پھر غیبت، سخن چین اس داستان کو اس تک پہنچاتے ہیں جس کی غیبت کی گئی ہے۔ اس طرح دلوں میں نفاق وشقاق پرورش پاتا ہے اور رشتہ اخوت کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ معاشرہ میں روگ اور فساد برپا کرنے والے اس عظیم گناہ سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ و مامون فرمائے۔

رشوت

(لینا اور دینا)

رشوت ستانی اور رشوت دہی ہمارے معاشرے میں مدتوں سے گھر کئے ہوئے ہے۔ یہ سو دو سو سال پرانی بات نہیں ہے بلکہ اس بدخلقی اور ناہنجاری پر قرنیں گزر چکی ہیں۔ اسلام سے قبل کاہنوں اور مشرکوں کے روسأ اور سردار جو مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے وہ مالداروں سے ان کے حق میں فیصلہ کرنے کے لئے نذرانے قبول کرتے تھے۔ عرب جاہلیت میں اس حرام نذرانہ کو حلوان کہتے تھے۔ اسلام نے اس کو حرام قرار دیا۔ یہودیوں میں ان کے احبار اس رشوت خوری کے بہت عادی تھے۔ انہوں نے تو اس رشوت کی بدولت صحیفہ الہامی ''تورات'' میں تحریف کر ڈالی اور ایسے اکثر احکام تورات سے نکال دیئے جس کی زد ان زر پرستوں اور امراء پر پڑتی تھی۔ قرآن حکیم کے اس ارشاد میں ان کے اسی کرتوت کی پردہ دری کی گئی ہے اور دردناک عذاب کی وعید بھی سنادی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○ (سورۃ البقرہ:۱۷۴)

ترجمہ: ''خدا نے کتاب سے جو اتارا ہے اس کو جو لوگ چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعہ معقول معاوضہ (معقول قیمت) حاصل کرتے ہیں، اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ ان سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لئے (تو) دردناک عذاب ہے۔"

غلط طریقے اور باطل کی شکل میں ایک دوسرے کا مال کھانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اس کا اطلاق کمائی کے تمام ناجائز طریقوں پر ہوتا ہے۔ رشوت بھی اسی کی ایک صورت ہے کہ حق نہ رکھتے ہوئے کسی کا مال کھایا جائے ارشاد فرمایا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (سورۃ النساء: ۲۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیں کوئی تجارت جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔"

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠

(سورۃ البقرہ: ۱۸۸)

ترجمہ: "اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے (ان کو اس غرض سے) پیش کرو کہ تم کو دوسروں کے مال (ظالمانہ طریقے سے) کھانے کو مل جائیں اور تم جان رہے ہو۔"

رشوت کی ممانعت کا واضح حکم اس ارشاد باری میں موجود ہے۔ معاشرے میں رشوت کے اس لین دین سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ برائیوں کے دروازے اسی رشوت نے کھولے، ظلم وستم اسی رشوت کی بدولت روا ہو گیا۔ ناانصافیوں نے اسی کی کوکھ سے جنم لیا۔ مسلمان ہمیشہ اس سے نفرت کرتا رہا لیکن جب دنیا کی محبت نے، زر و مال کی الفت نے اس کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تو وہ ان احکام الٰہی کو

فراموش کر بیٹھا اور رفتہ رفتہ وہ اس کا ایسا عادی ہوا کہ اس رشوت میں اور کسب حلال میں تمیز کو بھلا بیٹھا اور افسوس اس بات کا ہے کہ یہ گھناؤنا جرم روز افزوں ہے۔ یہ لعنت بجائے ختم ہونے کے معاشرے میں بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ رشوت کھانے والے کی اس سے زیادہ مذمت اور کیا ہوگی کہ واضح طور پر فرما دیا گیا ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (سورۃ المائدہ: ۴۲)

ترجمہ: ''جھوٹ کے بڑے سننے والے اور حرام کے بڑے کھانے والے۔''

رشوت حقوق العباد کی ادائیگی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ رشوت کے بل بوتے پر لوگ دوسرے کے حقوق تلف کرا کر اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا گھناؤنا جرم ہے کہ اگر معاشرہ میں اس کے انسداد کی مخلصانہ کوششیں نہ کی گئیں تو یہ ہم کو اور ہمارے معاشرے کو تباہی کے آخری کنارے پر پہنچا دے گا۔

عدل و انصاف کی بربادی میں رشوت کا بڑا ہاتھ ہے۔ عدل کے سلسلے میں آپ کے مطالعہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ انصاف کے معاملہ میں اگر اپنی ذات پر یا اپنے اقربا پر بھی زد پڑ رہی ہو ان کا نقصان بھی ہوتا ہو تو اس کو بخوشی قبول کر لینا چاہئے اور عدل کے راستہ سے نہیں ہٹنا چاہئے۔ ادائے حقوق کا ایک تقاضا یہی عدل ہے اس کو قرابت داری، دوستی، افسر شاہی اور ماتحتی، اور دولت کے لین دین کی رعایتوں اور ناروا عمل سے برباد نہیں کرنا چاہئے۔

آج ہمارے معاشرے میں جرائم کے دروازے جس طرح کھلے پڑے ہیں ان کا سب سے اہم سبب یہی رشوت لینا اور دینا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی سخت وعید و عذاب کی تنذیر کا آپ مطالعہ کر چکے۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار

''رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال کو رعایا سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے سے سختی

سے منع فرمایا تھا کہ یہ بھی عمال کے لئے ایک طرح کی رشوت ہے۔

جب تک مسلمان ادائے حقوق میں سختی سے کاربند رہے۔ رشوت کے سوتے بند رہے اور جب اتلاف حقوق کا دروازہ کھل گیا تو رشوت کی بھی گرم بازاری ہوگئی۔ حق رسی کی صورت میں دادرسی کے لئے حاکم کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ عدالت سے رجوع تو اتلافِ حق کی صورت میں ہوتا ہے اور حرام کا مال کھانے والا، پھر حرام کا مال کھانے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لعنت سے ہمارے معاشرے کو پاک وصاف فرمائے۔

اسلامی معیشت کے سلسلے میں سود کی برائیاں اور اس سے پیدا ہونے والے مضرات ونقصانات کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ اخلاق رذیلہ میں اور بہت سے اخلاق داخل ہیں۔ غیظ وغضب، نفاق، ریاکاری، خودبینی وخودنمائی، اسراف بدخواہی، فحش گوئی، مداحی اور خوشامد حرص وطمع، ناپ تول میں کمی، یہ سب رذائل اخلاق ہیں۔ میں صفحات کی تنگ دامانی کے باعث ان سب کو بیان نہیں کر سکا ہوں۔ بس ان چند رذائل اخلاق کی وضاحت پر اس عنوان کو ختم کر رہا ہوں۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کا سیاسی نظام

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حکمت و دانائی اور بصیرت تامہ لازمہ نبوت تھی اور یہ کسبی نہیں بلکہ توفیقی تھی۔ آپ کی یہ دانائی اور بصیرت نبوت اپنے تاثر اور اثر آفرینی میں بے مثل و بے عدیل تھی اور آج تک اپنی فعالیت میں منفرد ولاثانی ہے۔

آپ نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی سرگرمیوں اور ان کے شاندار اور خوش آئند نتائج کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات محتاج دلیل نہیں رہتی کہ اس سرزمین ک و مستقر بنانے کے بعد تعلقات و تعلیمات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دائرہ صرف ''مومنین'' تک محدود نہیں رہا تھا۔ اگر یہ روابط صرف مسلمانوں تک محدود ہوتے تو ان کے لئے قرآن حکیم اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطہ ہائے حیات کی موجودگی میں کسی اور منشور یا دستاویز کی ضرورت ہی کیا تھی۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت نبوت کے لئے مسلمانوں کے بین الاقوامی تعلقات جو مستقبل قریب میں ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ پردۂ خفا میں نہیں تھے۔ آپ مشاہدہ فرما رہے تھے کہ مسلمان کسریٰ کی سرزمین کے مالک ہوں گے۔ روم کی سرزمین ان کے قدم چومے گی۔ مصری ان کی فرمانروائی پر ناز کریں گے اور پھر ربع مسکوں کا بیشتر حصہ ان کے زیر نگین ہوگا۔ اس لئے بصیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ''میثاق مدینہ'' کی صورت میں اسلام کے سیاسی نظام کی ایک ایسی بنیاد رکھ دی کہ جب مسلمان من حیث

القوم دنیا کے بیشتر حصے کے فرمانروا ہوں گے۔ اس وقت بھی ''میثاق مدینہ'' ان کی رہنمائی کا ضامن وکفیل ہوگا۔

''میثاق مدینہ'' کی ہمہ گیری، گراں مائیگی اور اس کے دوررس صالح نتائج کے سلسلے میں ملک کے مشہور دانشور پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد صاحب کے بسیط اور محققانہ مقالہ ''اسلامی ریاست کا نشو وارتقاء'' سے یہ چند سطور آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں تاکہ آپ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر کی اس ہمہ گیری سے وقوف حاصل کرسکیں جو اس میں جلوہ گر ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

''اس کی وجہ سے ایک طرف تو قبائلی طوائف الملوکی کا خاتمہ اور نسلی اور مذہبی لحاظ سے بے حد متضاد و منتشر افراد ایک نظم میں پرو دیئے گئے اور دوسری طرف تاریخ عرب میں پہلی بار اتحاد و سالمیت کا عجیب وغریب مظاہرہ یہ ہوا کہ اسی منشور مدینہ نے ایسے لوگوں کو جو نہ کبھی کسی قوتِ قاہرہ کے سامنے جھکے تھے اور نہ جنہوں نے کسی مرکزی نظم واقتدار کا جوا اپنے گلے میں ڈالا تھا۔ ایک قانون، ایک ضابطے اور ایک نظم پر متفق و متحد کردیا۔ تمام مرکز گریز قوتیں ایک کل میں ضم ہوگئیں۔ سارے امتیازات جاہلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام باشندوں کے حقوق کو یکساں قرار دے دیا گیا۔ غرض وہاں کے تمام عناصر کے تعاون واشتراک سے مدینے میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم ہوگیا جو آگے چل کر دنیا کے تمام نظام ہائے سیاست کے لئے نظیر بن گیا۔''

ولہازن لکھتا ہے کہ

''مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں شہر مدینہ میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو لا محالہ اختلافات کو جنم دیتا ہے بلکہ دین کی بنیاد پر جس کا اطلاق ہر فرد پر

یکساں ہوتا ہے۔''

اقتباس از

اسلامی ریاست کا نشو وارتقا

تصنیف پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد

اسلامیات اور سیرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر محققانہ نظر رکھنے والے پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنی بلند پایہ کتاب ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' میں میثاق مدینہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر کو حرم مقدس منوالینا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاسی کارنامہ تھا اور اس طرح ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی۔ شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں وکثیر الاجناس آبادی کو ایک لچکدار اور قابل عمل دستور کے تحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا کہ وہ بعد میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی دقت کے صدر مقام بھی ہو گیا۔''

اقتباس از

عہد نبوی میں نظام حکمرانی

میثاق مدینہ پر ان دو محققین حضرات کی آراء بڑی گرانقدر ہیں اور چند سطروں میں ایک وسیع موضوع کو سمیٹ دیا ہے۔ میں اب اس سلسلے میں مزید کچھ عرض نہیں کروں گا بجز اس کے کہ میثاق مدینہ کا متن اور اس کا ترجمہ آپ کے مطالعہ کے لئے پیش کروں۔

وما توفیقی الا باللہ

میثاق مدینہ کا متن

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

هذا كتاب من محمد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بين المومنين و المسلمين من قريش و يثرب و من تبعهم فلحق بهم و جاهد معهم، انهم امة واحدة من دون الناس المهاجرون من قريش على ربعتهم يتعاقلون بينهم وهم يفدون عافيهم بالمعروف والقسط بين المومنين و بنو عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولیٰ، و كل طائفة تفدی عاينها بالمعروف والقسط بين المومنين و بنو الحارث على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولی، و كل طائفة منهم تفدی عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين و بنو ساعدة على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولیٰ، و كل طائفة تفدی عافيها بالمعروف والقسط بين المومنين و بنو جشم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولیٰ، و كل طائفة منهم تفدی عافيها بالمعروف والقسط بين المومنين و بنو النجار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولیٰ و كل طائفة منهم تفدی عافيها بالمعروف والقسط بين المومنين، و بنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولیٰ، و كل طائفة تفدی عاينها

بالمعروف والقسط بين المومنين، و بنو النبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى، و كل طائفة تفدى عافيها بالمعروف والقسط بين المومنين و بنو الاوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولى و كل طائفة منهم تفدى عافيها بالمعروف والقسط بين المومنين و ان المومنين لا يتركون مفرحا بينهم أن يعطوه بالمعروف في فدا او عقل، و ان لا يحالف مومن، مولى مومن دونه و ان المومنين المتقين علىٰ من بغي منهم أوابتغى وسيعه ظلم أواثم أوعد و ان أوفساد بين المومنين وان أيديهم عليه جميعا ولو كان ولدأحدهم ولا يقتل مومن، مومنا في كافر ولا ينصر كافراً على مومن، وان ذمه اللّٰه واحده يجير عليهم أدناهم و ان المومنين بعضهم موالى بعض دون الناس وأنه من تبعنا من يهود فان له النصرو الاسوه غير مظلومين ولا متناصرين عليهم وان سلم المومنين واحده لا يسالم مومن، دون مومن في قتال في سبيل اللّٰه الا على سواء وعدل بينهم، وان كل غازيه غزت معنا يعقب بعضها بعضاً، و ان المومنين يبى بعضهم عن بعض بما نال دماء هم في سبيل اللّٰه، وان المومنين المتقين على أحسن هدى و أقومه وانه لايجير مشرك مالا لقريش ولا نفسا ولا يحول دونه على مومن و انه من اعتبط مومنا قتلا عن بينه فانه قود به الا أن يرضى ولى المقتول وان المومنين عليه كآفة ولا يحل وأن على اليهود نفقتهم و على المسلمين نفقتهم وان بينهم النصر على

من حارب أهل هذه الصحيفه، و ان بينهم النصح والنصيحة والبر دون الاثم، وانه لم يأثم امرو بحليفه وان النصر للمظلوم، وان اليهود ينفقون مع المؤمنين مادا مواامحاربين وأن يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة، وأن الجار كالنفس غير مضار ولآثم وانه لاتجار حرمه الاباذن اهلها و انه ماكان بين اهل هذه الصحيفة من حدث أواشتجار يخاف فساده فان مردّه الٰی اللّٰه عزوجل والی محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأن اللّٰه علی أتقى ما فی هذه الصحيفه وابره، وأنه لا تجار قريش، ولامن نصرها وان بينهم النصر علی من دهم يثرب، واذا دعوا الی صلح يصالحونه ويلبسونه فانهم يصالحونه ويلبسونه وأنهم اذاد عوا الی مثل ذلك فانه لهم علی المومنين الامن حارب فی الدين علی كل اناس حصتهم من جابنهم الذی قبلهم وأن يهود الاوس مواليهم وانفسهم علی مثل مالأهل هذه الصحيفة مع البر المحض من اهل هذه الصحيفة، وأن البر دون الاثم لا يكسب كاسب الاعلی نفسه وأن اللّٰه علی اصدق ما فی هذه الصحيفة و أبره، وانه لا يحول هذا الكتاب دون ظالم أو آثم وانه من خرج امن و من قعدا من بالمدينة الامن ظلم و لهم الاثيام، عليه وانه لا يحل لمومن اقربما فی هذه الصحيفة وامن باللّٰه واليوم الاخرأن ينصر محدثا او ويوويه، وانه من نصره أو آواه فان عليه لعنة اللّٰه و غضبه يوم القيامة ولا يوخذ منه صرف ولا عدل وانكم

مهما اختلفتم فيه من شيء فان مردّه الى الله عزوجل والى محمد صلى الله عليه وسلم۔

وأن اليهود ينفقون مع المومنين مادا موا محاربين وأن يهود بني عوف امة مع المومنين اليهود دينهم و للمسلمين دينهم، مواليهم و انفسهم الامن ظلم وأثم فانه لا يوتغ الانفسه واهل بينه، وأن ليهود بني النجار مثل ما ليهود بني عوف، وان ليهود بني الحارث مثل ماليهود بني عوف، وأن ليهود بني ساعده مثل ماليهود بني عوف وأن ليهود بني جشم مثل ماليهود بني عوف وأن ليهود بني الاوس مثل ماليهود بني عوف، وأن ليهود بني ثعلبه مثل ماليهود بني عوف الامن ظلم وأثم فانه لا يوتغ الانفسه وأهل بيته، وان جفنه بطن من ثعلبه كانفسهم، وأن لبني الشطيبه مثل ماليهود بني عوف و ان البردون الاثم، وان موالى ثعلبه كانفسهم وان بطانه يهود كانفسهم وأنه لا يخرج منهم احد الاباذن محمد صلى الله عليه وسلم وانه لا ينحجز على ثار جرح، وانه من فتك بنفسه فتك واهل بيته الامن ظلم وان الله على أبرهذا أثم وأن الله جارلمن بر واتقى و محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

میثاق مدینہ کا اُردو ترجمہ

قریش اور یثرب کے صاحبان ایمان اور ان کی اتباع کرنے والے جوان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔ کے بارے میں یہ اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دستاویز (یا تحریری معاہدہ) ہے۔

دفعاتِ خاص

یہ کہ تمام گروہ (قریش اور یثرب کے مومنین اور ان کے متبعین) دنیا کے دوسرے لوگوں سے معتبر و ممتاز ایک وحدت (سیاسی) سمجھے جائیں گے۔

- قریش مہاجرین، دیت اور خونبہا کے معاملات میں اپنے قبیلے کے مروّجہ طریقوں پر عمل کریں گے۔ یہ اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ ادا کر کے چھڑا لیں گے۔ یہ لوگ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آئیں گے۔
- اسی طرح نبوعوف اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب سابق خونبہا (ادا کرنے یا لینے) کا طریقہ ان میں جاری رہے گا اور ہر گروہ عدل و انصاف کے ساتھ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لے گا۔
- اسی طرح بنو حارث بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا کا طریقہ حسب سابق ان میں قائم رہے گا۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے ساتھ اپنے قیدیوں کو جذیہ دے کر چھڑا لے گا۔
- اسی طرح بنو جشم بھی اپنی جگہوں قائم رہیں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا بھی ادا کریں گے اور ہر گروہ عدل وانصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ

دے کر چھڑا لے گا۔

- اسی طور بنونجار اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب سابق اپنے ذمے خونبہا مل کر ادا کریں گے اور ہر گروہ (ان میں سے) عدل و انصاف کے ساتھ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لے گا۔
- اسی طرح بنو عمرو بن عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا کا طریقہ مثل سابق ان میں جاری رہے گا اور ہر گروہ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدیوں کو فدیہ ادا کر کے چھڑا لے گا۔
- بنوالنبیت اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور حسب سابق سب مل کر خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا اپنے قیدی کو فدیہ ادا کر کے چھڑا لے گا۔
- بنوالاوس اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور خون بہا کا طریقہ حسب سابق ان میں قائم رہے گا ہر گروہ عدل و انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑا لے گا۔

دفعات عمومی

- اہل ایمان کسی مقروض کو مدد دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے بلکہ حسب قاعدہ فدیہ، دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔
- اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (آزاد کردہ غلام) سے خود معاہدۂ برادری پیدا نہیں کرے گا۔
- یہ کہ کسی مومن کے آزاد کردہ غلام (مولا) کو کوئی مومن حلیف نہیں بنائے گا۔
- یہ کہ تمام پرہیزگار (متقی) مومنین متحدہ طور پر ایسے شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی اختیار کرے اور ظلم، گناہ، زیادتی (تعدی) کے ذریعوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ (ظالم) ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

○ اور یہ کہ مومن، کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف کسی کافر کو مدد دے گا۔
○ اور اللہ کا ذمہ ایک ہے (اس کی پناہ سب کے لئے یکساں ہے) ادنیٰ ترین مسلمان بھی ایک کافر کو پناہ دے سکتا ہے۔ مومنین دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار اور کارساز ہیں۔
○ یہودیوں میں سے جو بھی ہماری پیروی کرے گا تو اس کو امداد اور مساوات حاصل ہو گی اور ان یہودیوں پر نہ ظلم کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دشمن کی (مسلمانوں کی طرف سے) مدد کی جائے گی۔
○ تمام اہل ایمان کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے (ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی) اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا، کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا، جب تک کہ یہ (صلح) ان سب کے لئے برابر اور یکساں نہ ہو۔
○ جو گروہ ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا اس کے افراد نوبت نوبت ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔
○ اور یہ کہ اہل ایمان کافروں سے انتقام لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
○ تمام متقی مسلمان، اسلام کے احسن اور سب سے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رہیں گے۔
○ مدینہ کا کوئی مشرک (غیر مسلم اقلیت کا کوئی فرد) قریش کے شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہیں دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلہ پر اس قریشی کی حمایت اور مدد کرے گا۔
○ جو شخص کسی مومن کا خون، ناحق کرے گا، اس کو مقتول کے عوض (بطور قصاص) قتل کیا جائے گا، بجز اس کے کہ اس مقتول کا ولی اس کا خون بہا لینے پر رضامند ہو جائے

اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے (کوئی اس کی حمایت نہیں کرے گا)

- کسی ایمان والے کے لئے جو اس دستور العمل (صحیفے) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اقرار کر چکا ہے اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہے۔ یہ بات جائز نہیں ہو گی کہ نئی بات نکال کر فتنہ انگیزی کرنے والے کسی شخص کی حمایت کرے یا اس کو پناہ دے جو شخص ایسے کسی مجرم کی حمایت و نصرت کرے گا۔ وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کے عذاب کا سزاوار ٹھہرے گا۔ جہاں نہ اس کی توبہ قبول کی جائے نہ کوئی فدیہ۔
- جب تم مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازع پیدا ہوگا تو اسے اللہ اور (اس کے رسول) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا جائے۔
- اور جب تک جنگ رہے اس وقت تک یہودی، مسلمانوں کے ساتھ مل کر مصارف جنگ برداشت کریں گے۔
- بنی عوف کے یہودی اور ان کے اپنے حلیف اور موالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق متصور ہوں گے۔
- یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر کاربند ہوں گے۔ البتہ جس کسی نے ظلم یا عہد شکنی کی ہے تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔
- بنی نجار کے یہودیوں کے لئے بھی وہی رعایتیں ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں۔
- بنی حارث کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ مراعات ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں۔
- بنی ساعدہ کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ مراعات جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہے۔
- بنی جشم کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے۔

○ بنی الاوس کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو یہود بنی عوف کے لئے ہے۔
○ بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہے جو ظلم یا عہد شکن ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔
○ جفنہ کو (جو قبیلہ ثعلبہ کا بطن ہے) بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل (قبیلہ) کو حاصل ہیں۔
○ بنی الشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہیں اور ہر ایک کو اس (دستاویز) کی پابندی لازم ہے نہ کہ عہد شکنی۔
○ ثعلبیہ کے موالی (آزاد کردہ غلام) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصلی کے لئے ہیں۔
○ یہودی قبیلہ کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔
○ یہ کہ ان قبائل کا کوئی فرد (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر (فوجی مقصد سے) نہیں نکلے گا۔
○ کسی مار اور زخم کا قصاص (بدلہ) لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان ہی سے جو فرد قتل ناحق اور خون ریزی کا مرتکب ہو تو اس کا وبال اور اس کی ذمہ داری اس پر اور اس کے اہل و عیال پر ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے جو اس سے بری الذمہ ہو۔
○ یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا۔
○ اس صحیفے میں شرکاء سے جو بھی جنگ کرے گا، تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔ ان کا شیوہ وفاداری ہوگا، عہد شکنی نہیں کریں گے۔
○ ہر مظلوم کی ہر صورت میں مدد کی جائے گی۔

○ یہ کہ جب تک (کسی قوم کی مسلمانوں سے) جنگ رہے گی، یہودی، مسلمانوں کے ساتھ مصارف (جنگ) برداشت کریں گے۔

○ اس صحیفے والوں (یعنی شرکاء) کے لئے یثرب کا جوف (یعنی داخلی علاقہ) حرم کی حیثیت رکھے گا۔

○ پناہ گیرندہ، پناہ دہندہ کی مانند ہے نہ کوئی اس کو نقصان پہنچائے گا اور نہ وہ (پناہ گیرندہ) عہد شکنی کر کے گنہگار بنے گا۔

○ کسی پناہ گاہ میں وہاں کے لوگوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

○ اس صحیفے (میثاق) کو تسلیم کرنے والوں میں اگر کوئی نئی بات واقع ہو جائے ای کوئی اور ایسا جھگڑا جس سے کسی نقصان اور فساد کا اندیشہ ہو تو ایسے متنازعہ معاملہ میں فیصلے کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور اللہ کی مدد اس شخص کے ساتھ ہے جو اس صحیفے کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاداری کے ساتھ تعمیل کرے۔

○ قریش (مکہ) اور ان کے حامیوں کو کسی طرح پناہ نہیں دی جائے گی۔

○ یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو تو اس کے مقابلہ میں یہ سب (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

○ ان (مسلمانوں) میں سے جو کوئی اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لئے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر یہود کسی ایسی ہی صلح کی دعوت مومنین کو دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کر لیں گے۔ سوائے اس کے کہ کوئی دین کے لئے جنگ کرے۔

○ تمام فریق (معاہدہ) اپنے اپنے علاقے کی مدافعت کے ذمہ دار ہوں گے۔

○ قبیلہ اوس کے یہود کو خواہ وہ موالی ہوں یا اصل، ہر ایک کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس تحریر (معاہدہ) کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔ وہ لوگ بھی اس صحیفہ

(معاہدہ) کے ساتھ وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے اور قرارداد کی پابندی کی جائے گی۔ عہد شکنی نہیں کی جائے گی۔

○ ہر عمل کرنے والا (فرد) اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ زیادتی کرنے والا اپنے نفس پر زیادتی کرے گا اور اللہ کے ساتھ ہے جو اس صحیفہ (دستاویز) کے درج شدہ امور کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

○ یہ نوشتہ (دستاویز یا منشور) کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہیں آئے گا (کہ وہ اپنے جرم کے انجام سے بچ جائے) جو شخص جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جو گھر (یثرب) میں مقیم رہے وہ بھی امن کا حقدار ہوگا (اس کے لئے بھی امن ہے) البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو کسی جرم یا ظلم کے مرتکب ہوں۔

○ جو اس نوشتہ (تحریری معاہدہ) کی وفا شعاری اور احتیاط کے ساتھ تعمیل کرے گا تو اللہ اور اس کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کے نگہبان اور خیر اندیش ہیں۔

کلامِ حاکم
سکندر برادرز

خزینۃ العلم والعرفان
0344-4123924

سوانح کربلا

داستانِ کربلا

سچا خواب نامہ

گلشنِ کاظمی